کشمیر کی نیم بیوہ خواتین-انسانی حقوق کے تناظر میں ایک مطالعہ

مقالہ برائے

پی۔ایچ۔ڈی

مطالعات نسواں

مقالہ نگار

عبدالباسط نائک

(A160915)

زیر نگرانی

پروفیسر شاہدہ

اسکول آف آرٹس اینڈ سوشل سائنس

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد (تلنگانہ)

2017

:

Half widows of Kashmir- A Study from Human Rights perspective

THESIS

SUBMITTED IN PARTIAL FULFILLMENT OF THE REQUIREMENT FOR THE AWARD OF THE DEGREE OF

DOCTOR OF PHILOSOPHY

(Women's Studies)

By

Abdul Basit Naik

A160915

Under the supervision of

Prof. Shahida

Department of Women Education
School of Arts and Social Sciences

Maulana Azad National Urdu University
Hyderabad (Telangana) -500032

2017

CERTIFICATE

This is to certify that the thesis entitled **"Half widows of Kashmir -A Study from Human Rights Perspective"** submitted for the award of the Doctor of Philosophy (PhD) in women studies, Department of Women Education, School of Arts and Social Science, Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad, is the result of the original research work carried out by **Mr. Abdul Basit Naik,** bearing Roll. No**: A160915,** under my supervision and to the best of my knowledge and belief, the work embodied in this thesis does not form part of any thesis/dissertation already submitted to any University/ Institution for the award of any Degree/Diploma.

H.O.D **Supervisor**

Prof. Shahida **Prof. Shahida**

Dean

Place: Hyderabad
Date:

DECLARATION

I do hereby declare that this thesis entitled **"Half widows of Kashmir - A Study from Human Rights Perspective"** is original research carried out by me. No part of this dissertation was published, or submitted to any other University/Institution for the award of any Degree/Diploma.

Abdul Basit Naik

(Signature and Name of Research scholar)

Place: Hyderabad

Date:

اظہارِ تشکر

خالق کائنات کا بے پایاں کرم ہے کہ اس نے مجھے آفات ارضی و سماوی کی آزمائشوں سے نبرد آزما ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔ میں رب الجلیل جو خالقِ کون و مکان بھی ہے اور رحیم و کریم بھی، کی بار گاہِ عظمت میں سر بہ سجود ہو کر ہزار ہا بار شکریہ کے کلمات بجالاتا ہوں جس کی عنایتوں، فضیلتوں و کرامتوں نے مجھے مقالے کی تکمیل کی سعادت عطا فرمائی۔

حصولِ علم کے سلسلے میں علم کے مختلف زینے طے کرنے کے بعد آخری زینہ طے کرنا ہر طالب علم کی دیرینہ خواہش ہوتی ہے ۔ایم ۔فل مکمل کرنے کے بعد میری دلی خواہش تھی کہ جلد از جلد میرا پی ایچ۔ڈی Ph.D. میں داخلہ ہو جائے تا کہ میں تعلیم کے آخری زینے کو پار کر سکوں۔کافی محنت و مشقت کے بعد خدا کے فضل و کرم سے بالآخر میرا پی ایچ۔ڈی Ph.D. میں داخلہ ہوا اور یوں علم کے آخری مرحلے کو کامیاب کرنے کا موقعہ نصیب ہوا۔

اس موقعہ پر راقم الحروف اپنی شفیق و مہربان نگراں اور رہنما صدر شعبۂ تعلیم نسواں پروفیسر شاہدہ کا بے حد مشکور و ممنون ہے ۔جن کی نگرانی میں اپنے پی ایچ۔ڈی Ph.D. کا مقالہ مکمل کر کے میں خود کو خوش قسمت تصور کرتا ہوں کہ مجھے ان کی نگرانی میں کام کرنے اور ان کے علمی فیوض و برکات سے اپنے طالب علمانہ دامن کو بھرنے کی استطاعت نصیب ہوئی۔ ان کی شفقت و محبت، تربیت و رہنمائی اور ان کے حُسنِ تعاون کے لیے راقم الحروف نہایت ہی شکر گذار ہے۔

حق تلفی ہو گی کہ اگر اس موقعے پر شعبۂ کے تمام غیر تدریسی عملے کا شکریہ ادا نہ کیا جائے۔ لہٰذا میں اپنے شعبۂ کے تمام غیر تدریسی عملے فاطمہ باجی کے ساتھ ساتھ نواز خان کا فرداً فرداً شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنھوں نے ہمارے شعبۂ اور یونیورسٹی سے متعلق تمام تر دفتری کام بخوبی انجام دیے۔

اس موقعے پر راقم الحروف اپنے والدین جن سے میرا وجود ہے کا شکریہ ادا کرنا اپنا اولین فریضہ سمجھتا ہوں۔ ان کی نیک دعاؤں اور صحیح رہنمائی کے باعث میں اس مقام تک پہنچا ہوں۔ والدین کے ساتھ ساتھ میں اپنے تمام بھائیوں کے علاوہ اپنی بہنوں کا انتہائی مشکور و ممنون ہوں جن کی حوصلہ افزائی، مالی تعاون، حُسن سلوک اور صحیح تجاویز مقالے کی تکمیل کے لیے مفید و معاون ثابت ہوئی۔

اس مقالے کو پایہ تکمیل تک لے جانے میں میرے احباب و اقارب کے مخلصانہ تعاون کو میں لاکھ چاہنے کے باوجود بھی فراموش نہیں کر سکتا۔ انہوں نے مقالے کی پایہ تکمیل کے لیے ہر ممکنہ صورت میں میری مدد و معاونت فرمائی۔ میں اپنے ان تمام دوستوں بالخصوص برکت حسین پرہ (شعبۂ تعلیم و تربیت، مانو) مختار احمد شالہ (شعبۂ اردو، مانو) ظہور حسین بٹ، وسیم احمد میر وغیرہ کا فرداً فرداً شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں مرکزی و شعبۂ تعلیم نسواں کے کتب خانہ کے تمام اسٹاف کا اور ان لوگوں کا بھی جن کے کتب سے رسائل سے میں نے فیض حاصل کیا تہہ دل سے شکر گذار ہوں۔

میں خدا تعالیٰ کی بارگاہِ عظمت میں دعا کرتا ہوں کہ میرے ان تمام احباب و اقارب کو ہر آفات ارضی و سماوی کے شر سے بخیر و عافیت رکھیں اور جلد از جلد انہیں نیک روز گار عنایت فرمائے اور ہماری اس مختصر کوشش کو قبول فرمائے اور آئندہ تحقیق و تصنیف کا ذوق عنایت فرمائے۔ آمین۔

عبد الباسط نائک

فہرست ابواب

بابِ اول

تمہید

تلخیص

اس باب میں کشمیر تنازعہ اور نیم بیواؤں کے ظہور کے متعلق نظریاتی بحث کی گئی ہے۔ بین الاقوامی سطح پر مسلح تنازعے، جنوبی ایشیاء اور ہندوستان میں مسلح تنازعے، کشمیر تنازعے کا پس منظر، جبری گمشدگی، نیم بیوہ جیسے تصورات کے مفہوم کو واضح کیا گیا۔ اسی طرح انسانی حقوق کے معنی و ارتقاء، خواتین اور انسانی حقوق اور کشمیر میں انسانی حقوق کی پامالی پر بھی مفصل گفتگو کی گئی۔ نیز مختلف تصورات و نظریات کو زیر بحث لایا گیا۔ اور آخر میں تحقیق کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس بات کو واضح کرتے ہوئے مفروضے اخذ کئے گئے اور تحقیق کے مقاصد کو واضح کیا گیا۔ اس کے علاوہ تحقیقی طریقہ کار پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

بابِ اول

تمہید (Introduction)

کشمیر کو پوری دنیا میں اپنی خوبصورتی کی وجہ سے شہرت حاصل ہے۔ اپنی اس خوبصورتی کی وجہ سے اسے دنیا کی جنت کہا جاتا ہے۔ وادی کشمیر کے ساتھ قدرت نے انتہائی فراخدلی برتی ہے، یہاں روحانی و قلبی سکون کا ایسا سامان میسر تھا جو اور کہیں نہیں تھا۔ یہاں کے لالہ زار، آبشار، سر سبز میدان، خوبصورت چمن، گیت گاتی ندیاں، گنگناتے جنگل، اولیا کرام کی دانشگاہیں، زیارتیں غرض ہر وہ سامان میسر تھا جو ایک انسان کو اشرف المخلوقات ہونے کا احساس دلاتا ہے لیکن یہی وادی آج معصوم انسانوں کے لہو میں نہاتی ہے۔

آج سبز وادی لال وادی بن چکی ہے یہاں آج ہر طرف خوف و دہشت کا ماحول بنا ہوا ہے۔ اس وادئ گلپوش کو شورش اور ٹکراؤ کی وجہ سے ایسے گہرے زخم لگے ہیں جن پر مرہم بھی نہیں ہوتا۔ تناؤ، ٹکراؤ اور شورش کی وجہ سے آج کشمیر میں ہر سُو ماتم چھایا ہوا ہے۔ ایسے تناؤ بھرے ماحول میں ہر کوئی شدید تکلیف، کرب اور ذہنی عذاب سے دوچار ہے۔ ہر ایک بلواسطہ یا بلاواسطہ غم والم میں مبتلا ہے۔ وادی کشمیر میں مختلف عناصر اور ایجنسیوں کی طرف سے لوگوں پر ظلم و ستم، تشدد، جبر و زیادتی معمول بن چکا ہے۔ ہر دن ایک نئ صورت حال سے گذرنا پڑتا ہے۔ عزت نفس پر حملہ کیا جاتا ہے۔ اپنی ہی سر زمین پر اپنی شناخت کا ثبوت مانگ کر بیگانگی اور اجنبیت کے احساس میں مبتلا کیا جاتا ہے۔

وہ کشمیر جو ایک انسان کے لئے روحانی سکون میسر کرتا تھا، آج تاریک راہوں میں اپنی شناخت جیسے کھو بیٹھا ہے۔ آج یہاں سکون نہیں ملتا بلکہ زندگی کا ہر لمحہ تکلیف دہ مراحل سے ہو کر گزرتا ہے۔ بلکہ یوں کہنا بے جا نہ ہو گا کہ انسانی حقوق کی پامالیاں یہاں پر بام عروج پر پہنچ چکی ہیں۔ پچھلے دو دہوں سے کشمیر کے حالات کافی ناساز ہیں۔ سیاسی عدم استحکام اور فوج کی مسلسل بڑھتی آبادی نے عام کشمیری کی زندگی کو بدحال کر دیا ہے۔ آج کشمیر ایک تنازعہ سے گذر رہا ہے۔ آئے دن فوج 'تلاشی' کے نام پر گھروں میں، Public transport میں، اور اداروں میں گھس جاتی ہے۔ اسکولوں، کالجوں اور بستیوں کے قریب ان کی چھاؤنیاں پہرہ دیتی نظر آتی ہے۔ یہ تمام حالات مرد و خواتین پر الگ اثر کرتی ہیں، بطور خاص خواتین اور جوان لڑکیوں میں عدم تحفظ کا احساس بالاتر ہوتا جا رہا ہے۔ گزشتہ بیس برسوں کے دوران ہوئی ہلاکتوں سے یہاں ہر طرف تباہی مچ گئی، شورش اور ٹکراؤ کی وجہ سے یہاں کے مسائل و مصائب میں آئے دن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ جن میں اغواکاری، قتل و غارت گری، عصمت ریزی، حراستی اموات، بھوک، افلاس، یتیمی، بیوگی، عسکریت، آتشزدگی، تباہی کے علاوہ اور بھی کہیں نئے نئے مسائل نے جنم لیا ہے۔ شک کی بنیاد پر اکثر جوان لڑکوں اور مرد کو اُٹھا لیا جاتا ہے، غائب کر دیا جاتا ہے۔ کبھی کسی کی لاش دستیاب ہو جاتی ہے اور اکثر کی کوئی خبر نہیں ہوتی اور نہ کوئی خبر گیری کرنے والا۔ ایسے مرد سے جڑے افراد جن میں ان کی بیویاں اور بچے، ماں باپ شامل ہوتے ہیں، کافی مشکلات کا سامنا کرتے ہیں بطور خاص غائب کئے گئے مرد کے بیوی اور بچے مختلف قسم کے مسائل سے دوچار ہیں جو ایک عام کشمیری کے مسائل سے الگ ہوتے ہیں۔ ان خواتین کی سماجی حیثیت کا تعین کرنا مشکل ہے۔ انھیں ایک نئے تصور سے جوڑا جاتا ہے ”نیم

بیوہ"۔ جو بذات خود ایک عارضیت (temporary) لئے ہوئے ہے۔ اس لئے ان کی حیثیت بھی ادھوری ہوتی ہے۔ تمام حقوق سے مبرہ۔ ناتو یہ 'بیوہ' ہے کہ 'امداد' کی حقدار ہو، اور نہ 'شادی شدہ' کہ 'وراثت' کا حصہ ملے۔

درونِ خانہ اور بیرون خانہ ہر دو طرف سے یہ مظلومیت کا پیکر ہے۔ محقق نے اس مسئلہ کو اپنے پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالے کا عنوان بنایا تا کہ اس ضمن میں تمام پیچیدہ حالات کا جائزہ لیا جائے اور ان نیم بیوہ خواتین کے مختلف النواع مسائل کا احاطہ کر کے انھیں منظر عام پر لایا جائے۔ ساتھ ساتھ ان سے جڑے تنظیموں، سرکاری و غیر سرکاری امدادی اداروں کا بھی تفصیلاً ذکر کیا گیا۔ بطور خاص ضرورت ہے ان مسائل کو انسانی حقوق کے تناظر میں دیکھا جائے اور یہاں یہ کاوش ہوئی ہے۔

1.2 تنازعہ اور مسلح تنازع -ایک تعارف

تنازعہ اس وقت شروع ہوتا ہے جب ایک گروہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ دوسری جماعت اس کے بعض امور پر اختلاف رائے رکھتی ہے۔ (Sehgal:1991)

تنازعہ ایک ایسی جد وجہد و جنگ ہے جو دو گروہوں کو خیالات یا تفاوات پر اختلاف رائے ہونے کی بنیاد پر ایک دوسرے کے خلاف صف آرا کرتا ہے۔ (Webster:1983)

تنازعات انسانی عادات واطوار اور سماجی تعلقات کے دیرپا پہلو ہے۔ (Mitchell:1997)

یقیناً تنازعہ کی اصطلاح وسیع الامفہوم ہے۔ عام طور پر اس اصطلاح کو امن وسکون کے ضد کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ تنازعہ دو افراد کے بیچ بھی ہو سکتا ہے اور دو بھائیوں، دو خاندانوں، دو نسلوں و قوموں کے بیچ بھی وقوع

پذیر ہو سکتا ہے۔ وسیع تر تناظر میں ہر سماج میں ہو رہی تمام تر تبدیلیاں چونکہ اختلافات پر ہی منحصر ہیں لہذا یہ چیزیں بھی تنازعہ کے زمرے میں آتی ہیں۔ تنازعہ سماجی و سیاسی مساوات سے محرومی، بنیادی ضروریات کی عدم فراہمی، تنظیمی ذمہ داری کی ناکامی، غالب سماجی سسٹم کا نتیجہ ہے۔(Gurr:1970)۔ تنازعہ وہ صورتحال ہے جس میں باہمی تعاون کا کوئی وجود نہیں ہے یا جزوی وجود ہے (Tannam:2007)۔ شہروں میں ہو رہی سرگرمیوں میں تبدیلیوں سے تنازعہ کے اسباب و محرکات مبہم رہتے ہیں۔ تاہم بعض بنیادی اصولوں میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ (Mitchell: 1997)

تنازعہ حیات انسانی کا ایک اہم اور غیر مبہم حصہ ہے۔ کیونکہ یہ وسائل کی قلت، تقسیم، سرگرمیاں اور کردار میں فرق سے متعلق ہے۔(ibid)

سہگل کے مطابق تنازعہ سے قبل واقعہ ہونے والے حالات میں وسائل کی قلت اور پالیسی,اختلافات وغیرہ شامل ہیں اور جو چیزیں زیادہ اثر انداز ہوتی ہیں ان میں ذہنی تناؤ، عداوت، تنفر وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ تنازعہ کی موجودگی اور اس کی نوعیت کے باعث اس کے بے شمار معنی ہیں۔ انسانی دنیا میں تنازعہ ہمیشہ وقوع پذیر رہتا ہے۔ تاہم اس کی نوعیت ایک ملک سے دوسرے ملک یا ایک قوم سے دوسری قوم میں مختلف ہوتی ہے۔ (Sehgal: 1991)

تنازعہ ہی تنازعہ کے حل کی ضرورت پیدا کرتا ہے۔ تنازعہ کے حل کی روایتی طریقے تنازعہ کے اہم فریقین کے درمیان مفاہمت ہے۔(Smith: 2001)

تنازعہ کم سے کم دو آزاد جماعتوں کے درمیان واضح جدوجہد ہی کا نام ہے جو ان مقاصد کے حصول کے لئے دوسری پارٹی کی سرگرمیوں کو مداخلت تصور کرتے ہیں۔ (Isenhart and Sprangle: 2000) درحقیقت تنازعہ تین اجزا پر مشتمل ہے۔ ۱) کاروائی(action) ۲) عدم مطابقت (incompatibility) اور ۳) اداکار(actors) ۔ تین اجزا کے ہونے سے تنازعہ کی مکمل تشریح یہ ہو جاتی ہے کہ "ایک ہی سماجی حالات میں کم سے کم دو اداکار ایک ہی وقت میں دستیاب قلیل وسائل کے حصول کے لئے سرگردہ ہوں"۔ (Wallensteen: 2015)

عام طور پر تنازعہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک خفیہ(latent) اور دوسرا واضح یا آشکار (active or overt) ۔ خفیہ تنازعہ میں قدرے ایک مستقل صورتحال دو جماعتوں کے درمیان موجود رہتی ہے جن کے مفادات میں منتشر (divergent) اور مقابلے(Competing) کا عنصر پایا جاتا ہیں اور واضح تنازعہ میں کسی خاص مسئلے پر اختلاف رائے پیدا ہو جاتی ہے۔ تاہم دونوں قسم کے تنازعوں میں سماج کو تبدیل کرنے کا مادہ بڑی حد تک موجود ہے۔

تنازعہ نجی(intrapersonal) نوعیت کا بھی ہو سکتا ہے اور باہمی(interpersonal) نوعیت کا بھی ہو سکتا ہے۔ نجی نوعیت کے تنازعے سے فرد متاثر ہو سکتا ہے، ایک فرد پریشانی کا شکار ہو سکتا ہے، ایک فرد کی نجی صلاحتیں ختم ہو سکتی ہیں۔ جبکہ باہمی تنازعے سے مجموعی طور پر جماعتیں، محکمیں، تنظیمیں متاثر ہو سکتی ہیں۔ یہ تنازعے تنظیمی صلاحیتوں کو تباہ کر سکتے ہیں۔ تاہم جملہ تنازعوں میں بعض چیزیں یکسان ہوتی ہیں ۔ اور دونوں میں بڑی بڑی

تفریقیں بھی ہوتی ہیں۔ مختلف قسم کے تنازعوں کو مختلف قسم کی نوعتیں اور natures ہوتے ہیں۔ لہذا عمومی کے بجائے ایک مخصوص تھیوری ہی کے ذریعہ اس مسئلے کو کلی طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔ (Weber: 1991)

Adam Curle نے تنازعہ کو دو جماعتوں کے درمیان طاقت کے توازن کے قیام اور وہ حد جس تک دونوں جماعتیں اپنے اختلافی تفاوات وضروریات کے تئیں واقف ہیں کی جدوجہد قرار دیا ہے۔ تنازعے طاقت کے عدم توازن، انتہائی کم جانکاری کے باعث معرض وجود میں آتے ہیں (Gopinath and Sewak: 2003)

تنازعے کے متعلق مختلف النواع نظریات پیش کیے گئے ہیں۔ اس حوالے سے دو خاص مکاتب فکر قابل ذکر ہے۔(Rubin et. al: 1994) ایک مکتب فکر کے مطابق تنازعہ محض ایک غیر فعال معاملہ ہے اس مکتب فکر کے مطابق تنازعہ ایک منفی تعبیر ہے اور ایک غیر شعوری معاملہ ہے جس کو دبانے کی ضرورت ہے کیونکہ یہ باہمی تعاون اور امن کا مخالف ہے۔ جبکہ دوسرا مکتب فکر تنازعہ کو سماجی تبدیلی کا ایجنٹ تصور کرتا ہے۔ یہ مکتب فکر تعمیری سماجی عمل جس کا مقصد مختلف جماعتوں کے درمیان سرحدیں قائم کرنا ہے تاکہ جماعتوں کے درمیان موافقت کو تقویت حاصل ہو، خود آگاہی کا عنصر پیدا ہو، جو سماجی اتفاق کی طرف اقدام کئے جانے پر تاکید کرتا ہے۔(Raj & Uprati, 2006)

Functionalism کی تھیوری میں Durkheim کا ماننا ہے کہ ایک سماج عوام کے باہمی سماجی اقدار سے ہی زندہ رہ سکتا ہے۔ لہذا ایک سماج اخلاقی موافقت کی بنیادوں پر یکساں ہوتا ہے۔ کارل مارکس کے مطابق تنازعہ دونوں جماعتوں کے درمیان اقتصادی عدم توازن کی بنیادوں پر وجود میں آتا ہے۔ Karl Marx کا ماننا ہے کہ مالدار اور

مزدور کے درمیان مسلسل تنازعہ رہتا ہے۔Dahrendorf اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ سماج میں دو متضاد جماعتیں ہوتی ہیں ایک جماعت حکمرانوں کی ہوتی ہے اور دوسری جماعت محکوموں کی ہوتی ہے۔ لہذا تنازعہ صرف اقتصادی وسائل پر دو جماعتوں کے درمیان جدوجہد تک محدود نہیں ہے بلکہ دو جماعتوں کے درمیان حصول اقتدار کی بھی ایک جنگ ہے۔Max Webber اپنی سوشل ایکشن تھیوری میں رقمطراز ہیں کہ معاشرے تنازعوں اور مساوات کی بنیادوں پر مختلف ہوتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ تنازعہ عام طور پر سماج کے طاقتور لوگوں کے حق میں ہی کام کرتے ہیں۔(Raj & Uprati: 2006)

جملہ ابتدائی سیاسی تھیورسٹس Thucydides سے لیکر Machiavelli اور Von Clausewitz تک ، سبھی نے "طاقت" پر غور کرنے کے لئے ایک ہی خاص عنصر کو مقرر کیا ہے۔Macro Theory of conflict کا بنیادی مرکز طاقت کا استعمال ہے۔Macro theorists اس بات پر متفق ہیں کہ طاقت کئی طریقوں سے حاصل کی جاتی ہے۔ اقتصادی، ثقافتی، سیاسی اور فوجی اعتبار سے طاقت حاصل کی جاسکتی ہے۔ اور ان کا متفقہ طور پر یہ بھی ماننا ہے کہ تنازعے کی جڑیں دو جماعتوں کے درمیان طاقت و وسائل کے حصول کے لئے ، مقابلے میں پیوست ہوتی ہے۔Realist تھیوری کے مطابق تنازعہ وسائل کی قلت اور حکومتوں کی طرف ان قلیل وسائل پر قبضہ کرنے کی کوششوں کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں۔ (Featherstone: 2000)

(Realism social constractualists) جیسے Hobbes کا ماننا ہے کہ فطری حالت میں ایک انسان کی زندگی محدود (Solitary) غلیظ (nasty)، غیر مہذب (brutish) اور مختصر (Short) ہوتی ہے۔ اس کو ایک ایسے جنگ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ سب لوگ ایک دوسرے کے خلاف نبرز آزماہیں۔(Wayper: 1995)

"Shame and death of self" تھیوری کے مطابق جس کے ساتھ بچپن میں زیادتی کی گئی ہو وہ بڑا ہو کر ایک متشدد شخص بنتا ہے۔ James Gilligan:2003 کے مطابق توہین اور تحقیر کے ذریعے عزت نفس کو ٹھیس پہنچانا جارحانہ اطوار کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ Thomas Scheff اور Suzanne Retzinger بھی اسی نظریہ کے قائل ہیں دونوں کا ماننا ہے کہ جذبات کا ایک خاص تسلسل تمام تخریبی جارحیتوں کو جنم دیتا ہے ایک انسان کے عزت نفس کو نقصان پہنچانے سے شرمندگی کا احساس پیدا ہو جاتا ہے جو رفتہ رفتہ پختہ ہو کر پر تشدد بن جاتا ہے۔ کیونکہ وہ تشدد کو ہی عزت نفس کی بحالی و بچاؤ کا ذریعہ گردانتے ہیں۔ ہر فرد سماج اور قوم کا اپنا اپنا وقار ہوتا ہے۔ مساوات کے تھیورسٹس جیسے Homans, Blau اور Walster (1976) تنازعے کو تقسیم انصاف کے نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں۔ لوگ اس وقت ناراض اور متنفر ہو جاتے ہیں جب وہ سمجھتے ہیں انہیں اپنا جائز حق حاصل نہیں ہو رہا ہے۔ Roloff:1981 ایک مساوی تعلق کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس میں بعض لوگ اپنے فوائد و تفاوات کو یکساں سمجھتے ہیں اور حالات و کوائف کے پیش نظر لوگوں کے اس مساوات پر مبنی سوچ میں تبدیلی واقع ہو جاتی ہے۔

پر تشدد تنازعہ عام طور پر طویل ہوتا ہے اور تنازعہ کشمیر بھی چونکہ پر تشدد تنازعہ ہے لہذا یہ طول پکڑتا جارہا ہے۔ سماجی تنازعہ ایک ایسا تنازعہ ہوتا ہے جو مادی بنیادوں پر نہیں بلکہ ضروریات کی بنیادوں پر استوار ہوتا ہے

خاص طور پر ایسی ضروریات جو نسلی، قومی یا فرقہ کی شناخت سے تعلق رکھتی ہوں۔Edward Azar کا ماننا ہے کہ" یہ شناخت سے متعلق جماعتیں مذہبی، نسلی، ثقافتی اور ذات پات کی بنیادوں پر سماج میں اپنا وجود قائم کرتی ہیں جب انہیں سیاسی، اقتصادی اور معاشی اعتبار سے محروم رکھا جاتا ہے تو انہیں شناخت بر قرار رکھنے کے بحران سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔لہذا یہ لوگ اس اہم چیز کے حصول کے تمام تر وسائل و صلاحتیں بروئے کار لانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑتے ہیں۔ مختصر یہ کہ سماجی تنازعے کا بنیادی محور یہی ہوتا ہے" (Azar: 1991)۔Stephen Ryan کی سماجی تنازعوں کے بارے میں رائے ہے کہ سماجی تنازعے جو بہت طویل ہوتے ہیں نسلی گروہوں کے درمیان مدت سے چلتے آرہے ہیں اور یہ تنازعے ناقابل تصفیہ لگتے ہیں۔(Ryan: 1990)

طویل سماجی تنازعے بعض وجوہات کی بنا پر طویل نوعیت کے ہوتے ہیں ۔ جن میں معاشرے میں کثیر تعداد میں فرقہ اور نسلی گروہوں کا پایا جانا قابل ذکر ہے اور طویل سماجی تنازعوں کی جڑیں سیاسی، اقتصادی پسماندگی میں پیوست ہیں۔ اس کے علاوہ Ryan کے مطابق سماجی و سیاسی و اقتصادی نابرابری کے پیش نظر سماج میں نفی امتیاز کی حرص پیدا ہو جاتا ہے جو رفتہ رفتہ بڑھ جاتا ہے اور تنازعے کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

Upreti اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ طویل تنازعے کے باعث سول سوسائٹی کمزور ہو جاتی ہے۔ سرکاری اداروں کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے اقتصادیات ختم ہو جاتا ہے اور تعمیر و ترقی مسدود ہو کر رہ جاتی ہے۔عدم مساوات اور امتیاز پر مبنی سماج بھی سماجی تنازعوں کے وجود میں بہت بڑا رول ادا کرتا ہے کیونکہ ایسے سماج

میں ایک خاص طبقے کی حمایت کی جاتی ہے اور دوسرے طبقوں کی مخالفت کی جاتی ہے ایسی صورتحال میں یہ ایک پر تشدد تنازعے کا باعث بن جاتا ہے۔

Axell اور Walensteen کے مطابق مسلح تنازعہ وہ صورتحال ہے جس میں ایک ہزار سے زیادہ جانیں تلف ہو جائے۔ یہ وہ جدوجہد ہے جو حکومت یا ٹیرٹری کے باعث تشویش و فکر ہو اور دو متصادم گروہوں میں سے ایک گروہ حکومت خود ہو اور جس میں کم سے کم پچیس جانیں جنگ کی وجہ سے تلف ہوئی ہوں۔ (UNSCO: 2002)۔ مسلح تنازعہ ایک عام تنازعہ ہے یہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے۔ تاہم مسئلہ تنازعے کی ہیت اور نوعیت میں نئی ٹیکنالوجی اور نئی جنگی حکمت عملیوں کے باعث کئی تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔ جدید زمانے میں استعمال کیا جانے والا جنگیں ساز و سامان انتہائی مہلک اور نقصان دہ ہے۔ ان کے استعمال سے دور دور تک اثرات پھیل جاتے ہیں۔ مسلح تنازعے دو جماعتوں یا اس سے باہر بھی بے تحاشا جانی و مالی نقصان کا باعث بن جاتے ہیں۔(Deka: 1999)۔ مسلح تنازوں کی وجہ سے سماج پر بہت برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس سے خاندان، لوگ اور قومیں فنا ہو جاتی ہیں۔ اس سے نہ صرف زمانۂ حال ختم ہو جاتا ہے بلکہ زمانہ مستقبل بھی بری طرح مجروح ہو جاتا ہے۔ (Qayoom: 2014)۔ مسلح تنازعوں کی وجہ سے نہ صرف افراد اور عوام متاثر ہو جاتے ہیں بلکہ اتحاد و یکجہتی کی بنیادوں پر استوار سماجی نیٹ ورک کا بھی قلع قمع ہو جاتا ہے۔ ان حالات میں خاندان کمانے والے سے محروم ہو جاتے ہیں، عوام کو روزی روٹی کے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں، قوموں پر عدم تحفظ کے بادل سایہ فگن ہو جاتے ہیں اور انسانی حقوق کی پامالیاں بام عروج پر پہنچ جاتی ہے۔(UNHCR: 1997)

بین الاقوامی سطح پر مسلح تنازعے (Armed Conflict at Global Level)

عصر حاضر میں بین الاقوامی برادری کے سامنے قیام امن سب سے بڑا چیلینز ابھر کر سامنے آیا ہے۔ کیونکہ اس وقت دنیا بھر میں کشت و خون کا لامتناہی سلسلہ پوری آب و تاب کے ساتھ جاری و ساری ہے۔ بیسویں صدی میں ڈھائی سو سے بھی زیادہ مسلح تنازعے رونما ہوئے ہیں جن کی وجہ سے ایک سو ملین سے بھی زیادہ انسانی جانیں تلف ہوئی جن میں بیشتر عام شہری تھے۔(Kegley & Wittkopf: 2004)اور ان میں سے تیئس ملین لوگ سال 2000 تک رونما ہو چکے ایک سو ساٹھ جنگوں کی وجہ سے از جان ہوئے۔ خواہ وہ عالمی جنگ دوئم کے بعد کا زمانہ تھا یا سرد جنگ 91-1945 تک کا زمانہ یا سرد جنگ سے بعد 2001-1991 کا زمانہ یا 2001/11/9 کا زمانہ، یہ ادوار میں جنگوں کی شدت کی وجہ سے زیادہ جانی و مالی نقصان کے باعث زیادہ مشہور ہیں۔ تاہم جنگ کے بعد امن بحال ہونے کے بھی ادوار گذرے ہیں(Jacoby)۔ آج بھی دنیا کے کئی خطوں میں مسلح تنازعے جاری ہیں جن میں سے کچھ طویل المدتی ہیں۔ افریقہ میں ہی 1960 سے لیکر آج تک بیس سے بھی زیادہ سول جنگیں رونما ہوئی ہیں۔ راونڈا، سومالیہ، انگالو، سوڈان، لیبریا اور بیرونڈی ایسے ممالک ہیں جہاں حال ہی میں انتہائی سنگین نوعیت کے مسلح تنازعے وقوع پذیر ہوئے اور گذشتہ کئی سالوں کے دوران یورپ میں روس اور چیچین کے درمیان 1994 سے لیکر بغاوت ہوئی۔ کولمبیا اور لاطینی امریکہ میں تنازعے جاری ہیں۔ ایشیا میں افغانستان سرزمین جنگ و جدل بن گیا ہے جہاں امریکی اور برطانوی اتحادی افواج اور القاعدہ اور طالبان کے درمیان تشدد آمیز جھڑپوں کا سلسلہ جاری ہے۔ سری لنکا بھی سری لنکائی مسلح افواج اور تامل ایلم باغیوں کے درمیان 2009 تک جنگ و جدل بنا رہا۔ فلفین

بھی 1971 سےMindanaoanعلیٰحد گی پسندوں کے ساتھ نبر د آزما ہے۔۔ مشرقی وسطیٰ کے بعض ممالک میں جنگ جاری ہے اور اسرائیل اور فلسطین کے درمیان1948 سے خون آشام تنازعے جاری ہیں۔

جنوبی ایشیا اور ہندوستان میں مسلح تنازعے

(Armed Conflict in South Asia and India)

جنوبی ایشیا مختلف اندورنی وبیرونی مسلح تنازعوں کی لپیٹ میں ہونے کے باعث دنیا کا سب سے زیادہ پر آشوب و پر تناؤ خطہ تصور کیا جاتا ہے۔ دنیا کی کل آبادی میں سے نصف بلین لوگ جنوبی ایشیا میں ہی آباد ہیں۔ ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، سری لنکا، نیپال، بھوٹان اور مال دیپ کے خطوں پر مشتمل علاقے گذشتہ ساٹھ سالوں سے مختلف النواع تشدد آمیز تنازعوں سے جوجھ رہے ہیں۔ ان تنازعوں کے خدوخال قومی، مذہبی اور نسلی بنیادوں پر ہیں (Iqbal Sial: 2007)۔ جنوبی ایشیا کے بعض ممالک جن میں ہندوستان، پاکستان، سری لنکا، بنگلہ دیش، بھوٹان اور نیپال قابل ذکر ہیں میں اندرونی حافظتی معاملات و خدشات علاقے میں بڑتے ہوئے خلفشار کے باعث ہیں۔

تنازعہ کشمیر ہندوستان اور پاکستان کے درمیان اندرونی حفاظتی معاملہ نہیں ہے بلکہ یہ مسئلہ جنوبی ایشیا اور اس کے باہر بھی پھیل چکا ہے۔ سری لنکا میں مسلح جنگ میں اضافہ، بنگلہ دیش میں اسلامی بنیاد پرستوں کا فروغ و عروج، نیپال میں ماؤوادوں کی بڑھتی ہوئی سرگرمیاں اور منشیات دھندھے کا عروج پورے علاقے میں تشویش و فکر کا باعث ہے۔ بھوٹان اور بنگلہ دیش بھی اپنی ہی سرزمین پر ابھر رہی دہشت گردی کے ساتھ متصادم ہیں۔ ان ممالک میں ابھر رہے نسلی تنازعے بھی نہ صرف اندرونی حفاظت کے لئے ایک چلینج بن رہے ہیں بلکہ بین ممالک

تعلقات میں بھی روڑے اٹکانے کا باعث بن رہے ہیں۔ ہندوستان اور پاکستان کے پاس چونکہ نیوکلیائی ہتھیار ہیں لہذا روایتی جنگ کے امکانات مخدوش ہوتے ہیں۔ لیکن کم نوعیت کے جنگوں کے سلسلے میں شدت پیدا ہو گئی ہے۔ ہندوستان کی چار ریاستوں آسام، منی پور، ناگالینڈ اور تری پورہ میں نسلی بغاوت کی جنگیں چل رہی ہیں اور آندھرا پردیش میں بھی داہیئں بازو کی انتہا پسندی بام عروج پر ہے۔ علازہ ازیں بہار میں بھی ذات پات کی بنیادوں پر فسادات نے سر ابھارا ہے۔(Omprakash Mishra &Sucheta Ghosh: 2003)

ہندوستان دنیا کا سب سے بڑا جمہوری ملک ہے۔ اور آبادی کے لحاظ سے دوسرے درجے پر فائز ہے۔ 1947 سے لیکر آج تک ہندوستان اور پاکستان کے درمیان تین جنگیں ہوئی ہیں جن میں سے دو متنازعہ کشمیر پر ہوئے ہیں(Graduate Institute of Geneva: 2012)۔ آزادی کا سورج طلوع ہوتے ہی ہندوستان تنازعوں کی لپیٹ میں آیا ہے۔ مسلح اور غیر مسلح تنازعے اور نسلی تنازعے سے ہندوستان مسلسل جوجھ رہا ہے ماؤواد نکسلیوں کی مسلح بغاوت نے مغربی بنگال، چھتیس گڈھ، اڑیسہ، آندھرا پردیش، مہاراشٹرا، جھارکھنڈ، بہار اور اترپردیش کو اپنی لپیٹ میں لیا ہے۔ ہندوستان میں مسلح تشدد کی کئی قسمیں ہیں بین ریاستی اور اندرون ریاستی اور کشمیر پر پاکستان کے ساتھ عالمی تنازعے اہم ترین تنازعے ہیں۔ اس وقت تین بڑے خطے جیسے جموں و کشمیر، شمالی مشرقی ہندوستان اور وسطی ہندوستان بہت خطرناک مسلح تنازعے کے مخمصے میں پھنس گئے ہیں۔ ان علاقوں کے مسلح احتجاجوں کے مختلف منازل و مقاصد ہیں اور ان کے معاملات بھی مختلف ہیں۔ جموں و کشمیر میں سرگرم مسلح تنظیمیں ہندوستان

سے علیٰحدگی کا مطالبہ کر رہی ہیں۔ شمالی مشرقی علاقے حکومت میں زیادہ سے زیادہ خود مختاری کے متلاشی ہیں اور مشرق وسطی ہندوستان میں ماؤوادیوں کا مقصد ملک کے سیاسی نظام کو تبدیل کرنا ہے۔

ہندوستانی فوج کے مطابق ملک کو درپیش حفاظتی چلینجز مختلف بھی ہیں اور انتہائی پیچیدہ بھی۔ ان میں کم درجے کے طبقاتی، نسلی اور دائیں بازو کی تحریکوں کے علاوہ مختلف انتہاپسند جہادی تنظیموں اور پاکستان کی طرف سے پرواکسی جنگ بھی شامل ہیں۔ گذشتہ کئی سالوں سے ہندوستان کی شمالی مشرقی ریاستوں میں اندرونی مسلح تنازعے اور مختلف اقسام کے فسادات ہو رہے ہیں۔ آندھرا پردیش کے علاوہ مختلف علاقوں میں ماؤوادیوں کی بغاوت تیز سے تیز تر ہو رہی ہے۔(Graduate institute of Geneva: 2012)۔ ان علاقوں میں تنازعے کی وجوہات نے عوام کو سیاسی، اقتصادی محرومی اور بعض طبقوں میں عدم تحفظ کے بڑھتے ہوئے احساس خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

جنوبی ایشیا کا ہر ملک چونکہ ابھی نیشن بلڈنگ (تعمیر قوم) میں ہی مصروف عمل ہے جو ایک انتہائی سنجیدہ اور پیچیدہ کام ہے اور اس میں مختلف مطالبات، تضادات کو لے کر بیشمار اداکار کام کر رہے ہیں۔ اور ہر ریاست اپنے آپ کو برطانیہ کی جانشین تصور کرتی ہے۔ خطے میں اپنی اپنی بالادستی کو قائم کرنے کے لئے ہر ملک اپنے سیاسی فوجی طاقت کو مستحکم کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے۔ جس کی وجہ سے عوام کے محروم طبقے مزید محرومی کے دلدل میں پھنس جاتے ہیں جس سے باہر نکلنے کے لئے وہ پھر بغاوت کا علم مسلح یا غیر مسلح بلند کرتے ہیں۔

1.3 کشمیر تنازعے کا پس منظر (Background of Kashmir Conflict)

تنازعہ کشمیر سے مراد خطہ کشمیر پر تنازعے سے ہے جو بر صغیر ہند کا مغربی علاقہ ہے۔ اس تنازعے کے متعلقین ہندوستان، پاکستان، چین اور کشمیری عوام ہیں۔ ہندوستان سابق ڈوگرہ ریاست جموں و کشمیر پر اپنا حق جتا رہا ہے اور فی الوقت خطے کے تقریباً تینتالیس فیصد پر قابض ہے جس میں جموں، کشمیر، لداخ اور سیاچین گلیشر شامل ہیں۔ ہندوستان کے دعوے کو پاکستان رد کرتے ہوئے سینتیس فیصد علاقے پر قابض ہے جس میں کشمیر خاص کر آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کے شمالی علاقے شامل ہیں جبکہ چین بیس فیصد پر قابض ہے جس میں اکسائے چین جس پر وہ 1962 کے چین۔ ہند مختصر جنگ کے دوران قبضہ کیا، شامل ہیں۔

ہندوستان کا سرکاری سطح پر یہ اسٹینڈ ہے کہ کشمیر ایک متنازعہ خطہ ہے اس کا حتمی حل کشمیری عوام کی رائے کے مطابق تلاش کیا جا سکتا ہے۔ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان کشمیر تنازعہ پر اب تک 1947, 1965 اور 1999 میں تین خونی جنگیں ہوئیں۔ جبکہ چین اور ہندوستان کے درمیان بھی اکسائے چین اور اروناچل پردیش کے شمالی مشرقی ریاستوں پر 1962 میں ایک جنگ ہوئی ہے۔(Verma: 2010. Pp.37)

تنازعہ کشمیر کو کما حقہ طور پر سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ کشمیر کے تنازعے اور کشمیر میں تنازعے کی اصطلاحوں کو بخوبی سمجھا جائے۔(Suri and Chandaran: 2008)۔1920 سے ہی کشمیر میں مختلف اقسام اور مختلف نوعیتوں کے تنازعے ابھرے ہیں۔ جن میں مختلف اداکاروں نے اپنی اداکاری کے جوہر دکھائے۔ ڈوگرہ

حکمرانوں کی ظالم حکمرانی کو کشمیر تنازعے کی اساس اور بنیادی وجہ گردانا جاتا ہے۔ ڈوگرہ حکومت کے دوران عوام کو نہ صرف الگ تھلگ کیا گیا بلکہ غربت و افلاس کے دلدل میں بھی دھکیلا گیا۔

شیخ محمد عبداللہ جیسے سربراہ سیاسی رہنما اور آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس جیسی سیاسی جماعت جس کو بعد میں 1938 میں نیشنل کانفرنس میں تبدیل کیا گیا کے منظر عام پر آنے کے ساتھ ہی لوگوں کو اچھی حکومت فراہم کرنے کے تحریک شد و مد سے شروع ہوئی۔ لیکن بعد میں جب 1947 میں آزادی کا آفتاب طلوع ہوا اور تقسیم ہند کے پیش نظر ہندوستان اور پاکستان دو الگ الگ ممالک بن گئے تو کشمیر تنازعے پر ہندوستان اور پاکستان کے درمیان کشیدگی شروع ہوگئی۔ اس طرح کشمیر میں تنازعے کے ساتھ کشمیر پر تنازعے کا موضوع منصۂ شہود پر ابھر آیا۔

ہندوستان کی آزادی کے وقت جملہ صوبوں کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ دو ممالک میں سے کسی بھی ملک کے ساتھ الحاق کرسکتے ہیں، یا علیحٰدہ بھی رہ سکتے ہیں۔ اس وقت کشمیر جو جملہ پانچ سو پچاس صوبوں میں سے سب سے بڑا صوبہ تھا پر ڈوگروں کی حکومت تھی اور مہاراجہ ہری سنگھ گدی پر براجمان تھا۔ مہاراجہ نے اس حوالے سے تعطل برقرار رکھنے کا فیصلہ کیا۔ بعض مورخین کا ماننا ہے کہ مہاراجہ علیحٰدہ دونوں ملکوں کے درمیان ایک بفر سٹیٹ کی حیثیت سے رہنا چاہتا تھا۔ دریں اثنا پاکستان نے کشمیر پر قبضہ کرنے کے لئے جارحیت کر کے قبائلوں کو وارد کشمیر کیا۔ لہٰذا مہاراجہ ان کا مقابلہ کرنے کے لئے ہندوستان سے مدد طلب کرنے پر مجبور ہوا۔ ہندوستان نے مہاراجہ کی مدد کے لیے فوج بھیجنے کے عوض میں یہ شرط رکھی کہ کشمیر ہندوستان سے الحاق کرے گا۔ (Jha: 2003)۔ ہندوستان کے ساتھ

الحاق کے بعد کشمیر کو خصوصی پوزیشن سے نوازا گیا۔ آئین ہند میں دفعہ 370 کے تحت یہ پوزیشن کشمیر کو حاصل ہوئی۔

واضح رہے کہ گذشتہ کئی سالوں کے دوران دفعہ 370 کئی ترامیم کے ذریعہ کھوکھلا کیا گیا ہے جو محض ایک لاش کے مانند ہے۔ جبکہ دفعہ 35(a) کو بھی اب ایک منصوبہ بند سازش کے ذریعہ سپریم کورٹ میں چلینج کیا گیا ہے۔ بی۔جے۔پی کی موجودہ قومی وریاستی قیادت اس دفعہ کو فرسودہ اور غیر قانونی قرار دے کر اس کی منسوخی کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہے۔ تاہم خوش آیئند بات یہ ہے کہ ریاست کی تمام سیاسی و تجارتی انجمنیں ریاست کو متذکرہ دفعات کے تحت حاصل خصوصی پوزیشن کے تحفظ کے لئے ایک جھٹ ہو گئی ہے۔ اس دفعہ کو آئین میں درج ہونے کے باعث کشمیر کے مسلمانوں کو ایک جذباتی اطمینان حاصل ہوا کہ ان پر دور دہلی میں قائم حکومت حکمران نہیں ہے۔(Birdwood: 1956. Pp. 178) سامراجی برطانیہ کی حکومت کے 1948 میں اختتام کے بعد ہندوستان اور پاکستان دو الگ الگ ممالک کے طور پر دنیا کے نقشہ پر ابھر گئے اس وقت مہاراجہ ہری سنگھ جموں وکشمیر پر حکومت کر رہا تھا اور 1931 میں ہی اس کی ظالم و جابر حکومت کے خلاف زمینی سطح پر ایک تحریک شروع ہو گئی تھی۔ تاہم مہاراجہ نے آخری لمحے تک انتظار کرنے کے بعد پاکستان کی طرف قبائلی حملے کے بعد ہندوستان کے ساتھ الحاق کیا۔ ہندوستان کے ساتھ الحاق اور دستاویز الحاق متنازعہ بھی اور بحث طلب بھی ہے۔ لہذا یہ الحاق عارضی اقدام کے طور پر پیش کیا گیا اور حکومت ہند نے یہ بات تسلیم کی کہ کشمیر تنازعے کا حل رائے شماری کے ذریعہ تلاش کیا جائے گا۔

Sharma (2008) کے مطابق 1949 تک ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم جواہر لعل نہرو کشمیریوں کو رائے شماری کے ذریعہ اپنے مقدر کا فیصلہ کرنے کا اعلان کیا لیکن بعد میں خود ہی مذکورہ رائے شماری کو یہ کہتے ہوئے منسوخ کیا کہ پاکستان نے اقوام متحدہ کے سیز فائر کی خلاف ورزی کی ہے۔

1951 میں شیخ عبداللہ نے جموں و کشمیر میں اسمبلی کے قیام کے لئے انتخابات منظم کئے۔ جن میں نیشنل کانفرنس نے جملہ 75 سیٹیں حاصل کی۔ Sumantra Bose (1997) کے مطابق اس وقت کشمیر میں نیشنل کانفرنس کے مقابلے میں آنے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ جہاں شیخ عبداللہ ایک ریاستی پارٹی چلا رہا تھا۔ لیکن جموں میں بھی کوئی مقابلہ نہیں ہوا جہاں پر پُر تشدد ایک ہندو تنظیم کو الیکشن میں حصہ لینے کی اجازت نہیں دی گئی۔ (p.31) بالآخر 1952 میں نہرو اور عبداللہ کے درمیان مرکز اور ریاست کی تعلق داری کے حوالے سے دہلی معاہدہ طے پایا۔ اس معاہدے کے تحت یہ طے پایا کہ ریاست میں قومی جھنڈے کو امتیازی مقام حاصل ہو گا جبکہ ریاست کا اپنا علحٰیدہ جھنڈا ابھی بر قرار رہے گا۔ ہندوستانی آیئن کے تحت بنیادی حقوق کا ریاست پر بھی اطلاق ہو گا اور ان بنیادی حقوق کے تعلق سے اور ریاست اور مرکز کے درمیان تنازعات پر بھی ریاست سپریم کورٹ کے دائرے اختیار میں آئے گی۔ (THT: 1952)۔ 1952 میں شیخ عبداللہ کی پوزیشن بھی آزادی کی تفہیم کے مطابق ہی تھی۔ آخر کار شیخ کو 9-8 اگست 1953 میں گرفتار کیا گیا۔ اور آپ کے دست راست بخشی غلام محمد کو کشمیر کا نیا وزیر اعظم منتخب کیا گیا۔ شیخ کی گرفتاری پر اٹھی شورش اس قدر شدید نہیں تھی کہ بخشی غلام محمد کا پانسا پلٹا جاسکتا۔

تاہم شیخ کی گرفتاری پر پاکستان آگ بگولہ ہوا۔ اگرچہ شیخ کے ابتدائی موقف پر پاکستان نے تنقید کی تھی۔ پاکستان نے احتجاج کیا اور حکومت پاکستان نے یوم آزادی کی تقریبات کو بھی منسوخ کیا۔(Kak: 1997. pp. 27)

بخشی غلام محمد کو وزرات اعظمیٰ کی کرسی پر براجمان کرنے کے دوسرے مقاصد تھے جن میں کشمیر کے ہندوستان کے ساتھ الحاق کو حتمی شکل دینا شامل تھا۔1954 میں صدر ہند نے ایک آیئنی حکم نامہ جاری کیا جس کے تحت حکومت ہند کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ ریاست جموں وکشمیر کے متعلق نہ صرف تین چیزوں دفاع، امور خانہ اور رسل ورسائل کے معاملات پر قانون سازی کرے بلکہ یونین لسٹ کے اہتمام امور پر قانون سازی کرے۔ بخشی کی حکومت نے اس حکم نامے کو ضروری قانونی منظوری دے دی۔ اس حکم نامے نے نہرو، شیخ 1952 کے ریکارڈ کو منسوخ کیا۔ اور اسی قدم سے رائے شماری کے حوالے سے تمام بحث ومباحثہ ختم ہو گئے۔ اس کے بعد 1957 اور 1 958 میں بعض آیئنی ترامیم کے ذریعہ جموں وکشمیر کو مرکزی انتظامیہ کے تحت براہ راست لایا گیا۔

1962 کے انتخابات میں بخشی کی سربراہی والی نیشنل کانفرنس نے 97 فیصدی سیٹیں حاصل کیں۔ ان انتخابات میں بڑے پیمانے پر دھاندلی کی گئی۔ بخشی کی حکومت 1963 تک قائم رہی جو کوئی خاص اثر ورسوخ قائم کرنے میں مکمل طور پر ناکام رہی۔ اپنی حکومت کے دوران بخشی اقتصادی ودیگر تعمیر وترقی کے مرکز سے فنڈز حاصل کرنے میں کامیاب ہوا اور ڈیڑھ کلومیٹر لمبی بانہال ٹنل کی تعمیر کے لئے مرکز کی مدد سے تعمیری کام شروع ہوا۔(Korbel: 1966. pp. 319)۔ دوسری طرف سیاسی بغاوت کو کچلنے کے لئے بھی اقدامات کیے گئے۔ عوام

کو بنیادی آزادی سے محروم رکھا گیا۔ لوگوں کو سرکار کی سرگرمیوں کو تسلیم کرنے پر مجبور کیا گیا۔ اور سرکار کی تنقید کرنے والے اخباروں پر پابندی لگائی گئی۔(Verma: 1994. pp. 52)

بہر حال بخشی کے بعد G.M Sadiq's کو تخت نشین کیا گیا اور بخشی دور کو ہی ریاست کو حاصل خصوصی پوزیشن کو بتدریج ختم کرنے کا دور مانا جاتا ہے۔ اسی دور میں عوام کے حکومت کے تئیں خدشات میں اضافہ ہونے لگا۔ اور جب بخشی نے استفاہ سے پہلے یہ اعلان کیا کہ مستقبل میں ریاست کے سرپرست کو وزیر اعظم کے بجائے وزیر اعلیٰ اور صدر ریاست کے بجائے گورنر سے پکارا جائے گا تو عوام میں خدشات مزید بڑھ گئے۔ 1964 میں بخشی کو بھی نہیں بخشا گیا اور ڈفنس آف انڈیا رولز کے تحت اسے بھی گرفتار کیا گیا۔

جی۔ ایم صادق کی حکومت بخشی حکومت سے کچھ زیادہ مختلف نہیں تھی۔ صادق نے بھی سابقہ حکومت کے نقوش پر ہی عمل کیا۔ ریاست اور مرکز کے درمیان تعلقات کے استحکام کے لئے دفعہ 356 اور 357 جو مرکز کو منتخب صوبائی حکومتوں کی برطرفی اور تمام قانون سازی کے فنکشنوں کا اختیار فراہم کرتے ہیں کو ریاست جموں و کشمیر میں نافذ العمل بنایا گیا۔ نیز دفعہ 349 کو بھی جموں و کشمیر میں نافذ العمل بنایا گیا۔ اس طرح کشمیر کی خود مختاری کو جڑ سے اکھاڑا گیا۔ (Bose: 1997. pp. 34-35)۔ اسی دوران نیشنل کانفرنس کو پردیش کانگریس کمیٹی میں تبدیل کیا گیا، جس پر وادی کے لوگوں نے زوردار احتجاجی مظاہرے کئے۔ پاکستان زیر انتظام کشمیر میں بھی احتجاجی مظاہرے کیے گئے۔ لوگوں نے شیخ عبداللہ کے فرمان کے مطابق کانگریس کے مسلمان لیڈروں کا سوشل بائیکاٹ کیا۔ پر تشدد احتجاجی مظاہرے ہوئے۔ اسی اثنا میں شیخ عبداللہ اور محمد افضل بیگ کو 8 مئی 1965 میں حج سے واپسی

پر گرفتار کیا گیا۔ ایک بار پھر احتجاجوں کو پسپا کرنے کے لئے طاقت کا بھرپور استعمال کیا گیا۔ اسی پر تناؤ صورتحال سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے پاکستان نے اگست 1965 میں مسلح افراد کو وارد وادی کیا۔ تاہم مسلح ہند فوج نے ان مسلح جنگجوؤں کو کچل دیا۔ آخر پر پاکستان نے 23 ستمبر کو اپنی فوج واپس بلائی۔ (Puri: 1995. pp.32)

محاز رائے شماری نامی تنظیم (Plebiscite front organization) جس کو شیخ عبد اللہ نے 1955 میں بنایا تھا، 1965 کے جنگ کے بعد زندہ ہو گئی اور شیخ نے تعطل کو توڑنے کے لئے اکتوبر 1968 میں جموں و کشمیر پیپلز کنونشن کا انعقاد کیا۔(Puri: 1981. pp.174)۔ انہوں نے زور دے کر کہا کہ اب رائے شماری کا نعرہ بلند کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور تجویز پیش کی کہ کشمیری لیڈروں کو اب ایک نئی راہ تلاش کرنے کے لئے پالیسی مرتب کرنی چاہیے۔(Quasim: 1992. pp. 297-298)۔ اس کے بعد 1967 کے انتخابات پرامن طریقے سے منعقد ہوئے جن میں 42 کانگریس امیدواروں میں سے 22 امیدواروں نے بلا مقابلہ کامیابیاں حاصل کیں ۔ لیکن 1972 میں تنازعہ اس وقت اٹھ گیا جب محاز رائے شماری کو غیر قانونی قرار دیا گیا۔ اسی سال شیخ عبد اللہ، اس کی اہلیہ اور مرزا محمد افضل بیگ کو داخل ہونے کی اجازت نہیں دی گئی جیسا کہ 1953 میں معزولی کے بعد شیخ عبد اللہ نے پہلی مرتبہ الیکشن میں حصہ لینے اور وزیر اعظم ہند کے ساتھ کشمیر تنازعے کے حوالے سے گفت وشنید کرنے کی آرزو ظاہر کی تھی۔ آخر کار شیخ عبد اللہ 1975 میں خود ارادیت کے پلیٹ فارم سے دستبردار ہوئے اس کی وجہ شاید 1971 میں بنگلہ دیش جنگ میں پاکستان کو شرمناک شکست سے دوچار ہونا تھا۔ جس کی بنا پر پاکستان شملہ

سمجھوتہ پر دستخط کرنے کے لئے مجبور ہوا تھا اس جنگ سے پاکستان اقتصادی طور پر تباہ اور نفسیاتی طور پر کافی مجروح ہوا تھا۔(Lamb: 1991. pp.27)اس شکست کے نتیجے میں پاکستان کو تسلیم کرنا پڑا کہ کشمیر بین الاقوامی معاملے کے بجائے ایک دوطرفہ معاملہ ہے۔ شیخ عبداللہ کی رہائی اور اس کو وزیر اعلیٰ کی کرسی کے عوض مرزا افضل بیگ نے دہلی معاہدے کے نام سے ایک اور معاہدے پر دستخط کئے۔ اس معاہدہ کے تحت کشمیر کی انڈین یونین میں شمولیت پکی ہوگئی اور حق خود ارادیت کی تحریک کے مکمل خاتمے میں یہ معاہدہ ممد و مددگار ثابت ہوا۔ (Verma: 1994. pp. 57)اسی معاہدے کی بنا پر 1977 میں جمہوری الیکشن کے لئے راہیں ہموار ہوئی۔ (Bose: 1997. pp.41)مرکز میں جنتا پارٹی کی سرکار نے تمام عبداللہ مخالف عناصر کو ایک بینر کے نیچے جمع کرنے کی کوشش کی جس کی وجہ سے سیاسی طاقت دو جماعتوں نیشنل کانفرنس اور جنتا پارٹی میں تقسیم ہوا۔ تاہم الیکشن نتائج جب ظاہر ہوئے تو وادی کی 42 سیٹوں میں سے جنتا نے صرف 2 سیٹیں حاصل کی۔

1980 کی دہائی میں ہندوستان میں علحیدگی پسند تحریکوں کی لہر نے ہندوستان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ مثال کے طور پر جموں و کشمیر لبریشن فرنٹ مسلمان نوجوان تنظیموں نے ہندوستان سے حق خود ارادیت کے حصول کے لئے آواز بلند کی۔(Kapoor and Narang: 2002)عبداللہ کے مطابق جے۔کے۔ایل۔ایف نے بندوق اس لئے اٹھایا کیونکہ ہندوستان نے کشمیری عوام کو بار بار ایک معنی خیز جمہوری آواز سے محروم رکھا تھا۔ (Rees: 2005)باقی اختلافی جماعتوں میں تشدد راستہ اپنی خاص حکمت عملی کے پیش نظر اختیار کیا، حکومت نے ان سیاسی لیڈروں کا کریک ڈاؤن کیا جس کی وجہ سے اعتدال پسند آوازیں پیدا ہوئیں۔ ان لیڈروں کو سرحد کے اس پار

اخلاقی ومالی معاونت ملی۔ حالات بد سے بدتر ہوتے گئے اور 1989 کے آخری ایام میں ایک ہمہ گیر مسلح بغاوت شروع ہوئی۔ (Bowers: 2004) تاہم 1980 میں شیخ عبد اللہ کی رحلت تک ریاست میں حالات پر سکون ہی رہے۔1983 کے الیکشن میں شیخ عبد اللہ کے فرزند ارجمند ڈاکٹر فاروق عبد اللہ نے 176 اسمبلی سیٹوں میں 46 سیٹیں حاصل کر کے کامیابی کا جھنڈا بلند کیا۔ کانگریس نے اسمبلی میں حزب مخالف رول ادا کر کے فاروق عبد اللہ کی حکومت کو گرانے کے لئے جدوجہد کی۔ نتیجتاً ریاست میں جی ایم شاہ کی حکومت کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اور 1986 میں جی ایم شاہ کی حکومت کو پنڈتوں کے خلاف فسادات کو قابو کرنے میں ناکامی کے بہانے پر گرایا گیا۔ مرکز میں 1989 کے الیکشن میں کانگریس نے کامیابی حاصل کی جس کو دیکھ کر ڈاکٹر فاروق نے راجیو گاندھی کو غیر مشروط جماعت رہنے کا اعلان کیا۔ اس طرح بقول بلراج پوری (1993) فاروق نے عوام اور جمہوری کاز کے ساتھ دغابازی کی۔ راجیو گاندھی کو غیر مشروط حمایت کے نتیجے میں راجیو۔ فاروق ریکارڈ معرض وجود میں آیا۔ جو 7 نومبر 1986 میں نیشنل کانفرنس، کانگریس مخلوط سرکار کے قیام پر منتج ہوا۔ اس معاہدے کے دفاع میں دونوں پارٹیوں نے کہا ہے کہ اس معاہدے سے مرکزی ریاست میں فنڈوں کے بہاؤ کو موڑ دے گا۔ بعض مبصرین نے کہا کہ اس معاہدے سے دو سیکولر جماعتوں کے تعلقات مستحکم ہوں گے اور ڈاکٹر فاروق نے خاص طور پر اس معاہدے کو بڑا چڑا کا پیش کرنے میں اپنا سارا زور صرف کیا۔ فاروق کی دلیل کے مطابق عوام کی خواہشوں اور امنگوں کی کوئی خاص فوقیت نہیں ہے۔ زمینی سطح پر دونوں جماعتوں نے سیکولر اقتدار کی قدر نہیں کی۔ سیاسی آوازوں کو دبایا گیا۔ مخاصمت کو پسپا کیا گیا جس کی وجہ سے مولوی عباس انصاری کی قیادت میں مسلم یونائیٹڈ فرنٹ معرض وجود میں آیا۔ جماعت اسلامی جس کی داغ بیل 1942 میں ڈالی گئی تھی۔ اس جماعت نے بھی 1972 اور 1977 کے الیکشن میں

اپنے امیدواروں کو میدان میں کھڑا کیا تھا لیکن بے سود۔ تاہم مسلم یونائٹڈ فرنٹ کو دس دیگر اسلامی جماعتوں کی حمایت حاصل تھی۔ عبدالغنی لون کی پیپلز کانفرنس اور جی ایم شاہ کی عوامی نیشنل کانفرنس نے مسلم یونیائٹڈ فرنٹ کے ساتھبات چیت کی اس کے علاوہ مولوی فاروق کی عوامی الیکشن کمیٹی نے بھی مسلم یونائیٹڈ فرنٹ کے ساتھ اظہار یکجہتی کیا۔یہی وہ فرنٹ تھا جس نے شیخ عبداللہ کی نیشنل کانفرنس کو پہلی بار ایک بڑا چیلینج دیا۔(Schofield: 2004. pp.136-137)

مسلم یونائیٹڈ فرنٹ کے الیکشن منشور میں شملہ سمجھوتہ کے تحت تمام نمایاں مسائل کا حل تعلیم یافتہ بیروزگار نوجوانوں کو روزگار کی فراہمی اور رشوت سے پاک وصاف حکومت کا قیام سرفہرت تھا۔ لیکن آخر پر کشمیری عوام کے لئے اقتصاد کے بجائے سیاست اہمیت کی حامل تھی۔ جیسا کہ محترمہ Khemlata Wakhloo (1992) لکھتی ہیں کہ کشمیریوں کی زبان پر بس ایک ہی بات ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق سیاسی جماعت کو اقتدار پر فائض کرنا چاہتے ہیں ایک ایسی جماعت جو ان کی خواہشات کی تکمیل اور ان کے خدشات ومسائل کو دور کر سکے۔

23 مارچ کو انتخابات منعقد ہوئے جس میں 75 فیصد پولنگ ہوگئی۔ نیشنل کانفرنس، کانگریس اتحاد نے 66 سیٹیں حاصل کی جبکہ MUF کو صرف 4 سیٹیں حاصل ہوئیں۔ ان الیکشن نتائج میں دھاندلی کے الزامات عائد کئے گئے اور الیکشن کے فوراً بعد ایم۔یو۔ایف کے لیڈروں کی گرفتاری کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور ایم یو ایف کے دیگر کارکنوں کا کافیہ حیات تنگ کیا گیا۔ وقت ضرورت تھی کہ مخالفین کے ساتھ سیاسی بحث وتمحیص کے لئے ایک پلیٹ فارم کھڑا کیا جاتا۔ تاکہ لوگوں میں خدشات ختم ہو جاتے۔ تاہم سیاسی اتھل پتھل کے باوجود حالات مجموعی

طور پر پر امن رہے۔ مئی 1987 میں فاروق عبداللہ کے خلاف پہلا پر تشدد حملہ اس وقت کیا گیا جب اس کی گاڑیوں پر مسجد جاتے ہوئے حملہ کیا گیا۔(Singh: 1995. pp. 108)۔ اور سال 1988 کے دوران لگاتار پر تناؤ واقعات رونما ہوتے رہے ۔ خاص طور پر سرینگر میں بجلی فیس میں اضافے کے خلاف احتجاجی مظاہرے لگاتار ہوتے رہے۔ پولیس فائرنگ میں تین عام شہریوں کی ہلاکت نے عوام کے غم وغصے میں مزید اضافہ کیا۔ حکومت نے تحقیقی کمیشن کا قیام عمل میں لانے کے بجائے قوم مخالف عناصر پر احتجاجوں کی آگ بھڑکانے کا الزام عائد کیا جس کی وجہ سے پر تشدد احتجاجوں میں شدت آگئی۔ تاہم سرینگر میں جولائی 1988 میں مسلح تشدد کا آغاز باضابطہ اس وقت ہوا جب مرکزی ٹیلی گراف آفس اور دوردرشن کیندر سرینگر پر دو بم دھماکے ہوئے، جو نشانہ پر نہیں لگ گئے۔ اس کے بعد ستمبر میں ڈائریکٹر جنرل پولیس پر حملہ ہوا اور بالاخر 16 کتوبر کو مرکزی وزیر داخلہ نے اعلان کیا کہ کشمیر میں 100 مسلح جنگجو سرگرم ہیں۔ جو وادی میں تشدد بھڑکانے کے لئے سرگرم عمل ہے۔ (THT: 1988b) حالات بدستور بد سے بدتر ہوتے گئے اور 1989 کے آخری ایام میں ہمہ گیر مسلح بغاوت کا آغاز ہوا۔

1989 میں شروع ہوئی اس مسلح بغاوت / تحریک کے کئی محرکات وعوامل ہیں۔ جن میں سے بعض مبصرین و سیاسی تجزیہ نگاروں کے مطابق 1987 کے الیکشن میں دھاندلی اہم ترین وجہ ہے۔ دوسری وجہ حکومت کی کماحقہ ناکامی اور تیسری وجہ پنجاب، آسام اور ناگالینڈ میں اٹھ رہی علیحدگی پسند تحریکیں تھی۔ لہذا 1987 کے الیکشن کے بعد کشمیر کا تنازعہ کشمیر تنازعے میں مدغم ہو گیا اور باضابطہ ایک مسلح جدوجہد شروع ہوئی۔ (Suri and

(Chandaran: 2008)وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اس مسلح بغاوت میں کئی کشمیری نوجوانوں نے بندوق اٹھا کر کشمیر کی آزادی کے لئے شمولیت اختیار کی۔

جموں و کشمیر لبریشن فرنٹ ایک مقامی گروپ کے طور پر ابھر کر سامنے آگیا اس کے علاوہ کئی مسلح تنظیمیں جن کی معاونت پاکستان اور افغانستان کر رہے تھے منصۂ شہود پر ابھرے۔ ریاستی اسمبلی کو برخواست کیا گیا اور جنوری 1990 میں گورنر راج نافذ کیا گیا۔ اس مسلح بغاوت کو پسپا کرنے کے لئے پانچ لاکھ فوجیوں کو تعینات کیا گیا۔(Kapur & Narang: 2011)تاہم اس کے باوجود مسلح بغاوت رفتہ رفتہ بڑھ گئی اور کہیٔ مسلح تنظیمیں مختلف ناموں کے تحت سرگرم عمل ہوگئی۔ تاہم دونوں مسلح گرہوں کی طرف سے انسانی حقوق کی پامالیوں کے بے شمار واقعات رونما ہوئے۔ بلراج پوری(1993)نے 1987 سے لیکر 1989 حالات کی مختصر وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس دوران رونما ہوئے واقعات دراصل عوام میں مجتمع ناراضگی کی نمائش تھی۔

حکومت کی طرف سے حالات کو قابو میں کرنے کے لئے مکمل ناکامی کی وجہ سے پاکستان کو ہندوستان کے خلاف اپنے مقاصد کی تکمیل کا موقعہ فراہم ہوا۔ بعض مبصرین کا ماننا ہے کہ پاکستان نے کشمیر میں جاری ان حالات کی بنا پر ہندوستان کو1947، 1965 اور 1971 کے جنگوں کا بدلہ لینے کی کوشش کی۔ (Bhattacharjee: 1994. pp.255)

نیو برگ(1995)کے مطابق کشمیر میں مسلح جدوجہد کشمیریوں کے لئے واحد راستہ تھا کیونکہ اس وقت کے باقی تمام سیاسی راستے ناکام ہوئے تھے۔

جارج فرنانڈ (1992) جو اس وقت کشمیر امور کے وزیر تھے کے مطابق "میں نہیں سمجھتا ہوں کہ کشمیر مسئلہ میں کسی بیرونی ہاتھ کی مداخلت ہے۔ یہ مسئلہ ہم نے خود پیدا کیا باقی صرف اس کا فائدہ اٹھا رہے ہیں۔(p. 286) تاہم فاروق عبداللہ نے وادی کے نامساعد حالات کے لئے مرکز کو ذمہ دار ٹھہرایا۔ مسلح بغاوت کو کچلنے کے لئے پوری وادی کو محاصرے میں لے لیا گیا۔ فوج کو خصوصی اختیارات دیے گئے۔ ریاست میں افسپا، پبلک سیفٹی ایکٹ، ڈسٹر ابیڈ ایریا ایکٹ اور انسداد دہشت گردی ایکٹ کو نافذ کیا گیا۔ لہذا آئینی طور پر فراہم حقوق و آزادی جو ملک کی باقی ریاستوں کے لوگوں کو حاصل ہیں سے کشمیری عوام کو محروم رکھا گیا۔(Butalia: 2002)

کئی دہائیوں سے جاری یہ تنازعہ اب ایک انسانی بحران کی صورت اختیار کر گیا ہے جس میں عام آبادی پھنس گئی۔ لارڈ ایکشن کی یہ مشہور کہاوت "Power tends to corrupt and absolute power corrupts absolutely" کشمیر پر صادق آتی ہے۔ یہ دونوں بندوق بردار جماعتیں خواہ وہ فوج تھی یا مسلح جنگجو دونوں کی وجہ سے کئی بے گناہ لوگ مارے گئے، سیکڑوں ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔ کئی افراد بیروزگار ہوئے اور ہزاروں لوگ خوف و دہشت کے ماحول میں زندگی کے ایام کاٹنے پر مجبور ہوئے۔

معدقہ اعداد و شمار کے مطابق 1989 میں مسلح جدوجہد شروع ہونے سے لیکر ساٹھ ہزار سے ستر ہزار لوگ مارے گئے۔ چار ہزار لاپتہ ہے۔ دس لاکھ سے زیادہ بے گھر ہو گئے، جبکہ بیواؤں اور نیم بیواؤں کی تعداد پندرہ ہزار سے زیادہ بتائی جاتی ہے۔(Butalia: 2002)۔ تاہم سرکار کی طرف سے جاری اعداد و شمار اور سول سوسائٹی

تنظیموں کی طرف سے جاری اعداد و شمار میں کافی فرق پایا جاتا ہے۔ تاہم یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کشمیر تنازعہ ایک انسانی سانحہ ہے۔

کشمیر تنازعہ ایک انسانی المیہ بن گیا ہے۔ عوام کو مزید برباد کیا جارہا ہے۔ آئے دن نت نئے سانحات رونما ہو رہے ہیں جس کی وجہ سے تباہی کا ماحول پیدا ہوا ہے۔ (Siraj: 1997)۔ یہ تنازعہ کم و بیش تین دہائیوں سے جاری ہے اور تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہا ہے۔ اگرچہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان تعلقات میں کئی نشیب و فراز واقع ہوتے ہیں۔ لیکن زمینی سطح پر حالات بدستور پر آشوب اور پر تناؤ ہے۔

اس مسلح جدوجہد کے کئی بے مثال پہلو اور رنگ ہیں یہ ایک طویل تنازعہ ہے جس کی وجہ سے دو نیوکلیائی پڑوسی ممالک 1999 میں کرگل جنگ کے دوران نیوکلیائی جنگ کے دہانے تک پہنچ گئے۔ معروف صحافی اور بی جے پی کے لیڈر ایم جے اکبر کے مطابق اگر کشمیر تنازعے پر ایک اور جنگ ہوئی تو پھر دوبارہ کوئی جنگ نہیں ہوگی کیونکہ پھر لڑنے کے لئے کچھ بھی نہیں بچے گا۔ (ibid: 2002)

1.4 جبری گمشدگیوں کی صورتحال

The Phenomenon of Enforced Disappearance

اقوام متحدہ کنوینشن کے دفعہ 2 کے مطابق "جبری گمشدگی سے مراد وہ گرفتاری، حراست، اغواہ کاری یا کوئی دوسرا محرومی آزادی کا ذریعہ جو کسی حکومت، حکومتی ایجنٹ یا کسی جماعت کی طرف سے عمل میں لایا جائے۔ اور اس کے بعد گمشدہ افراد کے بارے میں جانکاری فراہم کرنے اور ان کا اتہ پتہ ظاہر کرنے سے انکار کیا جائے"۔

آج سے نصف صدی پہلے دوسری عالمگیر جنگ کے دوران جبری گمشدگیوں کا عمل یہودیوں اوراشتراکیوں کے خلاف عملایا گیا۔ ایڈولف ہٹلر نے اس مزموم عمل کو 1941 میں ایک جنگی ہتھیار کے طور پر استعمال کیااور کہا جاتا ہے کہ ہٹلر نے یہ عمل نائٹ اینڈ فاگ ڈگری کے ساتھ شروع کیا۔ اس سسٹم کے تحت مقبوضہ علاقوں میں اغوا کر کے عام شہریوں کو جرمنی پہنچایا جاتا تھا جہاں انہیں اپنے افراد خانہ یا دیگر احباب واقارب کو مطلع کئے بغیر پھانسی دی جاتی تھی۔(Ratan & Abrams: 2001) جرمن فورسز ہائے کمانڈ کے چیف Wilhelm Keitel کے مطابق حکومت کے خلاف جرم انجام دینے والے کو سزائے عمر قید یا سزائے موت بھی ایک کمزوری ہی سمجھا جاتا تھا، لہٰذا مجرم کے لئے موثر سزا یہ تھی کہ اس کے خاندان کو مطلع کئے بغیر پھانسی دی جائے۔ یہی اس ڈگری کا اصلی مقصد تھا۔ تاکہ افراد خانہ اور دیگر لوگوں کو بھی عبرت حاصل ہو جائے جو جرمنی کے لئے فائدہ مند ہے۔ شاید ہٹلر کو یہ معلوم تھا کہ جبری گمشدگیوں سے متعلقہ افراد خانہ اور عوام پر کیا اثرات مرتب ہوں گے ۔ (Citorni & Scovazzi: 2007. pp. 4-7) ورکنگ گروپ برائے جبری گمشدگیاں کی رپورٹ کے مطابق یہ عمل آج دنیا کے 63 ممالک میں پھیل چکا ہے۔ آج یہ عمل عالمگیر حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ لاطینی امریکہ میں سیاسی مخاصمت کرنے والوں کے خلاف پہلی بار اس عمل کو آزمایا گیا۔ اس عمل کے ذریعہ انفرادی اور اجتماعی سطح پر لوگوں کی آواز کو دبانے کے لئے استعمال کیا گیا۔ جبری گمشدگیوں کا عمل خاص طور پر ارجنٹینا میں نام "ڈرٹی جنگ" کے دوران عام تھا۔ 1980 میں قائم کردہ ارجنٹینائی قومی کمیشن برائے جبری گمشدگیاں کے مطابق ارجنٹینا میں 8960 جبری گمشدگیاں واقع ہوئی ہیں اور اعداد و شمار اس سے بھی زیادہ ہو سکتی ہیں۔(A1: 1998)

جبری گمشدگیاں چلی، پیرو، El Salvador، کولمبیا، اُرگوپے اور ہونڈورس میں بھی عام تھیں۔ اس دور میں جبری گمشدگیوں کا مقصد سیاسی حریفوں کی آواز کو دبانا تھا۔

جبری گمشدگیوں کا مسئلہ کسی خاص خطے یا علاقے سے مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ ایک بین الاقوامی مسئلہ ہے۔ 2007 میں اقوام متحدہ کے ورکنگ گروپ برائے جبری گمشدگیوں کے مطابق 28 ممالک میں 629 نئے کیس منظر عام پر آگئے ہیں۔ متذکرہ ادارے کے قیام سے لے کے آج 87 ممالک میں کل 51763 ایسے کیس درج کئے گئے ہیں۔ (HRC: 2008. Para. 9)۔ ماضی میں صرف فوجی ڈیکٹرس ایسے گھناونے کاموں کا ارتکاب کرتے تھے۔ لیکن آج یہ جمہوری حکومتوں میں بھی ایک معمول سا بن گیا ہے۔ خاص طور پر مسلح تنازعوں کے نتیجے میں ہورہی گمشدگیوں کو اکثر انسانی فلاحی تنظیمیں جبری گمشدگی کے مفہوم میں استعمال کرتی ہیں۔ (Wallensteen & Sollenberg: undated. pp. 629-644) ۔ جیسا کہ مانا جاتا ہے کہ لوگوں کو جنگی حکمت عملی کے طور پر غائب کیا جاتا ہے۔ گمشدگی خواہ کسی بھی نوعیت کی ہو لیکن افراد خانہ کے لئے یہ سب سے بڑی مصیبت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جبری گمشدگیوں پر زیادہ سے زیادہ لٹریچر لکھا جارہا ہے۔ مسلح تنازعے کے دوران کسی بھی شخص کی جبری گمشدگی بین الاقوامی حقوق انسانی کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہے۔ اس بہیمانہ حرکت کی شدت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، اس حرکت کے ذریعہ ایک انسان کو حاصل جملہ انسانی حقوق کی دھجیاں اڑائی جاتی ہیں۔

کشمیر میں جبری گمشدگیوں کا معاملہ 1989 میں مسلح جدوجہد کے ساتھ ہی ظہور پذیر ہوا۔ وادی میں تعینات بھاری حفاظتی عملے، چھ لاکھ فوجی وادی میں تعینات ہیں نے جنگجوؤں کا مقابلہ کرنے کے لئے مختلف قسم کی

انسانی حقوق کی پامالیوں کا ارتکاب کیا حراستی ہلاکتیں، حراستی ٹارچر، عصمت دری، بیگاری، بشمول گمشدگیاں، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ چونکہ فوج ہر کشمیری کو شک کی نظروں سے دیکھتی ہے۔ لہذا بے شمار بے گناہ کشمیریوں کو بھی گرفتار کیا گیا۔ اور بعد ازاں انہیں سخت ترین ٹارچر کے بعد غائب کیا گیا۔ کشمیر میں تمام شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگ بلالحاظ عمر 10 سال کے لڑکے سے لیکر 70 سال کے بزرگ تک گرفتاری کے بعد غائب ہو گئے ہیں۔ ملی ٹنٹ، ان کے ہمدرد، سیاسی کارکن اور بڑی تعداد میں بے قصور لوگ جبری گمشدگیوں کے شکار ہوئے ہیں۔(APDP)

کشمیری تحریک کو پسپا کرنے کے لئے ہندوستان جبری گمشدگیوں کو ایک اہم ہتھیار کے طور پر استعمال کر رہا ہے۔(Public Commission on Human Rights) جبری گمشدگیاں اس وقت ہو جاتی ہیں جب فوج کسی شخص کو گرفتار کرتی ہے۔ یا کوئی شخص باہر نکلنے کے بعد لاپتہ ہو جاتا ہے۔(AIR: 1999) ان حالات میں فرضی جھڑپوں میں بھی ان لوگوں کو مارا جاتا ہے۔ اس حوالے سے ہائی کورٹ میں کئی کیسیز زیر التوا ہیں۔ عدالت اس سلسلے میں صرف حکومت یا پولیس کو تحقیقات کرنے کی ہدایات دیتی ہے۔ (HRW: 2006) اعداد و شمار کے مطابق کشمیر میں آٹھ ہزار سے لیکر دس ہزار تک سیاسی اثر و رسوخ کے تحت گمشدگی کے کیسیز ہیں۔ ایشین انسانی حقوق کمیشن کے مطابق کشمیر میں جبری گمشدہ افراد میں زیادہ تعداد بے گناہ کشمیریوں کی ہے۔ گمشدگی کے خلاف Asian Federation against disappearance (AFAD) کی اکتوبر 2003 میں جاری رپورٹ کے مطابق تمام گمشدہ افراد مرد ہیں۔ جنہیں جنگجو تنظیموں کے رکن ہونے کے پاداش میں دوران حراست لاپتہ کیا گیا۔ باوجود

یہ کہ بیشتر لاپتہ افراد کا کسی بھی تنظیم سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔ (Choudhury & Yeshua, Moser-Puangsuwan: 2007) کشمیر میں بیشتر جبری گمشدگیاں یکساں طرز پر ہوئی (یہاں دونوں جماعتوں کی فوج نے بھی اور جنگجوں نے بھی اس عمل کا ارتکاب کیا تاہم جنگجوؤں نے کم تعداد میں لوگوں کو اغوا کر کے لاپتہ کیا جبکہ فوج نے کثیر تعداد میں لوگوں کو گرفتار کر کے لاپتہ کیا)۔ فوج کسی گھر میں داخل ہو کر تلاشی کرتی ہے اور گھر کے بڑے بیٹے کو پوچھ تاچھ کی غرض سے اپنے ساتھ لے جاتی ہے لیکن پھر وہ لڑکا دوبارہ کبھی واپس نہیں لوٹتا ہے۔ بعض اوقات ان گمشدہ افراد کی بیویو ں سے دوسرے اقارب جو ان کی تلاش کے لئے نکلتے ہیں کو ایک فوجی چھاونی سے دوسری فوجی چھاونی کی خاک چھاننا پڑتی ہے۔ ایک جیل سے دوسرے جیل کے چکر لگانا پڑتے ہیں۔ کبھی کبھی تو متعلقہ افسران ان کے ساتھ گمشدہ افراد کی ملاقات کے لئے وقت بھی طے کرتے ہیں لیکن بعد میں انہیں یہ کہہ کر مایوس کیا جاتا ہے کہ یہ شخص ہمارے پاس زیر حراست نہیں ہے۔ متاثرہ خاندان اور گمشدہ افراد کی بیویوں کے لئے ایک مستقل حالتِ پریشانی ہے۔ انہیں معلوم نہیں ہوتا ہے کہ آیا ان کے لال زندہ ہیں یا مر گئے ہیں۔ جبری طور گمشدہ افراد نہ صرف خود متاثر ہوتے ہیں بلکہ ان کے افراد خانہ بھی شکار ہوتے ہیں۔ اس کا اثر براہ راست خواتین پر پڑتا ہے۔ اقوام متحدہ کے کنویشن نے جس پر 80 ممالک نے دستخط کئے ہیں نے واضح طور پر اقوام متحدہ کنوینشن کے دفعہ 24 میں جبری گمشدگی کا ذکر کیا ہے۔

1.5 نیم بیواؤں کا ظہور (Emergence of Half Widows)

طبقوں کے مابین مسلح تنازعہ متعلقہ طبقات کے لوگوں کو جسمانی، نفسیاتی، ثقافتی اور اقتصادی طور پر کنگال کر کے رکھ دیتا ہے(Deka:1999)۔ اگرچہ مسلح تنازعہ کا خمیازہ اس میں شامل ہر طبقے کے ہر فرد کو بھگتنا پڑتا ہے، لیکن خواتین اور لڑکیاں سماج میں اپنی مخصوص حیثیت اور صنف کی وجہ سے زیادہ ہی متاثر ہو جاتی ہیں (Beijing Deceleration: 1995)۔ تنازعے میں شامل پارٹیاں بیشتر اوقات عصمت دری کو جنگی ہتھیار کے طور پر استعمال کرتی ہیں (ICRC: 1985)۔ مسلح تنازعے کے دوران خواتین کے خلاف کئے جانے والے تشدد کی دیگر اقسام میں قتل، ٹارچر، جنسی غلامی، جنسی بے راہ روی، جبری حمل اور جبری نسبندی شامل ہیں۔ کوماراسامی نے تشدد کا نشانہ بننے والی خاتون پر پڑنے والے نفسیاتی اثرات کا خلاصہ کچھ یوں کیا ہے: "جب عصمت دری کو ایک خاتون کی عزت اور اخلاقیات پر حملہ قرار دیا جاتا ہے تو سماج میں اس خاتون کے لئے شرم کی فضا پیدا ہو جاتی ہے اور اسے ایک بری خاتون کی نظر سے دیکھنا شروع ہو جاتا ہے"(Goswami: 1999)۔ محترمہ مزید خلاصہ کچھ اس طرح کرتی ہیں 'خواتین کو سزا سے مستثنٰی عصمت دری کا نشانہ بنانا اور بدن کے اعضاء پر نشانات ثبت کرنے کا مقصد تسلط کا مظاہرہ کرنا ہوتا ہے" (Essed, Goldberg, Kobayashi)۔ اس کے نتیجے میں بیشتر خواتین اُن کے ساتھ پیش آئے تشدد کو نہ تو رپورٹ کرتی ہیں اور نہ کسی سے اس کا اظہار کرتی ہیں(Bora: 2007)۔ مزید برآں خواتین پر مسلح تنازعہ کے نتیجے میں پڑنے والے اثرات کے مختلف طول و عرض ہیں۔ تحقیقاتی مطالعوں سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ جنسی خلاف ورزی سے منسلک نفسیاتی علامات امن کی بحالی کے بعد بھی موجود رہتی ہیں (Baseline

(Report Guwahatti:1986)۔ مسلسل خطرات اور خدشات کی فضا میں رہنے سے سماجی اور اقتصادی زندگی بری طرح سے متاثر ہو جاتی ہے۔ اُس صورتحال میں جہاں تنازعہ شناخت اور قومیت کے سوال سے منسلک ہو، تو وہاں یہ خواتین کی نقل وحرکت پر سماجی کنٹرول میں اضافے اور اُن کے جسموں پر کنٹرول کا نتیجہ بن جاتی ہے۔ افراد کی نفسیاتی بہبود کا تعلق اُن افراد کے کنبوں کے اطراف واکناف میں پائے جانے والے ماحول پر ہوتا ہے۔ کئی جگہوں پر یہ ماحول ابتر صورتحال اختیار کر چکا ہے اور اس کے نتیجے میں منشیات کی لت، عصمت فروشی، بھوک مری اور نفسیاتی خرابیاں جنم لے چکی ہیں۔ تنازعہ میں شامل جماعتیں اکثر وبیشتر ملٹری حملوں کا نشانہ بن جاتی ہیں۔ عام شہریوں کو انسانی ڈھال کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ ایسے طریقے اختیار کرنے سے حملے رکتے نہیں ہیں بلکہ شہری ہلاکتوں میں خاطر خواہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ ایسی بھی مثالیں ملتی ہیں جہاں ملی ٹینٹ گروہوں کی جانب سے خواتین اور بچوں کو 'تپ چارہ' کے بطور استعمال کیا گیا(Gardam, Javis: 2001)۔ مزید برآں دیہی علاقوں میں مسلسل تشدد ذریعہ معاش کی تباہی کا بھی سبب بنا ہے۔ املاک تباہ ہو چکا ہے، غذائی اجناس اور ذاتی سیکورٹی کی کمی محسوس کی جارہی ہے۔ مسلسل ذہنی پریشانی بھی اثرات میں شامل ہے۔ مردوں کو ہلاک یا لاپتہ کرنے سے خواتین کی سربراہی والے کنبوں میں اضافہ ہوا ہے۔ خواتین افراتفری اور تباہی کے درمیان کنبے کا ذریعہ معاش ڈھونڈنے میں کلیدی کردار ادا کررہی ہیں۔ کشمیر میں سالہاسال سے جاری تنازعے اور تشدد نے خواتین کو کئی طریقوں سے براہ راست یا بالواسطہ طور پر متاثر کر دیا ہے۔ انہیں (کشمیری خواتین کو) مسلح تنازعہ کی حمایت کے لئے سیکورٹی فورسز کی طرف سے کئی طرح کی بربریت کا سامنا رہا ہے (Women's Initiative: 1994)۔ وادی کشمیر میں بھاری فوج کی موجودگی (heavy militarization) کی وجہ سے خواتین ہمیشہ خوف کی شکار رہی ہیں ۔ انہیں

ٹراما، جسمانی اذیتوں اور بیماریوں سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے۔ بیشتر تنازعہ صورتحال کی طرح صنفی تشدد بھی منظم ہوتا ہے، لیکن توجہ صرف سیکورٹی معاملات پر ہی مرکوز ہو جاتی ہے(Half Widow, Half Wife?: 2011)۔ انہیں زندگی اور تحفظ پر حملوں کے علاوہ عصمت دری کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ضلع کپواڑہ کے دردپورہ اور کونن دیہات نے یہ بربریت دیکھی ہے۔ دردپورہ میں مردوں کی اتنی ہلاکتیں ہوئی ہیں کہ یہ اب 'بیواؤں کا گاؤں' کہلاتا ہے۔ پوشپورہ کے کنن نامی گاؤں میں 23 فروری 1991 میں سیکورٹی فورسز کی جانب سے خواتین کے ساتھ بڑے پیمانے پر اجتماعی عصمت دری کی گئی اور تب سے یہ گاؤں 'ولیج آف ریپڈ گرلز' کہلاتا ہے۔ گاؤں میں سیکورٹی فورسز کی جانب سے ہلاکتیں بدستور جڑی ہوئی ہے(Women's Initiative: 1994)۔

وادی کے دور دراز گاؤں میں خواتین اور جواں سال لڑکیوں کے ساتھ بربریت کی خوفناک داستانیں اکثر سرکاری ریکارڈ سے غائب ہیں اور سماجی بدنامی کی وجہ سے ایسے واقعات ریکارڈ ہی نہیں کرائے جاتے ہیں۔ کشمیر میں خواتین کالے قوانین کے نفاذ کی وجہ سے ایک ناقابل یقین ماحول میں سانس لے رہی ہیں۔ بھارتی فوج، پیراملٹری فورسز اور، جنگجوؤں نے ریاست میں بے نظیر تشدد کی فضا قائم کی ہے۔ اس کے نتیجے میں وادی کی بے نظیر خوبصورتی تباہی میں تبدیل ہو چکی ہے۔(Khan: 2011. pp. 108)۔ کشمیر میں ایک تخمینے کے مطابق تنازعہ کے سبب 20 ہزار خواتین بیوہ ہو چکی ہیں(Kazi: 2009)۔ بیوگی کو ایک خاتون کی زندگی کا ایک المناک مرحلہ قرار دیا جا چکا ہے۔ جوں ہی ایک خاتون بیوگی میں داخل ہو جاتی ہے تو اسے سماجی، اقتصادی، ثقافتی، ڈیموگرافک اور صحت سے متعلق مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے (تریپورہ کی خواتین کی سماجی اقتصادی حیثیت پر رپورٹ)۔ بھارت

اور پاکستان کے مابین سالہاسال سے جاری علاقائی جنگ میں پھنسی خواتین اور لڑکیاں ایک کم ہی وقت میں تنازعہ، ڈراما، دھماکوں اور تشدد کے بارے میں بہت کچھ جان چکی ہیں۔ کئی بد قسمت خواتین ایسی ہیں جو کشمیر کے قوانین اور سماج کے درمیان پھنسی ہوئی ہیں۔ جبری گمشدگی نے متاثرہ کنبوں میں شدید خوف پیدا کر دیا ہے۔ (Shukla)

جنگی ماحول میں خواتین کے خلاف جرائم کوئی نئی بات نہیں ہے اور اس کا مقصد دشمن کو خوف زدہ کرنا ہوتا ہے۔ خواتین کو قدیم زمانے سے ایک جنگی ہتھیار کے طور پر استعمال کرنے کا سلسلہ چلا آرہا ہے۔ جبری گمشدگی کے رجحان کے سبب کشمیر میں ہزاروں خواتین شناختی بحران سے دوچار ہیں (Coalition of Civil Society: 2005)۔ کشمیر تنازعے نے سماج کے ایک نئے طبقے کو جنم دیا ہے جس کو 'نیم بیوائیں' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ جب شوہر کو گمشدہ مگر مردہ قرار نہیں دیا جاتا ہے۔ ایسی گمشدگیاں گورنمنٹ فورسز بشمول پولیس، پیرا ملٹری، فوج اور جنگجوؤں کی طرف سے انجام دی جاتی ہیں(APDP: 2011)۔ جنہیں کشمیر میں نیم بیواؤں کا نام دیا جاتا ہے، کو دنیا بھر میں مشکلات و مصائب کا سامنا ہے۔ اگرچہ مشکلات و مصائب کی نوعیت جداگانہ ہے، تاہم ایک چیز ہر ایک بیوہ میں یکساں ہے اور وہ یہ کہ اُن کے شوہروں کو جبری گمشدگی کے ذریعے غائب کر دیا گیا ہے (Caring for Half Widows: 2011) ۔ جبری گمشدگان کی بیویاں ہونے کی وجہ سے انہیں مختلف اقتصادی، سماجی اور جذباتی عدم تحفظ کے مسائل کا سامنا ہے(Kaur: 2012)۔ اپنے شوہروں کو کھونے کے غم کے ساتھ وہ کھوج کا صبر برقرار رکھتی ہیں۔ وہ برسوں تک ناکام رہتی ہیں۔ وہ بیوائیں ہونے کے باوجود بھی بیوائیں نہیں کہلاتی ہیں۔ چونکہ وہ یہ ثابت کرنے سے قاصر ہیں کہ اُن کے شوہر جاں بحق ہو چکے ہیں، وہ مختلف مراعات بشمول لائف

انشورنس اور سرکاری امداد سے محروم ہو کر رہ جاتی ہیں۔ ان میں سے بعض کے پاس کوئی ذریعہ معاش نہیں ہوتا ہے اور کچھ بنیاد پرست ثقافتیں انہیں دوبارہ شادی کے بندھن میں بندھنے سے روکتی ہیں۔ انہیں جسمانی حفاظت کی گارنٹی نہیں ملتی اور اپنی زمینیں کھونے کا بھی خطرہ لاحق ہوتا ہے(Caring for Half Widows: 2011)۔

کشمیر میں خواتین چاہے ہندو یا مسلم، کو مسلسل مختلف النواع مصائب کا سامنا رہا ہے۔ ایسی خواتین کا مستقل نظام اور سماج سے لڑنا انتہائی مشکل رہا ہے۔ کشمیری خواتین معاشرتی امتیاز اور عدم مساوات کے خلاف جدوجہد کرتی آئی ہیں (Kashmiri Women and Politics of Identity: 2009)۔ خواتین جنگ زدہ سماجوں کی تقدیر بدلنے میں ایک اہم کردار ادا کر سکتی ہیں، لیکن انہیں نظر انداز کیا جاتا ہے(Albrecht Schnabel and Anara Tabyshalieva : 2012)۔

پُر تشدد تنازعے میں خواتین کی غالب شکل ایک 'غمزدہ ماں' ہے۔ اس کے علاوہ بھی جنوبی ایشیا میں پائے جانے والے تنازعہ میں خواتین کی کئی دوسری شکلیں ہیں۔ خواتین نے تنازعے کی صورتحال سے سمجھوتہ کر کے شہری، جنگجوؤں، کنبوں کی سرپرست، جنگی جنگجوؤں کے کارکنوں، طوائف، فوجیوں کی نسل نگار، جنگی مخالف اور مقامی و قومی سطح کے سیاسی لیڈران کا روپ اختیار کر لیا ہے۔ جنوبی ایشیا کے ایک طرف ' Woman of Violence' کی نمائندگی لبریشن ٹائیگرز آف تامل ایلام (Liberation Tigers of Tamil Ealam) کی مسلح ورجن گروپ کر رہی ہے اور دوسری طرف آزاد ناگالینڈ (independent Nagaland) کے لئے 'Women of Peace' کی نمائندگی ناگا مدہارس ایسوسی ایشن کر رہی ہے (Women, War and Peace in South Asia

(Beyond Victimhood Agency: 2001)۔ کشمیر میں پروینہ آہنگر نامی خاتون جس کا بیٹا گذشتہ دس برسوں سے لاپتہ ہے، کی جانب سے گمشدہ افراد کے لواحقین کی تنظیم Association of Parents of Disappeared Persons(APDP) کا قیام بھی اسی نوعیت کا ایک اقدام ہے۔ APDP جس کے ممبران کی تعداد سینکڑوں میں ہے، کا بنیادی مقصد کشمیر میں گمشدہ ہوئے ہزاروں افراد کو ڈھونڈ نکالنا ہے۔(Butalia: 2002)

مندرجہ ذیل گراف گمشدہ افراد کے تئیں کچھ بہت ہی اہم شبہات اور نقائص کی عکاسی کرتا ہے۔ اس میں ترتیب وار یہ بتایا گیا ہے کہ اگر ایک نیم بیوہ خواتین اپنے شوہر کی تلاش میں لگ جاتی ہے تو اسے مرحلہ وار کن مصائب اور رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایسے افراد سے جڑی سماجی، معاشی، ثقافتی، نفسیاتی اور طبّی حالات کا جائزہ لے کر انہیں اس طرح سانچے میں ڈالا گیا ہے کہ ان کے خدوخال آسانی سے ظاہر ہوں انہیں تحقیق کے دائرے میں لایا جاسکے اور صحیح اثناء میں ان کی زندگی سے جڑے مسائل کا حل نکالا جاسکے۔

Typical Sequence of Events When a Half Widow Perseveres to Pursue all Options
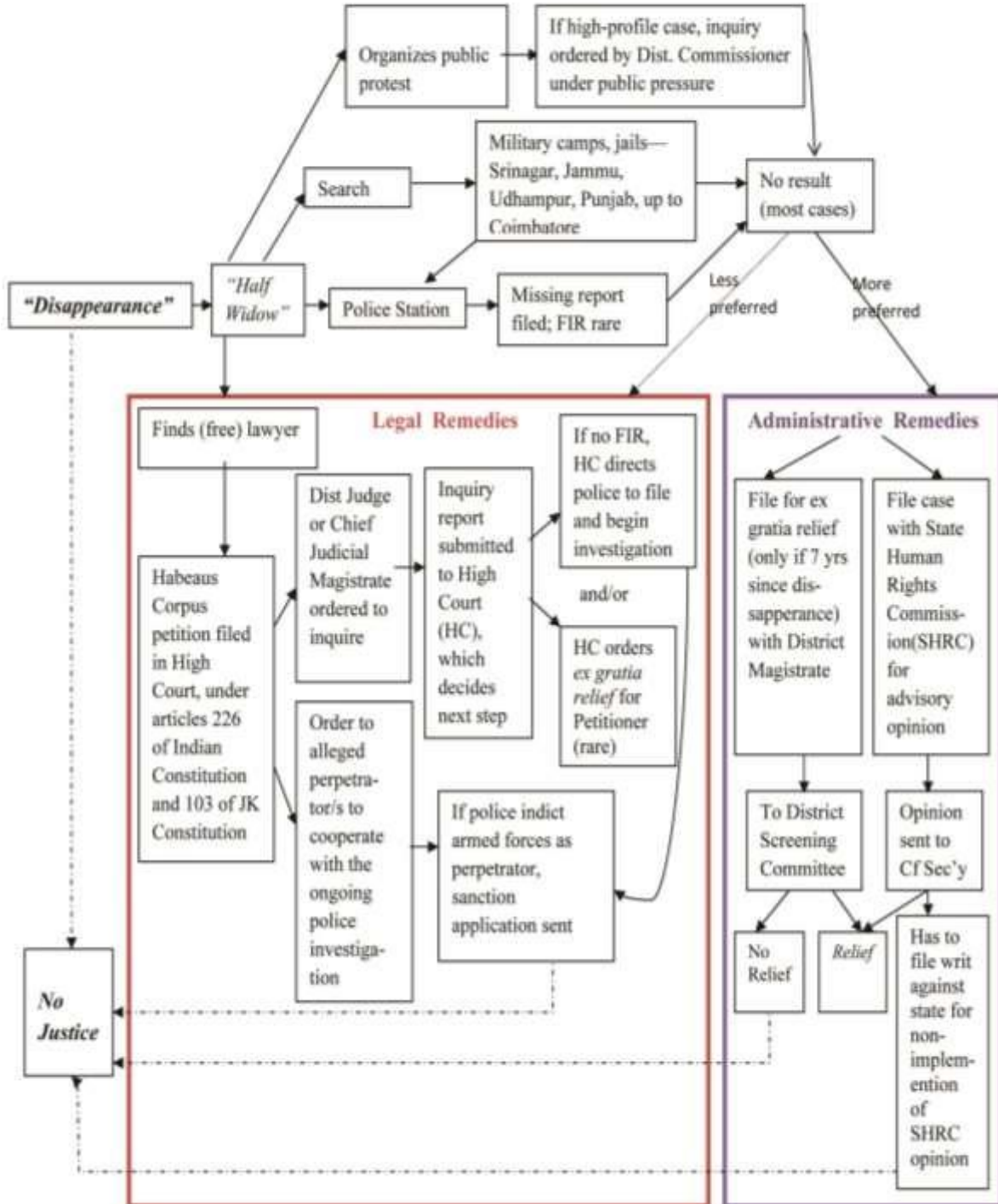
Source : APDP Report 2011

1.6 انسانی حقوق کے معنی اور ارتقاء

آرٹیکل۔1 United Nations Universal Deceleration of Human Rights (UNDHR) نے انسانی حقوق کو اس طرح بیان کیا ہے۔

"All human beings are born free and equal in dignity and rights. They are endowed with reason and conscience and should act towards one another in spirit of brotherhood".(Kaul, A: 2011. Pp.20)

مختلف دانشوروں نے حقوق کے مختلف نظریے پیش کیے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ حقوق انسان کے وہ وعدے ہیں جو ایک سماج تسلیم کرتا ہے اور حکومت ان کو نافذ کرتی ہے۔ حقوق انسان کو سماج میں رہنے سے ہی ملتے ہیں سماج کے باہر انسان کا کوئی حق نہیں ہوتا ہے۔ حقوق کے ساتھ ساتھ فرائض بھی نافذ ہوتے ہیں۔ حقوق انسان کی اچھائی کے لیے ہوتے ہیں ان کا مقصد انسان کی خدمت کرنا ہوتا ہے۔ انسانی حقوق کی بنیاد مساوات پر ہوتی ہے سماج میں ایسا کوئی حق نہیں ہے جس کی بنیاد عدم مساوات پر ہو۔ اگر سماج کے ایک طبقے کو حاصل ہیں اور دوسرے کو نہیں تو وہ حقوق نہیں ہے، بلکہ مرعات کہلاتے ہیں۔(Shamsi, N: 2003)

جب تک ہر ایک انسان کو برابر حقوق نہ ملیں کوئی سوسائٹی نہ امن کے ساتھ رہ سکتی ہے نہ اس میں محبت پروان چڑھ سکتی ہے۔ یہ حقوق ہی ہیں جو ہر انسان کے پاس اپنی عزت نفس کے دفاع، بقاء اور فروغ کے لیے اوزار کا کام کرتے ہیں اور قانون اگر واقعتاً حقوق کی حفاظت کرنے والا ہو تو ہر انسان کے لیے حقوق ہتھیار کا بھی کام کرتے ہیں۔

انسانی حقوق ہمہ وقت بدلتے ہوئے سماج اور سیاسی ڈھانچے کی وجہ سے کئی قسم کے طریقۂ ہائے زندگی آئے اور چلے گئے۔ اس کے علاوہ بے شمار مذاہب آئے اور حیات انسانی کو خاصا متاثر کرتے رہے۔ لیکن فاشزم اور نازی ازم کے غلبے اور اس کے زوال کے بعد اس کی ضرورت محسوس کی گئ کہ کچھ بنیادی اصول اور نظریہ وضع کیے جائیں تا کہ اقتدار کی بھاگ ڈور سنبھالنے والے اپنی رہنمائی کی روشنی میں پسند منا ختیارات نہ حاصل کرلیں اور عوام کے تمام جمہوری اور خصوصی اختیارات پامال نہ کریں۔ اقوام متحدہ نے 1948 بین الاقوامی اعلامیہ برائے انسانی حقوق(Universal Declaration of Human Rights)پیش کیا جس پر تمام ممبر ممالک نے دستخط کیے۔

انسانی حقوق کے نظریہ کے پیچھے فلسفہ یہ ہے کہ انسان کو انسانی زندگی گذارنے کے لیے کچھ آزادی و قار اور کچھ حقوق چاہیے ہوتے ہیں۔ کیونکہ انسانی حقوق کی عدم موجودگی میں انسان، انسان کی طرح نہیں جی سکتا۔ یہ حقوق ہر انسان کو صرف انسان ہونے کی حیثیت سے ملتے ہیں۔ اقوام متحدہ کا ادارہ مسلسل ان کو update کرتا رہتا ہے۔

انسانی حقوق مختلف طرح کے ہوتے ہیں جن میں شہری، سیاسی، معاشی، سماجی، مذہبی حقوق وغیرہ شامل ہیں ۔انسانی حقوق انسانی نشونما کے لیے بین الاقوامی سطح پر اہم قرار دیے گئے ہیں ۔ دوسری جنگ عظیم (1939 سے لیکر 1945) کے بعد یہ حقوق اور زیادہ موئثر اور با مقصد بنائے گئے جس میں اقوام متحدہ(UNO)کا اہم کردار رہا ہے۔ اقوام متحدہ کے عنوان میں یہ کہا گیا ہے کہ ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم اپنی آنے والی نسلوں کو جنگ

کی تباہی سے بچا کر انسانی عزت و قار کو مضبوط کریں اور ایسا تبھی ممکن ہے جب ہر ملک انسانی حقوق کی پاسداری کرے۔(Rao: 2004)

انسانی حقوق کا آغاز پتھر کے زمانے سے (stone age) شروع ہوا۔اس زمانے میں انسان کو بے شمار حقوق و کھلی آزادی حاصل تھی۔ لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ انسان مادیت پرست ہوتا گیا اس کی وجہ امیر لوگوں کو انسانی حقوق تک رسائی حاصل ہوتی گئی اور غریب اور کمزور لوگ حق سے محروم ہوتے گئے۔انسانی حقوق کا اظہار دوسری جنگ عظیم کے بعد اقوام متحدہ کے قیام عمل میں آنے سے زیادہ مضبوط ہوا۔ انسانی حقوق کے ارتقاء کے شواہد قدیم یونان اور روم سے ملتے ہیں۔

روسو(Rousseau) کے سوشل کنٹریکٹ فلسفے کے مطابق انسانی حقوق کا ارتقاء امریکہ اور فرانس کی آزادی کے ساتھ ہوا اور 1789 عدلیہ انسانی حقوق کا قیام عمل میں آیا۔1791 میں اس عدلیہ میں دس ترمیمیں ہوئیں جس کے بعد اس کا نام (Bill of rights) پڑا۔ جو بعد میں متحدہ امریکہ (USA) کے آئین کا حصہ بنا۔

امنسٹی انٹرنیشل (Amnesty International) کے تیئس اپریل 2001 کے رپورٹ کے مطابق مندرجہ ذیل انسانی حقوق کی پامالیوں کے واقعات رونما ہو چکے ہیں۔

1۔27 مارچ 1996 کو جموں وکشمیر لبریشن فرنٹ جس کی رہنمائی امان اللہ خان کر رہے تھے کے 23 افراد اس وقت مار دئے گئے جب پولیس نے ان کے دفتر واقع سرینگر پر مارٹر شلنگ کی۔اس کاروائی میں ملوث پولیس افراد پر کوئی فرد جرم عائد نہیں کیا گیا۔

2۔18 ستمبر 1997 کو اس وقت گیارہ افراد کو ہلاک کر دیا گیا جب وہ ایک گرفتاری کے خلاف احتجاج کر رہے تھے۔ یہ واقع کٹڑرن ڈوڈہ میں رونما ہوا اور مہلوکین میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔ قاتل اب تک کھلے گھوم رہے ہیں۔

3۔جولائی 1998 کو چالیس افراد (جن میں بچے اور عورتیں بھی شامل ہیں) کو سرن کورٹ کے مقام پر ہلاک کیا گیا اور قاتل اب بھی کھلے عام گھوم رہے ہیں۔

4۔28 جون 1999 کو سرن کورٹ میں دو مسلمان گھروں کے باشندوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا گیا اور اس کاروائی میں عورتوں اور بچوں سمیت پندرہ افراد کو ہلاک کر دیا گیا۔ سرن کورٹ ضلع ڈوڈہ میں واقع ہے۔ یہ واقعہ اس لئے رونما ہوا کیونکہ فورسز نے کچھ بندوق برداروں کو آرمی کی وردی میں دیکھا، ان بندوق برداروں نے بھاگتے ہوئے دو مزید عورتوں کو ہلاک کر دیا۔ اس کاروائی کے تمام مجرمین کھلے گھوم رہے ہیں۔

5۔20 مارچ 20005 کو کو 36 سکھوں کو چھٹے سنگھ پورہ میں گولیوں کا نشانہ بنا کر ہلاک کر دیا گیا۔

ہندوستان میں انسانی حقوق (Human Rights in India)

Kautliya نے اپنی کتاب ارتھ شاشتر (Arthastra) کے ذریعے ثابت کیا ہے کہ قدیم ہندوستان میں لوگوں کو بہت سارے انسانی حقوق حاصل تھے ہلاکتی جنگ (Killing war) کے بعد اشوک نے انسانی حقوق کی پاسداری کے لیے بہت سارے اصول مرتب کیے۔

ارتقاء اگرچہ بہت سارے انسانی حقوق کے ماہرین انسانی حقوق کی پتھر کے زمانے (Stone age) سے خیال کرتے ہیں لیکن مندرجہ بالا باتوں سے واضح ہوتا ہے کہ انسانی حقوق کے جدید نظریہ کا آغاز امریکہ کی آزادی اور فرانس کے انقلاب 17ویں18 صدی سے ہوا۔ اقوام متحدہ نے 1948 میں انسانی حقوق سے متعلق ایک اعلانیہ جاری کیا۔ اس اعلانیہ کے بنیادی اصول درج ذیل ہیں۔

1۔ انسانی حقوق ہر ایک فرد کو کسی بھی تفریق کے بغیر حاصل ہونے چاہیے۔

2۔ اس میں مساوات ہونا چاہیے اور رنگ و نسل، ذات پات، جنس، مذہب وغیرہ کے بنیاد پر کوئی امتیاز نہیں برتی جانی چاہیے۔

3۔ بین الاقوامی طور پر انسانی حقوق کی عمل آوری میں یکسانیت ہونی چاہیے۔

4۔ عالمگیر پیمانے پر انسان کو بنیادی طور پر یکسان حقوق حاصل ہونے چاہیے۔

5۔ ان میں مساوات اور بھائی چارہ ہونا چاہیے۔

ہندوستان میں انسانی حقوق کی پاسداری ویدک دور (Vedic age) کے زمانے سے ملتی ہے۔ Lord Buddha , krishna اور Mahavir کے بیانوں میں انسانی حقوق کی پاسداری پر خصوصی توجہ دی جاتی تھی۔ 1885 میں بال گنگا دھر تلک (Lokmanyatilak) نے سوراج بل پیش کیا جس میں مندرجہ ذیل حقائق کا ذکر کیا گیا ہے۔

1۔ ہتھیار رکھنے کا حق

2۔ بولنے، سوچنے اور اظہار کرنے کا حق

3۔ مساوات کا حق

4۔ رائے دہی کا حق وغیرہ شامل ہیں۔

1886 میں انڈین نیشنل کانگریس نے بمبئی (Bombay) کے خصوصی اجلاس میں اس بات کا مطالبہ کیا کہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں ہندوستانی لوگوں کے لیے انسانی حقوق کے متعلق ایک اعلانیہ ہونا چاہیے جو ہندوستانی لوگوں کو قانونی مساوات، تحفظ آزادی، جانبداری وغیرہ کا حق دے۔

1928 میں نہرو کمیٹی نے ایک رپورٹ مرتب کی جس میں اس بات پر زور دیا گیا کہ بنیادی حقوق کو کسی بھی صورت میں لوگوں سے چھپایا نہ جائے۔ 1931 کے کراچی سیشن میں گاندھی جی نے بنیادی حقوق پر مشہور قرارداد پیش کیا جس میں مندرجہ ذیل حقوق شامل تھے۔

تنظیم بنانے کی آزادی، ہر فرد کو بولنے کی آزادی، کسی بھی مذہب کو اپنانے پھیلانے اور عمل آوری کی آزادی، اور ہر فرد کو برابر حقوق حاصل ہونے چاہیے۔ اس کے علاوہ بنیادی تعلیم کا حق وغیرہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935 میں برابری اور جائیداد کا حق شامل کیا گیا۔(Saksena, A. & Singh: 2007)

14 مئی 1993 میں ہندوستانی پارلیمنٹ مین انسانی حقوق کے متعلق ایک قرار داد(Bill) پیش کیا گیا۔ 12اکتوبر 1993 میں قومی انسانی حقوق کمیشن کا قیام عمل میں آیا اور سیکشن 2 کے تحفظ انسانی حقوق ایکٹ1993 میں پیش کیا گیا جس پر صدر جمہوریہ ہند نے 8 جنوری 1994 کو دستخط کر دیے۔ ان حقوق کو زندگی ، آزادی، مساوات، انسانی وقار اور سماجی انصاف سے متعلق شعبوں میں شامل کیا گیا۔(ibid: Pp.40-41)

اگرچہ انسانی حقوق پر کافی تحقیق ہوتی رہی اور اس کے بہت سے پہلو زیر بحث رہے ہیں مگر National Human Rights commission کا کام انسانی حقوق کا دفاع کرنا ہے لیکن جموں وکشمیر اور North East ریاستوں میں اس کو انسانی حقوق کی پامالی کا دفاع کرنے کا براہ راست حق حاصل نہیں ہے۔ البتہ یہاں ریاستی حکومتوں کو انسانی حقوق کی پامالی کو روکنے کے لیے امکانات قرار پایا تھا۔NHRC ہر ایک پولیس ہیڈ کواٹر میں ایک خصوصی پولیس سیل قائم کرنے کے احکامات کرتا ہے۔ اس کے علاوہ کمیشن پولیس کاروائی میں مارے گئے یا زخمی ہوئے افراد کے اہل خانہ کو معاوضہ دینے کی ہدایت جاری کرتا ہے اور ملزم پولیس اہلکار کے خلاف کاروائی کرنے کی سفارش بھی کرتا ہے۔

1.7 ۔خواتین اور انسانی حقوق (Women and Human Rights)

بنی نوع انسان کرۂ عرض پر ایک ایسی مخلوق ہے جو دوسری مخلوق سے مختلف ہے۔ اس طرح سے اس بات کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہیے کی انسان قدرت کی مخلوقات میں سے سب سے بہتر مخلوق ہے جسے اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے۔ انسان دوسرے مخلوقات سے اس لیے بھی مختلف ہے کیونکہ اس کو کچھ ایسے حقوق حاصل

ہیں جو دوسرے مخلوقات کو حاصل نہیں ہے۔ لیکن جب تک ہر انسان کو برابر کے حقوق نہ ملیں کوئی سوسائٹی نہ امن سے رہ سکتی ہے نہ اس میں محبت پروان چڑھ سکتی ہے۔ یہ حقوق ہی ہے جو ہر انسان کے پاس اپنی عزت نفس کی دفاع، بقاء اور فروغ کے لیے اوزار کا کام کرتے ہیں اور قانون اگر واقعتاً حقوق کی حفاظت کرنے والا ہو تو ہر انسان کے لیے حقوق ہتھیار کا بھی کام کرتے ہیں۔ جسٹس Khanna کے مطابق ''یہ حقوق نہ صرف انسانی شخصیت کی نشوونما کے لیے ضروری ہے بلکہ اس کے بغیر انسان کی خصلت حیوانوں کے برابر ہو جاتی ہے"۔ (Khanna: 2001) یہ حقوق ہر انسان کو برابر حاصل ہیں اور اس میں ذات پات، رنگ و نسل، جنس، قومیت، دولت وغیرہ کا کوئی تفرق نہیں پایا جاتا ہے۔ Laski کے مطابق "حقوق سماجی زندگی کے اہم عناصر ہیں جن کے بغیر کسی بھی انسان کی کوئی وقعت نہیں ہے۔" (ibid) ارسطو کے مطابق انسان صرف زندہ ہی نہیں رہنا چاہتا ہے بلکہ وہ چاہتا ہے کہ وہ ایک بامقصد زندگی گذارے ایسا اس وقت ممکن ہے جب اس کو اپنے حقوق حاصل ہوں۔ ارسطو کے مطابق زندگی صرف زندہ رہنے کا نام ہی نہیں ہے، بلکہ اچھی طرح سے زندہ رہنے کا نام ہے "Life is not merely living but living well" (ibid)۔ اس کے لیے کچھ عناصر درکار ہیں جن سے ایک انسان کی ادبی، سماجی اور ذہنی نشوونما ہو سکے۔ ان عناصر کو انسانی حقوق کہتے ہیں جن کی امید ایک انسان اپنے سماج سے رکھتا ہے۔ انسان سماج کا اٹوٹ انگ ہے اس طرح سماج کی نشوونما اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ انسانی حقوق کا تحفظ نہ کیا جائے۔ (Kapoor: 2000)

خواتین کے انسانی حقوق (Women's Human Rights)

The first branch of the Vienna deceleration's definition of Women's human rights presented those rights as equally shared with men, on the basis of their shared and equal status as human beings. As stated in Article 1, "The Human Rights of Women and of the girl- child are an inalienable, integral and invisible part of universal human rights." (Eileen Hunt Botting: 2016. P. 12)

یونیورسل ڈیکلریشن آف ہیومن رائٹس (Universal Deceleration of Human Rights) کے مطابق انسانی حقوق سارے انسانوں (مرد و عورت) پر برابر لاگو ہوتے ہیں "کسی بھی قسم کے امتیاز کے بغیر جیسے نسل، رنگ، جنس، زبان یا دیگر امتیازات وغیرہ" (Kaul, A: 20)

Convention on the Elimination of all Forms of Discrimination Against Women (CEDAW) اور International Women's Human Rights کو یو این (UN) اسمبلی میں 1979 میں لاگو کیا گیا۔ اس دستاویز (document) کو خواتین کے سیاسی، سماجی، معاشی اور خاندانی حقوق کے تئیں پہلی قانونی دستاویز قرار دیا جاتا ہے۔

Declaration on the Elimination of Violence Against Women (DEVAW- 1993) نے خواتین پر تشدد کو روکنے، ان کے حقوق کا تحفظ اور دفاع سرکار کی مخصوص ذمہ داریوں میں قرار دیا ہے۔ DEVAW کے مطابق "یہ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ خواتین کے حقوق کا تحفظ اور دفاع کریں اور اگر کسی کے ساتھ ظلم و تشدد ہو رہا ہے چاہیے وہ خود حکومت کی طرف سے نجی فرد یا تنظیموں کی جانب سے، یہ ریاست کی

ذمہ داری ہے کہ ان کو سزا دے جو خواتین کے ساتھ ظلم و زیادتی کریں۔ (www.un-documents.net accessed on 24/08/17. 10:14am)

اگر بات کی جائے تو نظریاتی (Theoretically) طور پر بھی خواتین کو انسانی حقوق سے محروم نہیں رکھا گیا۔ 1945 میں UN Charter نے مرد و عورت دونوں کو مساوی حقوق جیسے سماجی، معاشی، ثقافتی، سیاسی اور معاشرتی سے نوازا۔ باوجود اس کے خواتین کو گھر کی چار دیواری میں مقید کر دیا جاتا ہے اور اسے ثانوی حیثیت دی جاتی ہے۔ عمومی طور پر ان خواتین کو انسانی حقوق کے تشریحات اور تعریفات سے دور رکھا جاتا ہے۔

United Nations Development Fund for Women (UNIFEM 1999) کے مطابق اکثر لڑکیوں اور خواتین کے انسانی حقوق کی پامالی ہو رہی ہے۔ ان پامالیوں کا شکار زیادہ تر غریب طبقے کی خواتین اور بچے ہوتے ہیں ، وہ اس لئے کہ لگاتار ظلم و تشدد اور امتیاز برتنے کی وجہ سے ان کی اپنی شناخت ہی مبہم ہو چکی ہے۔ اس کی وجہ سے ان خواتین کے انسانی حقوق کی پامالی ہو رہی ہیں۔ مثال کے طور پر Bhanwari Devi کا کیس۔ "اس کے ساتھ اونچی ذات کے پانچ افراد نے مل کر زنا بالجبر کیا۔ دو سال بعد کورٹ نے یہ حکم صادر کیا کہ یہ حادثہ ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ اونچی ذات کے لوگ نچلی ذات کی خواتین کے ساتھ ایسی حرکت نہیں کرسکتے"

کشمیر میں انسانی حقوق کی پامالیاں (Human Rights Violation in Kashmir Valley)

کشمیر میں انسانی حقوق کی پامالیوں کا مسئلہ ہمیشہ سے سرخیوں میں رہا ہے۔ درحقیقت جنیوا کنونشن کی خلاف ورزی کشمیر میں ہر صورت نظر آتی ہے۔ بھارتی فورسز کے اہلکار بھی اس خلاف ورزی کے تئیں بری الذمہ نہیں

ہیں۔قیدیوں کے ساتھ بھارتی فورسز کا برتاؤ بدنام زمانہ رہا ہے۔ڈوڑہ ضلع میں تقریباً دوسو ریپ کی وارداتیں فورسز کے ہاتھوں 1994 تک درج کی گئی ہیں۔ایک لاکھ کے قریب انسانی جانیں ضائع ہو چکی ہیں۔ہزاروں کی تعداد میں لوگ زبردستی غائب کیے گئے ہیں، ہزاروں لوگوں کو تشدد کا نشانہ بنایا جاچکا ہے جبکہ ہزاروں افراد کو انصاف سے محروم کیا جاچکا ہے اور یہ مسئلہ ہنوز جاری ہے۔(Boston: Asia Watch 1993)

انسانی حقوق کی تنظیموں کو کشمیر میں صاف شفاف انداز میں کام نہیں کرنے دیا جاتا حالانکہ بھارت حال ہی میں ایک بین الاقوامی تنظیم ریڈ کراس اور انٹرنیشنل کمیشن آف جسٹس کو کچھ محدود اختیارات کے ساتھ چھان بین کی اجازت تو دی ہے لیکن یہ تنظیمیں عوامی حلقوں میں کام کرنے سے اب بھی عاری ہی نظر آتی ہیں۔دوسری جانب فیڈریشن آف ہیومن رائٹس (Federation of human rights)اورامنسٹی انٹرنیشنل (Amnesty international) کو کشمیر میں کام کرنے سے روکا گیا ہے۔حد تو یہ ہے کہ صحافی حضرات کو بھی تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔اور بعض اوقات ان کی گرفتاری بھی عمل میں لائی جاتی ہے۔غیر ملکی امدادی تنظیموں کو بھی کشمیر میں کام کرنے سے روکا گیا ہے،ایسی تنظیموں کو امدادی اور ہیلتھ اسٹیشن سے بھی روکا گیا ہے۔مذہبی عمارات جیسے درگاہوں، خانقاہوں اور دیگر ثقافتی اداروں کو بھی نظر آتش کرنے کا الزام بھارتی فورسز پر بارہا لگایا جاچکا ہے۔(ibid)

1990 سے مسئلہ کشمیر کے حوالے سے بین الاقوامی نقطۂ نظر کی تردید کرتے ہوئے بھارت تحریک آزادی میں ملوث افراد کو دہشت گرد قرار دے رہا ہے اور اپنی فوج کو اس تحریک سے نمٹنے کے لیے کھلی چھوٹ دے رکھی ہے۔بین الاقوامی سطح پر انسانی حقوق کے لیے جو قوانین متفقہ طور پر منظور کیے گئے ہیں، ان کی خلاف ورزی

بھی بھارتی فوجیوں کے ہاتھوں دیکھی گئی ہے۔ اس حوالے سے بھارتی حکومت کی جانب سے کچھ قوانین جموں وکشمیر میں لاگو ہیں جو کہ غیر مناسب ہیں جن کو ہم ذیل میں تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔(ibid, p-5.)

بعض اوقات رمضان کے مہینے میں جسمانی تشدد کے علاوہ لوگوں کو سحری کھانے سے بھی روکا جاتا رہا ہے۔ اس کے علاوہ رات کی نماز کے لئے باہر جانے پر پابندی لگائی جاتی رہی ہے۔ اس طرح 1990 کی دہائی میں کشمیر میں ایک دہشت کی لہر پائی جاتی تھی۔ سرینگر کے لوگوں کو صبح ہوتے ہی گھروں سے گھسیٹا جاتا اور باہر زدکوب کیا جاتا۔ کشمیر کواٹرلی(Kashmir Quarterly) کی ایک رپورٹ کے مطابق 14 جنوری 1997 کو بھارتی فورسز نے چھ عام شہریوں کو تشدد کا نشانہ بنا کر موت کے گھاٹ اتار دیا، دو مسجدوں کو نظر آتش کر دیا، پندرہ دکانوں کے ساتھ ساتھ سات رہائشی مکانوں کو بھی نظر آتش کر دیا۔ ان زیادتیوں کے خلاف جب عام شہریوں نے احتجاج کیا تو ان کو زدوکوب کیا گیا، حد تو یہ ہے کہ مساجد میں نمازیوں کو بھی نہ بخشا گیا، سرینگر کی جامع مسجد کو بھی جلانے کی کوشش کی گئی۔(http://en.wikipedia.org accessed on07/07/17. 12:31 am)

رپورٹس کے مطابق 1990 کے بعد سے اب تک 7000 سے زائد عصمت ریزی کے واقعات سامنے آئے ہیں۔ پچھلے بیس سالوں سے 17000 ہزار سے زائد خواتین نے وادی کشمیر میں خودکشی کی جس میں ایک بڑی تعداد عصمت ریزی کی شکار خواتین کی ہیں۔ تشدد (violence) اور سفاکی(atrocities) کی وجہ سے خواتین کی تنظیمیں وجود میں آئیں جیسے مسلم خواتین مرکز (Muslim Khawaateen Markaz)، دختران ملت

(Dukhtaran-e-Millat)اور دیگر۔ ان تنظیموں کے سربراہ اور ممبران کو اکثر و بیشتر بھارتی فوج زدوکوب کرکے انہیں کچھ سالوں تک قید خانوں میں بھی رکھا۔

(http://www.graterkashmir.com/news/opinion/kashmir-conflict-a-gender-perspective/241587.html accessed on 16/10/17 5:03am

2007 میں ہندوستانی سرکار نے بتایا کہ 337,000 بھارتی فوج وادی کشمیر میں تعنیات ہے۔ اس وقت تقریباً ہر 18 شہریوں کے لئے 1 فوجی مقیم ہے۔ جس کی وجہ سے کشمیر دنیا کا سب سے بڑا "the most heavily militarized zone" بن گیا۔ (بشیر احمد ڈبلا)

(http://www.ipsnews.net/2015/07/violence-against-women-alive-and-kiking-in-kashmir/ accessed on 16/10/17 7:01 am

2013 میں خواتین کے خلاف تشدد کے سلسلے میں اقوام متحدہ کے خصوصی رپورٹر نے اپنے Final Country report on India میں اس بات پر زور دیا ہے کہ legislative provisions جیسے The Armed Forces (Special Powers) Act اور The Armed Forces (Jammu & Kashmir) Special Power Act (AFSPA) کی وجہ سے کشمیر میں انسانی حقوق کی پامالی ہورہی ہے کیونکہ یہ قوانین فوجی اہلکاروں کا دفاع کرتے ہیں نہ کہ عام شہریوں کا۔ مسلح افواج کی ظلم وبربریت اور سفاکی کی وجہ سے جموں وکشمیر میں اکثر وبیشتر خواتین کے بنیادی حقوق اور آزادی (عزت ووقار اور خواتین کی جسمانی سالمیت) کو کچل دیا جاتا ہے۔ اسی بات کو مد نظر رکھتے ہوئے اقوام متحدہ کے خصوصی رپورٹر نے کہا کہ ہندوستانی سرکار کو چاہیے کہ وہ ایسے قوانین کو منسوخ کریں تاکہ خواتین کا عزت ووقار، جسمانی سالمیت کو محفوظ رکھا جاسکے۔ جس سے یہ سماج کا نصف بہتر بھی خوشحال زندگی گذار سکیں۔

ریاستی سطح پر انسانی حقوق کی پامالیوں کا ریکارڈ:

جموں وکشمیر کے ریاستی ہیومن رائٹس کمیشن (SHRC) کے مطابق 1996 سے 1999 تک تقریباً 700 کے قریب ایسی شکایتیں موصول ہوئی ہیں جو انسانی حقوق کی پامالی کے زمرے میں آتی ہے۔ ان میں ایک کثیر تعداد زیر حراست ہلاکتوں پر مشتمل ہیں۔ اس رپورٹ کے مطابق 256 ہلاکتیں زیر حراست ہوئی ہیں ان میں سے 61 جو 1996 میں ، 115 جو 1997 میں، 45 جو 1998 میں اور 35 افراد جو 1999 میں ہلاک ہوئے ہیں۔ ان میں سے 157 بے گناہ عام شہری بھی شامل ہیں۔ عام شہریوں کی فہرست میں 25 جو 1996، 40 جو 1997 میں ، 83 جو 1998 میں اور 9 جو 1999 میں ہلاک کئے گئے۔ اس کے علاوہ اس کمیشن نے عصمت دری اور جنسی زیادتی کے 75 کیس درج کئے ہیں۔ 1996 میں 16، 1997 میں 13، 1998 میں 13 اور 1999 میں 16 ایسی وارداتیں درج کئے گئے ہیں۔ امنسٹی انٹرنیشنل (Amnesty International) نے میڈیا اور مقامی اخبارات کے حوالے سے یہ انکشاف کیا ہیں کہ 1990 کی دہائی میں تقریباً 1000 کے قریب افراد غائب کئے گئے ہیں اس طرح کے حیرت انگیز واقعات ملک و قوم کے اتحاد و اتفاق (Unity and Integrity) کو نابود کرنے والے ہیں۔ یہ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ خواتین کے انسانی حقوق کا تحفظ، عزت اور دفاع کریں۔ جہاں تک وادی کشمیر کا سوال ہے ان کے حقوق کی پامالی ہر سطح پر جاری وساری ہے جیسے کہ آسیہ نیلوفر کیس اور کونن پوش پورہ کیس۔ مندرجہ ذیل جدول سے کشمیر میں انسانی حقوق کے بارے میں اعداد و شمار کے ساتھ تفصیل بیان کرنے میں مدد گار ثابت ہوں گے۔

.1	عام شہری جن کو گرفتار کیا گیا	**110100**
.2	بچے جو یتیم ہوئے	106353
.3	آتش زدگی کے واقعات	104866
.4	عورتیں جو بیوہ ہوئی	22240
.5	اجتماعی عصمت دری کے واقعات	9579
.6	زیر حراست ہلاکتیں	6771
	کل ہلاکتیں	89742

Source: Human Rights Commission (1989-2005)

(a) (b)

Source: https://cryptome.org/info/kashmir-protest/kashmir-protest.htm

(a) Women and men were physically harassed by Indian security forces.

(b) Girls protest against genocide in Kashmir by Indian Army.

(c) (d)

Source: http://pakchinanews.pk/pakistan-briefed-china-on-the-ongoing-situation-in-kashmir/

(c) Inhuman action by Indian forces.

(d) 19th July, 2016 protest against innocent killings.

(e)

(f)

Source: http://www.hindustantimes.com/india-news/major-involved-in-kashmir-jeep-row-awarded-army-chief-s-commendation-card/story-iYbtHFUy3GZhZIRP26j4UN.html

(e) Inhuman action by Indian forces.

(f) 19th July, 2016 protest against innocent killings.

(g) College girls were being subjected to voyeuristic attitude by security peronals.

(h) Dupatta of student was being pulled by security forces

1.8۔ تصورات و نظریات (Concepts and Theories)

نیم بیوائیں (Half-Widows)

“Half Widow” is a term coined by Kashmiri Press to describe the Women the wherebouts of whose husbands are not known. (Afsana: 2011. Pp.15).

“Half Widow” is a term given to Kashmiri Women whose husband have disaapeared and were still missing during the on going conflict in Kashmir. (The Indian Express: 2 March 2014). These Women are called “Half Wdiows” because they have no idea whether their husbands are dead or alive.

ٹاڈا TADA(Terrorist and Disruptive Activities Act-1987)

ٹاڈا دہشت گردی اور امن عامہ میں خلل ڈالنے والوں کے لیے 1987 میں جموں و کشمیر میں لاگو کیا گیا۔ 1995 میں اس قانون کو کشمیر سے ہٹایا گیا۔ اس قانون کے تحت بھارتی فوجی اہلکار کشمیر میں بلا کسی رکاوٹ کے بھی چھاپہ مار سکتے تھے اور کسی بھی شہری کو بلا کسی ٹھوس ثبوت کے ایک سال تک قید میں ڈال سکتے تھے۔

یہ قانون بین الاقوامی طور پر متفقہ اقرار کے آرٹیکل (Article-9) کی سراسر خلاف ورزی ہے کیونکہ یہ عوام کے شہری اور سیاسی حقوق کی پامالی کا باعث ثابت ہوا ہے۔ بین الاقوامی سطح پر یہ متفقہ قرار پایا ہے کہ جب بھی کسی شخص پر فرد جرم عائد کیا جائے تو اسے حراست میں لے نے سے پہلے مطلع کیا جائے کہ اسے کس جرم کے تحت گرفتار کیا جا رہا ہے۔ ٹاڈا بین الاقوامی قانون کے آرٹیکل 14 کی بھی خلاف ورزی ہے جس کے تحت ملزم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ عدالت کی طرف رجوع کرے اور گواہوں کی جانچ پڑتال کرے۔

جموں وکشمیر پبلک سیفٹی ایکٹ 1978

Jammu and Kashmir Public Safety Act1978

یہ قانون بھی بھارتی اہلکاروں کو اس بات کی کھلی چھوٹ دیتا ہے کہ وہ کسی بھی شخص کو حراست میں لیں اور بغیر کسی عدالتی چارہ جوئی کے اسے ایک سال تک پابند سلاسل رکھنے،اس طرح یہ قانون عوامی احتجاج کی راہوں کو بھی مسدود کرتا ہے۔مثال کے طور پر اگر کسی شخص کے بیٹے کو فوج قتل کرتی ہے اور وہ شخص اس کے خلاف احتجاج کرتا ہے اور فوجیوں کے ظلم و جبر کے خلاف آواز اٹھاتا ہے تو فوج کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ اسے گرفتار کر کے ایک سال تک قید خانے میں بغیر کسی عدالتی مداخلت کے بند رکھے۔

نیشنل سیکورٹی ایکٹ 1947(National Security Act)

اس قانون کے تحت بھارتی فوج اور مقامی پولیس کسی بھی شخص کو ایک سال تک حراست میں لے سکتی ہے۔ عدالت اس معاملے میں کسی بھی طرح کی مداخلت نہیں کر سکتی۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ کوئی بھی شخص چاہیے وہ کسی جرم میں ملوث نہ ہو تب بھی گرفتاری سے نہیں بچ سکتا۔

افسپا (جموں وکشمیر) آرمڈ فورس اسپیشل پاورس ایکٹ (AFSPA-1990)

اس قانون کو 10 ستمبر 1990 کو لاگو کیا گیا۔اس قانون کے تحت گورنر کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ ازخود بنا کسی مرکزی مداخلت کے کشمیر کے کسی بھی خطے کو خلل زہ (disturbed) قرار دے سکتا ہے۔ گورنر پوری ریاست

کو بھی disturbed قرار دے سکتا ہے۔ یہ قانون فوجیوں کو یہ اختیار دیتا ہے کہ وہ کسی بھی گھر کی بلا وارنٹ کے تلاشی لیں، کسی بھی شخص کو گرفتار کریں، رہائشی مکانوں کو منہدم کریں یا دیکھتے ہی کسی شخص کو گولی مار دیں۔

اس قانون کے آرٹیکل 7 کے تحت مذکورہ بالا انسانی حقوق کی خلاف ورزی کرنے والی کارروائیوں کے لئے فوجی اہلکاروں کو کسی قسم کی جوابدہی کا پابند نہیں بنایا گیا ہے۔ اس قانون کے تحت فوج مکانوں، دیہاتوں کو نظر آتش کرتی ہے، عام شہریوں کو گرفتار کرتی ہے انھیں تشدد کا نشانہ بناتی ہے اور انھیں پابند سلاسل کرتی ہے اور یوں فوج کے خلاف عدالتی چارہ جوئی کرنے کے حق کو بھی عوام سے سلب کیا گیا۔ (Boston: Asia Watch 1993)

نیشنل سیکورٹی ایکٹ اور افسپا جموں وکشمیر میں بھی بین الاقوامی قانون کے آرٹیکل 9اور14 کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ اس طرح ان قوانین کی آڑ میں بھارتی فوج بین الاقوامی طور پر منظور شدہ حقوق جیسے فری پیچ، صحافت کی آزادی، انجمنیں بنانے کا حق اور دوسرے جمہوری حقوق کی خلاف ورزی بھی کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا قوانین جموں وکشمیر میں انسانی حقوق کی پامالی کا سبب بنے ہوئے ہیں۔ مزید برآں بھارت نے اگست 1992 میں ایک اور پیش قدمی ''آپریشن ٹائیگر'' کی صورت میں کی جو کشمیریوں کے لئے بہت صبر آزما ثابت ہوا۔ اس آپریشن کے تحت بھارتی فوج کسی بھی جگہ چھاپہ مار سکتی تھی۔ یہ چھاپے اس لئے مارے جاتے کہ عسکریت پسندوں کو یا تو مارا جائے یا گرفتار کیا جاسکے۔ لیکن اس کے نتائج برعکس ثابت ہوئے اور یوں بہت سے قیدیوں کو زیر حراست قتل کیا گیا۔(ibid: pp.6)

جبری گمشدگی (Enforced Disappearance)

"Enforced disappearance is considered to be the arrest, detention, abduction or any other form of deprivation of liberty by agents of the State or by persons or groups of persons acting with the authorization, support or acquiescence of the State, followed by a refusal to acknowledge the deprivation of liberty or by concealment of the fate or whereabouts of the disappeared person, which place such a person outside the protection of the law". United Nations, International Convention for the Protection of All Persons from Enforced Disappearance: 2006. Article 2. (APDP Report: 2011)

بھارتی فورسز پر الزام ہے کہ انھوں نے 1990 سے تقریباً700 سے800 افراد کو صرف شوپیاں میں حراست میں لے کر غائب کر دیا ہے ان افراد میں کچھ کم عمر لڑکے اور دیگر جوان اور بزرگ شہری بھی شامل ہیں۔ یہ افراد مختلف پیشوں سے وابستہ تھے، کچھ افراد تاجر، کچھ وکیل، کچھ مزدور اور کچھ استاد تھے۔ ان میں سے بیشتر افراد عام شہری ہیں جس کا کسی بھی عسکری تنظیم سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ یہ تقریباً ناممکنات میں سے ہے کہ عام کشمیری انسانی حقوق کی پاسدار تنظیموں کی مدد سے یا متاثرہ لواحقین فورسز کے خلاف کوئی کاروائی عمل میں لا سکیں۔(Akhila Raman: 1998)

اگست 2000 میں امنسٹی انٹرنیشنل (Amnesty International) کے رپورٹ کے مطابق تقریباً1000 افراد یکم جنوری سے غائب کر دیئے گئے اور حکام اس بارے میں کسی بھی علمیت کا اظہار کرنے سے کتراتی ہیں۔ کشمیر مانیٹرے مطابق صرف شوپیاں میں 1990 سے 1995 تک 300 کے قریب ایسی ہی وارداتیں واقع ہوئی ہیں۔(Amnesty International, A Report: 1995)

عسکری تحریک کے دوران وہ مقتول افراد جو بعد میں معصوم قرار دیئے گئے ہیں مقامی حکومت ان کے لواحقین میں ایک کو (Statutory Regulations & Orders) SRO43 کے تحت سرکاری ملازمت فراہم کرتی ہے۔ لیکن گمشدہ افراد کے لئے ایسی کوئی مراعات نہیں ہے۔ اگر چہ سرکار نے اس سلسلے میں ایک کمیٹی بھی تشکیل دی ہے لیکن متاثرہ افرادد کی عدم شرکت اور سسٹم کی غیر شفافیت اس راہ میں آڑے آتے ہیں اور خاطر خواہ نتائج بر آمد نہیں ہوتے ہیں۔ اس کمیٹی نے آج تک کوئی قابل ستائش کام انجام نہیں دیا ہے نا ہی کسی بھی ملوث ایجنسی کے خلاف کوئی کاروائی کر سکی ہے۔(ibid)

تشدد (Torture)

Article 1 of the United Nations Convention against Torture and other cruel, inhuman or degrading treatment or punishment is the internationally agreed legal definition of torture:

"Torture means any act by which severe pain or sufferings, whether physical or mental, is intentionally inflicted on a person for such purposes as obtaing from him, or a third person, information or a confession, pushing him for an act he or a third person has committed or is suspected of having committed, or intimidating or coercing him or a third person, or for any reason based on discrimantion of any kind, when such pain or suffering is inflicted by or at the investigation or with the consent or acquiescence of a public official or other person acting in an official capacity. It does not include pain or suffering arising only from, inhernt in, or incidental to, lawful sanctions." (https://www.un.org/documents/ga/res/39/a39r046.htm accessed on 05/09/17. 11:23pm)

Militants and Militarization

A "militant" is someone who is engagaed in war or who acts aggressively for their cause. Whereas, "Militerasation" is the process of becoming ready for conflict or war. Sometimes, militarization refers to making a civilian organization resemble the armed forces- with uniforms or weapons. (https://www.vocabulary.com. Accessed on 06/08/17. 11:54 pm)

کشمیر تنازعہ کی ابتداء تقریباً ہندوستان کی تقسیم کے وقت سے چلی آرہی ہے۔ جب کشمیر میں فوج وارد ہوئی اس کارد عمل موجودہ جدوجہد کی شکل میں ابھر آیا جو 1990 میں اپنے عروج پر تھا۔ کشمیر کے بہت سارے نوجوان سرحد پار کر کے پاکستان چلے گئے اور وہیں سے پھر ملیٹنسی کی مہم شروع ہوئی۔ اس مہم کی وجہ سے بہت سارا نقصان ہوا اور اس باہمی تصادم میں خواتین سب سے زیادہ متاثر ہوئیں۔ اس تنازعہ کے نتیجے میں بہت ساری خواتین بیوہ، نیم بیوہ اور معذور ہو گئیں جس کی وجہ سے کشمیر ایسی جگہ بن گئی جہاں نوجوان طبقہ ذہنی صدمہ کا شکار ہو گیا۔ نیز یہاں ایسا کوئی شخص نہیں جو نامساعد حالات کی وجہ سے متاثر نہ ہوا ہو۔

جہاں ایک طرف دونوں ایجنسیوں سے تصادم آرائیاں زوروں پر چلتی رہیں۔ وہیں دوسری طرف فوج کو Armed Forces (Special Powers) Act, (AFSPA) 1958 کا اختیار دیا گیا جس کی رو سے وہ کسی بھی فرد کو شک کی بنیاد پر گولی مار سکتے ہیں اور اس قانون کے مطابق فوج کو کوئی جوابدہی نہیں ہوتی۔ اس کا شکار براہ راست کشمیر کے معصوم لوگ بنتے رہے ہیں۔

"وادی میں لگ بھگ 7 لاکھ ہندوستانی Paramilitary فوجی تعینات ہیں اور قریباً 70 ہزار ریاستی پولیس بھی ہے۔ سولجر Civilian ratio کے مطابق فی 20 افراد پر ایک فوجی تعینات ہے جو کہ دنیا کا سب سے بڑا ratio ہے۔ یہ

فوج 1958 میں جاری کردہ AFSPA Act کے تحت اپنی کاروائی کرتے ہیں جس کی رو سے وہ کسی بھی آدمی کو بغیر warant کے گرفتار اور اس پر کسی بھی شک وشبہ پر جبری تشدد کرسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس قانون کے مطابق وہ کسی بھی احاطے میں داخل ہوکر کسی فرد کی گرفتاری عمل میں لاسکتے ہیں۔ یہ ctA قانونی طور پر ان سے جوابدہی طلب نہیں کرتا" (Ganguly: 1997)

تنازعہ (conflict)

تنازعہ کے لئے انگریزی زبان میں conflict لفظ مستعمل ہے۔ یہ ایک وسیع المعنی اصطلاح ہے۔ اسکالروں اور دانشوروں نے اس اصطلاح کی مختلف طرزوں اور زاویوں سے تشریح کی ہے۔ جن میں چند محققین کی تشریح حسب ذیل ہے۔

مسلح تنازعے (Armed Conflict)

مسلح تنازعے سے مراد وہ تنازعہ ہے جس میں مقامی، قومی یا بین الاقوامی سطح کے فسادات و جھگڑوں کا حل مسلح تشدد کے ذریعہ تلاش کیا جاتا ہے۔(Boyden, Berry& Hart: 2002)

سماجیانہ (Socialization)

Carol Gilligan compared the moral development of girls and boys in her theory of gender and moral development.She claimed that boys have a justice perspective meaning that they rely on formal rules to define right nad wrong. Girls, on the other hand, have a care and responsibility perspective where personal relationalships are considered when judging a situation.Gilligan also studied the effect of gender on self-esteem. She claimed thet society's socialization of females is the reason why girls' selfesteem diminishes as they grow older. Girls struggle to regain their personal

strength whenmoving through adolescence as they have fewer female teachers and most authority figures are men.(Linds, M :2010).

پدرشاہی نظام (Patriarchal System)

حکومت یا ایسا سماجی نظام جس میں مرد سربراہ ہے اور وراثت باپ سے بیٹے کو منتقل ہوتی ہے ایسے نظام کو پدرسری، پدرشاہی، سرخیلی یا سر قبیلی نظام Patriarchy کہتے ہیں۔(آکسفورڈ انگلش اردو ڈکشنری، صفحہ 1200) Patriarchy کا اردو ترجمہ لفظ "پدرشاہی" بھی کیا جاتا ہے۔ یہ لفظ Patriarch سے مشتق ہے جس کے معنی آکسفورڈ انگلش ڈکشنری میں "وہ مرد جو خاندان یا قبیلے کا سربراہ ہوتا ہے۔

Patriarchy literally means rule of the father in a male-dominated family. It is a social and ideological construct which considers men (who are the patriarchs) as superior to women. Sylvia Walby in *"Theorising Patriarchy"*calls it "a system of social structures and practices, in which men dominate, oppress and exploit women" (Walby: 1990)

تانیثیت میں اس سے مراد جنس اور صنفی طاقت کی بنیاد پر مرد کا عورت کے کمزور ہونے کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے ہر شعبہ زندگی میں اپنی بالادستی قائم رکھنا اور اپنے بنائے ہوئے اصولوں اور قوانین پر عورت کو اُن پر چلنے کا پابند کرنا ہی Patriarchy ہے۔(Bell Hooks: 2000)

سارا گیمبل 1998 کا کہنا ہے کہ پدرشاہی صنف کی وجہ سے نہیں بلکہ جنسی تعصب Sexism کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ مرد عورت پر ہر طرح سے جنسی غلبہ اور اختیار چاہتا ہے۔ جنسی تعصب پدرشاہی کی ہر سطح پر پایا جاتا ہے۔ اسی لئے وہ عورت کی تعلیم اور ملازمت کی راہ میں رکاوٹ بنتا ہے۔ اس لیے بھی عورت کو گھر

اور باہر ہر جگہ ایک مدافعتی انداز سے رہنا پڑتا ہے۔ فلموں، کھیل کود اور فیشن میں عورت کو مرد کی Patriarchy کی تسکین کے لیے رکھا جاتا ہے۔ ادب، زبان اور شاعری میں بھی عورت جسے صنف نازک تو کہا جاتا ہے لیکن دراصل یہ بھی پدرشاہی ہی کے نمونے ہیں جو مرد کے رومانس اور Fantasies اور جنسی جذبات کا ذریعۂ اظہار ہے۔ (Bhasin: 2004)

قدیم زمانہ میں ''پدرشاہی یا پدر سری'' کے معنی ایسے قبیلے کے لئے کہے جاتے تھے جس کا ایک مرد سردار ہوتا تھا اور سردار پورے قبیلے پر حکومت کرتا تھا۔ اور پورے نظام کو چلانے کا وہی ذمہ دار ہوتا تھا۔ دھیرے دھیرے یہ لفظ ایسے مشترکہ خاندان کے لئے استعمال ہونے لگا جس میں خاندان کے بزرگ سے کنبہ کے افراد تابع ہوتے ہیں۔ اور اسے ایک حاکم کا موقف حاصل رہتا ہے۔ گو کہ سماج کے ہر سطح پر مرد کا غلبہ واضح طور پر نظر آتا ہے جسے پدرشاہی نظام تصور کیا جاتا ہے۔ اسی لئے آج ''پدرشاہی نظام'' ایک اصطلاح کی حیثیت سے عام معاشرہ میں مروج ہے اور عام طور پر پدرشاہی نظام مردوں کی معاشرتی بالادستی کو کہتے ہیں۔ جس کی بنیاد سماج ،خاندان، سیاست، معیشت اور مذہب پر مردوں کی اجارہ داری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ نظام کافی پرانا ہے۔ اس کی جڑیں تاریخ میں بڑی گہرائی تک پیوست ہیں۔ (آمنہ۔2008)

پدرشاہی نظام''میں مرد کو حاکمیت اور عورت کو ماتحت کا مقام حاصل رہتا ہے۔ اس حاکمیت کے کئی اقسام ہیں جیسے امتیازات، خراب برتاؤ، کنٹرول و تذلیل، ظلم، گھریلو تشدد اور کام کی جگہ پر ہراسانی وغیرہ۔ اس نظام کا اہم تصور یہ ہے کہ عورت پر مردو کی فوقیت فطری ہے کیونکہ عورت مرد کی ملکیت تصور کی جاتی ہے۔

پدر شاہی نظام کا کنٹرول:

پدر شاہی نظام میں کنٹرول کی کئی صورتیں ہوتی ہے جیسے گھر کے اندر اور باہر دونوں جگہ پر خواتین کے ذرائع پیداوار اور آزادی برائے فیصلہ سازی کی طاقت پر مرد کا کنٹرول ہوتا ہے۔ ہر زمانہ میں ہر دور میں پدر سری نظام رائج رہا ہے۔ خاص طور پر ہندوستان کے ہر کونے کونے میں پدر شاہی نظام کی بڑی گہری جڑیں موجود ہیں۔ اسی طرح سے کشمیر میں بھی اس نظام کی جڑیں موجود ہیں۔ جس کا اثر یہاں کی خواتین میں نظر آتا ہے۔ یہاں کی خواتین کو بھی پدر شاہیت نظام جیسے فیصلہ سازی میں بھی مرد کا کنٹرول ہوتا ہے گھر کے باہر بھی عورت کی مزدوری یا محنت مرد کے کنٹرول میں ہی ہوتی ہے۔ خواتین کو مخصوص عہدے یا مخصوص کام ہی دیئے جاتے ہیں۔ 1989 کے سیاسی عدم استحکام کی وجہ سے خواتین کو بہت سارے مسائل جیسے ان کے شوہر کا غائب ہونا کسی کا بیٹا یا کسی کا بھائی یا کسی کے والد اس طرح کے کافی سارے مسائل سے یہاں کی خواتین دوچار ہوئی ہے جس کا راست اثر یہاں کی خواتین پر پڑا۔ اس وجہ سے یہاں کی خواتین میں ایک شعور بھی اجاگر ہوا۔ کافی کوششوں کے چلتے یہاں کی خواتین اپنے حق کے لئے آگے آئیں اور پدر شاہی نظام کا جو گہرہ دائرہ موجود تھا جو یہاں کی خواتین کو بڑی گہرائی سے جکڑا ہوا تھا۔ اس دائرہ کو یہاں کی خواتین توڑنے میں کافی حد تک کامیاب ہوئی ہیں۔ اپنی معاشی حالت کو بہتر کرنے اور روزمرہ کی زندگی گزارنے کے لئے چھوٹے موٹے کام جیسے سلائی، بنائی، کڑھائی وغیرہ کے کاموں سے اپنا گزر بسر کرنے لگیں۔ (ibid)

Gendered Oppression

Gendered oppression is the systemic manner in which certain groups are privileged or disadvantaged because of their gender.Because gender is such an

integral part of society, we may unconsciously subscribe to harmful and inaccurate gender stereotypes. These socially constructed assumptions about gender do not describe essential characteristics of men, women, and people outside of the gender binary, yet they often claim to.This maintains the gendered power difference that allows certain groups to benefit (socially and economically) at the expence of others. (Iris Young)

تانیثیت (Feminism)

"Feminism isn't about making women stronger. It's about changing the way the world perceives that strength"(G.D Anderson)

تانیثیت فرانسیسی لفظFeminismسے مشتق ہے۔ جو اس وقت کہا جاتا ہے جب کسی مرد میں نسوانی کیفیات یا کسی عورت میں مردانہ کیفیات پائی جائے۔Jagger کے مطابق یہ لفظ بیسویں صدی کے آغاز میں خواتین کی فلاح و بہبود کے لیے کیے جانے والے اقدامات کے تعارف کے طور پر استعمال ہونے لگا اور رفتہ رفتہ ایک مخصوص اصطلاح بنتی چلی گئی۔(Jagger: 1983)

عصرِ حاضر میں (1998) Sarah Gamble نے تانیثیت کی یوں تعریف کی ہے "تانیثیت سماج میں عورت کے اُس منفی امیج کو بدلنے کی تحریک کا نام ہے جس میں عورت صنفِ نازک ہونے کی وجہ سے سماج میں مرد کے برابر نہیں سمجھی جاتی۔ جس سماج میں مرد کے نظریات وضروریات عورت کے نظریات پر ترجیح رکھتے ہیں۔ اس پدرشاہی نظام میں جہاں عورت میں ہر وہ کمزوری ہیں جو مرد میں نہیں یا وہ ماننا نہیں چاہتا۔ عورت کمزور اور مرد طاقتور عورت جذباتی اور مرد سمجھدار عورت مفعول اور مرد فاعل سمجھے جاتے ہیں۔ اسی تاثر کی وجہ سے

عورت کو مرد کے برابر نہ امورِ کاروباری میں موقع دیا جاتا ہے اور نہ تہذیبی نمائندگی میں عورت کے ساتھ ان ناانصافیوں کو ختم کرنے کی تحریک کا نام تانیثیت ہے "۔(Sarah Gamble:1998)

تانیثی نقطہ نظر(Feministic Perspective)

تانیثی نقطہ نظر ہمیں متن(text) کو اپنی نظر سے نہیں بلکہ ایک تانثیت پسند کے نظر سے دیکھنے کا ہنر عطا کرتا ہے۔ ایسا ہنر جو ہمیں سماج میں عورتوں کی حیثیت کو کیسے پیش(portray) کیا جاتا ہے اور ان کے مسائل کی طرف سنجیدگی سے دیکھنے کا موقعہ فراہم کرتا ہے۔ اس لئے ایک محقق کے لئے ضروری ہے کہ وہ تانیثی نقطہ نظر کو عمل میں لاکر اپنے تحقیق کا کام انجام دے تاکہ حقیقت پہ مبنی حقائق کو سامنے لایا جائے اور معتصبانہ نتائج کو حتی الامکان کم کیا جاسکے۔

اس مقالے میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ خواتین کے مسائل کو خود اُن کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے، سمجھا جائے اور اُن کے احساسات کی عکاسی کی جائے،یہی تانیثی نقطہ نظر ہے۔ یہاں ہم نیم بیواؤں کے مختلف مسائل کا احاطہ کریں گے اور اُن کو انہی کی نظر سے پیش کریں گے۔

موجودہ دور میں کشمیر میں مسائل کی بہتات ہے اور ہر سو ایسے ایسے مسائل نظر آتے ہیں جن سے کشمیر کی سیاست عدم استحکام کی جیتی جاگتی تصویر نظر آتی ہے۔ اگرچہ بہت سے مسائل کو منظر عام پر لایا گیا اور کچھ حد تک ان میں کمی بھی واقع ہوئی ہے۔ لیکن کچھ مسائل ایسے بھی ہیں جن پر قلم اٹھانے کی اشد ضرورت ہے۔ ان ہی

مسائل میں سب سے اہم اور پیچیدہ مسئلہ نیم بیواؤں کا ہے۔ نیم بیواؤں کے حوالے سے شفیع احمد نے اپنی کتاب "The half widow: 2012" میں یوں تحریر کیا ہے۔

"کشمیری عوام سیاسی عدم استحکام کی آگ میں جھلستا جارہاہے۔ ہر طرف سے تشدد، قتل وخونریزی اور اغوا کاری کا ماحول نظر آرہاہے بہت سارے اغوا کیے گئے لوگوں کو غائب کر دیا گیاہے۔ ایک غیر سرکاری تخمینے کے مطابق تقریباً آٹھ ہزار لوگوں کو غائب کیا گیا ہے ۔ جن کے لواحقین خصوصاً ان کی بیویاں طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا ہیں، وہ اسی تذبذب کی شکار ہیں کہ آیا وہ زندہ ہیں یا مارے گئے ہیں۔ ان کے کھوج کی جدوجہد میں ان کے دن رات کٹ جاتے ہیں"۔(Ahmad.S: 2012)

نیم بیواؤں کا مسئلہ وادی کشمیر میں ایک سنگین مسئلہ بن گیاہے اور یہ طبقہ صرف کشمیر میں ہی پایا جاتا ہے۔ اگرچہ اس طبقے پر کچھ حد تک کام ہوا ہے اور کچھ لوگوں نے انکے سماجی مسائل کو جاننے کی کوشش کی ہے اور کہیں پر ان کے معاشی مسائل کو بھی اجاگر کیا گیاہے۔ محقق نے جب ان کے مسائل کا مطالعہ کیا تو یہ بات واضح ہوگئی کہ ابھی بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔

Muted Group Theory

سب سے پہلے Muted Group Theory کا نظریہ Edwin اور Shirley نے پیش کیا۔ جن کا بنیادی مطالبہ یہ ہے کہ سماج کے پسماندہ گروپ کی نجی آواز، لفظیات ہو یا خیالات کی آزادی چھین لی جاتی ہے۔ ایسے گروپ کو بجائے لاشعوری طور پر سسٹم کی ہاں میں ہاں ملانے کی بجائے خود بھی اپنی حیثیت کو سمجھنا چاہیے۔ چاہے مذہبی آزادی ہو یا قومی سب میں وہ برابری کا تصور حاصل ہو:

Muted Group theory was initially developed by social anthropologists Edwin Ardener and Shirley Ardener in 1975 focuses on the ways that the communication practices of dominant groups suppress, mute, or devalue the words, ideas and discourse of subordinate group. It was further elaborated by Cheris Kramarae in the field of communication studies. She further developed Muted Group theory from her feminist standpoint on how women are somewhat muted and are dominated by male's perception. She uses the examples that since women are the muted groups, they have to "tell it slant" whereas men just get to " tell it straight". (Kramarae: 2008). Women seem to play two different roles: women have to portray their femininity with their looks, but in the professional environment, they have to talk with men's talk. They need to consciously lower their voices, speak more slowly and more carefully. Three basic assumptions rests to this theory:

1. The different experiences caused by the division of labour result in the different perception that women and men hold towards the world.
2. Women enact their power politically, perpetuating their power and suppressing women's ideas and meanings from gaining public acceptance.
3. Women must convert their unique ideas, experiences and meanings into male language in order to be heard.

The theory does not claim that these differences are based in biology. Instead, the theory claims that men risk losing their dominant position if they listen to women, incorporate their experiences in the language, and allow women to be equal partners in language use and creation. Language is about power, and men have it.

زیرِ نظر تحقیق میں(Muted Group Theory)کے نظریات کو عملایا گیا ہے۔ اس نظریہ میں کہا گیا ہے کہ ایک مرد کے مقابلے میں عورت کو سماج میں بہت حقیر نظر سے دیکھا جاتا ہے۔اس نظریہ کے مطابق عورت کو سماج میں محکوم بنایا گیا ہے جس کی بنیاد اصل میں صدیوں پرانی مرد اور عورت کے درمیان تفریق ہے۔ عورت کو مرد کے دائرے سے باہر کرکے اس کو احساس کمتری کا شکار بنایا گیا ہے اور تو اور عورت کے پاس کوئی اختیار ہی نہیں ہے نیز اس کی حالت ایسی بنائی گئی ہے جیسے اس کی اپنی زبان ہی نہیں ہے جس سے وہ بول سکے کیوں کہ جو زبان وہ بولتی ہے وہ مرد کی بنائی ہوئی ہے۔اپنے دکھ درد بیان کرنے کے لئے جس زبان کی ضرورت عورت کو چاہیے وہ اس کے پاس نہیں ہے۔اگر وہ اپنے آپ کو بیان کرنے کی کوشش بھی کرتی ہے تو اسے مرد کے بنائے

ہوئے لسانوی سانچے سے ہی بولنا پڑتا ہے۔ جس میں عورت کو وہ مقام حاصل نہیں ہو پاتا جس کی وہ مستحق ہے۔ سماج میں عورت کو مختلف القاب سے پکارا جاتا ہے جیسے کتیا، طوائف وغیرہ۔ دوسری طرف مرد کے لئے بھی اگر کہیں غیر شائستہ الفاظ کہے جاتے ہیں تو ان کے پیچھے بھی مرد کی تعریف چھپی ہوتی ہے جیسے شاطر وغیرہ۔

.
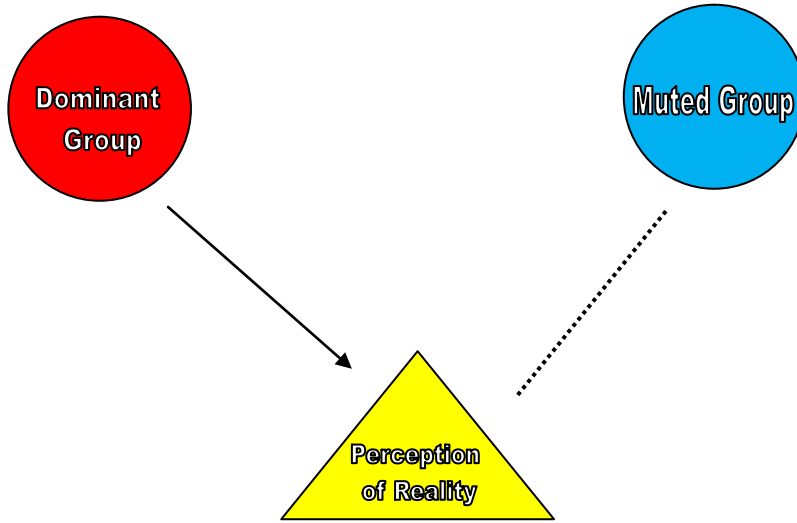
Ardener's Dominant Group Vs Muted Group

Ardener applies Muted Group theory to explore the power and societal structure in relation to the dynamism between dominant and subordinated groups. His concenpt does not apply to women only but can be applied to other non dominant groups.

Stand Point Theory

Stand Point Theory ایک ایسا سماجی نظریہ ہے جس کے ذریعے سے ہم دنیا کو ایک مخصوص نظر سے دیکھتے ہیں اور جس سے ہم مسائل کا احاطہ کرکے ان کا کامیاب حل ڈھونڈ نکالے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس نظریہ کے ذریعے سے ہم کسی خاص مسئلہ یا چیز پر فوکس کرتے ہیں اور یہ بھی پتہ لگانے کی کوشش کرتے ہیں کہ کونسی چیز سماج کی نظروں سے اوجھل ہے۔

سماج یا معاشرے میں جو غیر مساوات یا امتیازات پائے جاتے ہیں ان کو حل کرنے کے لیے ہم سماج کے ایک خاص طبقہ جس کا زندگی کے ہر شعبے پر غلبہ ہوتا ہے کی نظر سے دیکھتے ہیں یا حل کرنے کے بارے میں سوچتے ہیں۔ مگر Stand Point Theory کا کام بالکل اس کے برعکس ہے۔ اس نظریہ کا مقصد ہے کہ سماج میں پچھڑے ہوئے طبقہ کو انہی کی نظر سے دیکھا جائے۔ تاکہ ہمیں بنیادی مسائل حل کرنے میں آسانی پیدا ہو اور ساتھ ہی ساتھ ہر مسئلے کا بھی خاتمہ ہو جائے۔ یہ ایک عام سی بات ہے کہ ہم ایک چھوٹے بچے کو بزرگ سمجھ کر اس کے ساتھ بات نہیں کر سکتے بلکہ اسے بچہ سمجھ کر ہی اگر بات کریں تو بات معنی خیز ثابت ہو گی۔ اس طرح سماج میں پسماندہ طبقے کے مسائل حل کرنے کے لیے ہمیں انہی کی نظر سے دیکھنا ہو گا اور یہی Stand Point Theory کا اصل مقصد ہے۔

اس نظریہ کا اہم پہلو یہ بھی ہے کہ لوگ دنیا کا تجربہ اپنی جسامت کے ذریعہ کرتے ہیں۔ جس کی بناوٹ الگ الگ ہے۔ اور یہ مختلف زماں و مکاں سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے کہ یہ لوگ الگ الگ جگہوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں مختلف قسم کی سماجی اور نفسیاتی تربیت جاگزیں ہوتی ہے ۔ جبکہ انکے تجربات اور معلومات ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔

امریکی تانیثی نظریہ ساز Sandra Harding نے سب سے پہلے Stand Point Theory کا نظریہ پیش کیا ہے۔ ان کے مطابق ”جو لوگ طاقتور نہیں ہیں ان کی زندگی کے زاویۂ نظر سے اگر ہم حقائق کو دیکھنے کی کوشش کریں گے تو وہ خیالات غیر جانب دار ہو جاتے ہیں“۔

اس کے بعد Dorthy Smith,Nancy Hartsock نے بھی اس سلسلہ کی کڑی کو آگے بڑھانے میں اہم رول ادا کیا۔ تاکہ یہ کمزور یا نادر سمجھی جانے والی دنیا کی نصف حصہ آبادی فرد کے لحاظ سے اپنے وجود کا پرچم لہرائیں اور اپنے وجود پر افسوس نہ کریں۔ کیوں کہ خواتین پر ابتدا سے ہی غلام کی طرح یا اچھوت سمجھ کر طرح طرح کے مظالم ڈھائے گئے۔ عورت کو مرد جنسی شے سمجھنے لگا بالخصوص خوبصورت خواتین کا بے انتہا جنسی استحصال کیا گیا۔ رنگ اور روپ اور علاقوں کے اعتبار سے بھی الگ الگ اور مختلف طرح کے مظالم کے سائے میں یہ عورت جینے پر مجبور کی گئی۔

خواتین کے مسائل کے حل کے لیے تانیثی مفکرین نے اپنے نظریہ کے مطابق خواتین کو اپنی صلاحیتوں اور طاقت کا صحیح استعمال اپنی ذات پر کرنے کی تلقین کی۔ مذکورہ نظریات نے ایک نئی عورت کو جنم دیا جس سے وہ ہر حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کا ہنر سیکھ گئی۔ ایک عورت سیاسی، سماجی، تعلیمی یا جدید سے جدید علوم و فنون کا صحیح علم حاصل کر کے نہ صرف اپنی کفالت کرنے بلکہ ساتھ ساتھ وہ مردوں کی طرح نجی ذمہ داریوں کو بھی پورا کرنے کی صلاحیت خود میں پیدا کر سکتی ہیں۔ نیز اپنے والدین اور بچوں کی بھی معاون ثابت ہو سکتی ہے۔ مذکورہ نظریات سے ہی عورت کبھی حاشیہ بردار نہیں ہوتی۔ اس فکریہ تحریک کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ خواتین اپنی صنف کو نہ دیکھیں وہ صرف فرد کے لحاظ سے ہر امور میں شامل ہوں:

- خواتین سیاسی امور میں ووٹ ڈالنے کے ساتھ اپنے لیے بھی ووٹ حاصل کرنے والی بنیں

- خواتین سماج میں خود کو دوسرا درجہ رکھنے والی نہ سمجھیں بلکہ اپنے لیے مساوی حقوق حاصل کرنے کے لیے جدت پسند ہو جائیں۔
- خواتین معیشت میں کمزور ہونے کے بجائے اپنی صلاحیتوں سے ذرائع معاش پیدا کریں۔
- خواتین اتنا علم حاصل کرلیں کہ حاشیہ بردار ہونے یا اخراجات کی شکار ہونے سے قبل خود شناس ہو جائیں اور جدید علوم و فنون سے اپنے آپ کو جوڑیں۔

قدرت نے ہر امر میں عورت کو مرد کے برابر شریک رکھا ہے۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ مرد ماتحت سماج نے صرف طبعی فرق کا فائدہ اُٹھا کر ہمیشہ خواتین کا استحصال کیا ہے۔ اسی لیے ان مفکرین نے خواتین کی آگہی کو اولین ترجیح دی۔

ان مفکرین کا بنیادی نظریہ خواتین کی نمائندگی کرنا تھا۔ خاص طور پر وہ خواتین جو کسی نہ کسی طرح سے کام سے جڑی ہوئی ہوں۔ اس کے بعد ان مفکرین نے متعدد تجربات کیے تاکہ یہ خواتین طاقت کا صحیح استعمال کریں اور یہ صنفِ نازک کہلانے والی اپنے طور پر فیصلہ خود کر سکیں۔ تاکہ ذات پات یا اونچ نیچ پیدا نہ ہو سکے۔ یہی افکار اس مقالہ کا اصل مقصد ہے اور انہیں تحریکات کے لحاظ سے اس تحقیق میں شامل کیا گیا ہے۔

1.9 تحقیق کی ضرورت واہمیت (Need and significance the Study)

دور حاضر میں کشمیر بہت سارے گوناگوں مسائل سے دوچار ہے جن پر قلم اٹھانا بہت ضروری ہے۔ جیسے سیاسی انتشار، عسکریت پسندوں اور فوجی اہلکاروں کی موجودگی سے خواتین کی زندگی پر پڑ رہے برے اثرات،

گمشدہ افراد سے ان کے اہل خانہ پر پڑ رہے منفی اثرات، اور شوہروں کے غائب ہو جانے سے خواتین کی زندگی میں رونما ہو رہے نئے مسائل وغیرہ۔ اگرچہ ان میں کئی مسائل پر تحقیق کی گئی ہے اور حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کی گئی ہے مگر نیم بیواؤں کا مسئلہ ایسا مسئلہ ہے جس پر آج تک کوئی باضابطہ تحقیقی کام نہیں ہوا ہے۔ لہٰذا ان نیم بیواؤں کے مسائل منظر عام پر لانے اور ساتھ ساتھ ریاستی حکومت کو ان مسائل کی طرف متوجہ کرنے کی غرض سے محقق نے مذکورہ موضوع کا انتخاب کیا ہے تاکہ سماج کی نصف بہتر کو کھوکھلا ہونے سے بچایا جاسکے۔ اس لئے محقق نے ضروری سمجھا کہ ان اہم اور حساس مسائل پر قلم اٹھایا جائے تاکہ سماج میں بڑھتے مظالم اور تشدد کی للکاروں سے سالوں سے بنی مظلوم و محکوم ان نیم بیوہ خواتین کی دبی آواز کو ان کی طاقت بنایا جائے اور انہیں اس طرح عوام اور حکومت تک پہنچایا جائے جس سے ان کو اس بات کا احساس ہو جائے کہ یہ مظلوم خواتین بھی اپنی زندگی جینے کا حق رکھتی ہیں۔ لہٰذا راقم الحروف نے وقت کے تقاضے کو مدنظر رکھ کر اس موضوع کا اانتخاب کیا ہے۔ اس تحقیق میں محقق کا صرف اور صرف یہی مقصد ہے کہ ان لاچار و بے بس خواتین کو درپیش مسائل کی طرف حکومت اور دیگر سرکاری و غیر سرکاری تنظیموں کو راغب کیا جاسکے تاکہ ان خواتین کی فلاح و بہبودی کے لیے ٹھوس اقدامات عمل میں لائے جاسکیں۔

1.10 مسئلہ کا بیان (Statement of the Problem)

سیاسی عدم استحکام کی وجہ سے کشمیری لوگ خاص طور پر یہاں کی خواتین بہت سارے مسائل جیسے ذہنی، سماجی، معاشی مسائل میں مبتلا ہیں جس کی وجہ سے وہ ترقی کی بلندیوں کو چھو نہیں پاتی ہیں۔ آج کے اس ترقی یافتہ دور (Globalization) میں اگرچہ یہ خواتین تعلیمی، معاشی اور سماجی سطح پر آگے آئی ہیں لیکن یہاں تنازعہ سے

متاثرہ نیم بیوہ خواتین آج بھی غربت، ذہنی پریشانی و استحصال، معاشی زبوں حالی جیسے مسائل کی شکار ہیں اور اس کی وجہ سے ان کے بچوں کی زندگی پر خاص طور سے ان کی تعلیم پر بہت برا اثر پڑ رہا ہے۔ نیم بیوہ خواتین ظلم و جبر، تشدد بھرے ماحول میں اپنی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

"A study done by Medicines Sans Frontiers in mid 2005 reveals that Kashmiri women are among the worst sufferers of sexual violence in the world. Interestingly, the figure is much higher than that of Sierra Leone, Sri Lanka and Chechnya.

The Geneva Convention related to The Protection of Civilian Persons In Times Of War, 1949 and Additional Protocols of 1977 provide that women shall especially be protected against humiliating and degrading treatment; rape, enforced prostitution or any form of indecent assault.(UN Fourth World Conference on Women; Beijing-China; Strategic Objective 144(C)"

نیم بیواؤں کے ساتھ ہر معاملے میں غیر مساویانہ سلوک روا رکھا گیا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ یہاں ان خواتین کو بہت سارے حقوق سے بھی محروم رکھا گیا ہے۔ ان حالات میں یہ بیوائیں کس طرح زمانے کے نشیب و فراز کا سامنا کرتی ہیں، ان کے سدباب کی کیا صورت ہو سکتی ہے اپنے حقوق کی بحالی میں یہ کس حد تک کامیاب ہیں۔ کن کن مسائل سے یہ دوچار ہیں۔ اس صورتحال کی واضح تصویر کشی کے لئے "وادی کشمیر کی نیم بیوہ خواتین: انسانی حقوق کے تناظر میں ایک مطالعہ" کے موضوع کا انتخاب کیا گیا۔

1.11 مطالعہ کے مقاصد (Objectives of the Study)

1. وادی کشمیر میں سیاسی عدم استحکام، فوجی دستوں اور عسکریت پسندوں کی موجودگی کے باعث خواتین کے درپیش مسائل کا جائزہ لینا۔
2. فوجی دستوں اور عسکریت پسندوں کی موجودگی میں مرد حضرات کے لاپتہ ہو جانے کے اسباب کا پتہ لگانا۔
3. مرد حضرات کے لاپتہ ہو جانے کے بعد نیم بیوہ خواتین کو درپیش نفسیاتی، معاشی و دیگر مسائل کا جائزہ لینا۔

1.12 مطالعہ کے مفروضات (Hypothesis of the Study)

کسی بھی تحقیق کے لیے مفروضات کو موضوع کے مطابق لازمی سمجھا جاتا ہے۔ محقق کے لیے مواد کو اکٹھا کرنے کے لئے موضوع کے مطابق مفروضے اخذ کرنا ایک جامع تحقیق کے لیے بے حد مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ اخذ کئے گئے مفروضے کے عین مطابق مواد کی حصولیابی ہو۔ تحقیق کے بعد بعض اوقات کچھ مفروضے رد بھی کئے جاتے ہیں۔ سماجی تحقیق میں بھی ایک محقق کو اپنی تحقیق کے لئے سب سے پہلے مفروضے اخذ کرنے ہوتے ہیں۔

مطالعہ کا محور اکثر مفروضات کے گرد ہی گھومتا ہے۔ مسئلہ کے تئیں نظر جمع کیے گئے ثانوی مواد کے ذریعہ مفروضے اخذ کئے جاتے ہیں۔ جس کی بدولت مسائل کے وجوہات کی گہرائی سے جانچ کی جاسکتی ہے۔ سماجی تحقیق کا دراصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ حقیقت کا پتہ لگایا جاسکے جس کے لئے مفروضوں کی مدد درکار ہوتی ہے۔ مفروضے مطالعہ کے لئے درمیانی حیثیت کا تعین کرتے ہیں اور بغیر مفروضے کے تحقیق میں کسی بھی حقیقت کا پتہ لگانا مشکل ہوتا ہے۔

اس مقالہ کے موضوع "کشمیر کی نیم بیوہ خواتین - انسانی حقوق کے تناظر میں ایک مطالعہ " کے سماجی، نفسیاتی اور معاشی مسائل: " کے مطالعہ کے لئے مندرجہ ذیل مفروضے تحقیق کے لئے اخذ کئے گئے۔ تاکہ سچائی کی گہرائی سے جانچ کی جائے اور حقیقت کا پتہ لگایا جاسکے۔

1. وادی کشمیر میں سیاسی عدم استحکام کی وجہ سے فوجی دستوں اور عسکریت پسندوں کی موجودگی خواتین کے لئے ایک بہت بڑا مسئلہ ثابت ہو رہا ہے۔
2. اکثر و بیشتر یہاں کے مرد حضرات لاپتہ ہو جاتے ہیں جس کا براہِ راست اثر خواتین کے سماجی موقف پر پڑ رہا ہے۔
3. نیم بیوہ جیسا تصور عام ہو تا جا رہا ہے اور ایسی خواتین کئی مسائل کا سامنا کر رہی ہیں جس میں نفسیاتی معاشی اور دوسرے طبعی مسائل بھی شامل ہیں۔

1.13 تحقیقی طریقہ کار (Research Methodology)

یہ تحقیق عملی مطالعہ (Empirical studies) پر مبنی ہے۔ جس کے لیے مواد کو بنیادی اور ثانوی ذرائع سے جمع کیا گیا۔ بنیادی مواد کے حصول کے لیے فیلڈ اسٹڈی اور شیڈول (جو کھلے سوالات اور بند سوالات پر مشتمل ہے) سے استفادہ کیا گیا۔ جب کہ ثانوی مواد مختلف کتب خانوں، تحقیقی مطالعات، رپورٹس اور حکومت کے اعداد و شمار سے حاصل کیا گیا۔ اس کے علاوہ غیر سرکاری فلاحی اداروں اور پولیس رپورٹ میں موجود ریکارڈ سے بھی استفادہ کیا گیا۔

مطالعہ کا وقوع: وادی کشمیر

چونکہ موضوع کشمیری نیم بیواؤں سے متعلق ہے لہٰذا تحقیق کا دائرہ کار پوری وداى کشمیر پر مشتمل ہے۔ یہ تحقیق وادی کشمیر کے دس اضلاع 1 اننت ناگ، 2بارہمولہ، 3بڈگام، 4باندی پورہ، 5 گاندربل، 6کپوراہ، 7کولگام، 8پلوامہ، 9شوپیان، اور10 سرینگر پر مشتمل ہے۔ ریاست جموں وکشمیر تین خطوں پر مشتمل ہے جموں، وادی کشمیر اور لداخ۔ جہاں تک نیم بیواؤں کا سوال ہے یہ لداخ اور جموں خطے کے مقابلے میں زیادہ تر وادی کشمیر میں پائی جاتی ہیں۔ اس لئے محقق نے اس مطالعہ کے لئے کشمیر خطے کا انتخاب کیا ہے۔

نمونہ بندی اور نمونہ کی جسامت (Sample and Sampling Size)

نمونے کے طور پر وادی کشمیر کے10 اضلاع میں سے 300جواب دہندگان کا انتخاب کیا گیا ہر ضلع میں سے30 جواب دہندگان کو غیر امکانی نمونہ بندی (non probability sampling) کے طریقے یعنی Snowball sampling technique کی مدد سے منتخب کیا گیا۔ مواد کے حصول کے لئے انٹرویو، شیڈول، اور مطالعہ احوال کی مدد لی گئی۔

شماریاتی تکنیک (Statistical Techniques)

حاصل شدہ معطیات کا تجزیہ مختلف خصوصیات واجزاء کی بنیاد پر کیا گیا جس میں نمونوں کے اکائیوں کی بہتر تشریح کے لئےBivariate Analysisاور Leaner Table کی مدد لی گئی۔ معطیات کے تجزیہ کے لئے شماریاتی تکنیک کے طور پر فیصد، اوسط، جدول اور گراف کا استعمال کیا گیا۔

References:

Ahmad, S. (2012). The Half Widows. Power Publication. Kolkata.

Aguilera, D.C. (1998). Crisis Intervention: Theory and Methodology. Mosby Publishers.

Ardener,E (1975). "Belief and the problems of women". In Ardener, Shirley. Perceiving Women. London: Malaby Press.

Banerjee, D. Ed. (2000). South Asia at Gun Point-Small Arms and Light Weapons Proliferation. Colombo, Regional Centre for Strategic Studies.

Bhattacharjea, A. (1994). The Wounded Valley.South Asian Books.

Birdwood, L. (1956).Two Nations and Kashmir. Robert Hall Limited London.

Bose, S. (1997). The Challenges in Kashmir, Democracy, Self Determination and a Just Peace. Sage Publications Pvt. Ltd.

Botting, E. H. (2016). Wollstonecraft, Mill, & Women's Human Rights. Yale University Press. London

Bowers, P. (2004). Kashmir, International affairs and Defence. House of Commons Research Paper.

Boyden, J. B., Feeny, J. T. & Hart, J. (2002). Children affected by armed Conflict.

Butalia, U. (2002). Speaking Peace: Women's Voices from Kashmir. London, Zed Books.

Edward, E. A. (1991). The Analysis and Management of Protracted Conflict.

Fetharstone, A.B. (2000). From Conflict Resolution to Transformative Peace building-Reflection from Croatia. Peace Studies Working Paper 4, University of Bradford.

Gurr, T. R. (1970). Why Men Rebel. New Jercy.

Jeffrey, Z., Rubbin, D. G. (1994). Social Conflict Escalation, Statement and Settlement. McGraw-Hill, Inc.

Jha, S. P. (2003). Kashmir 1947: The Origins OF a Dispute. Oxford University Press, New Delhi.

Kak, B.L. (1997). Fall of Gilgit: The Untold Study of Indo-Pak affairs from Jinnah to Bhutto, 1947 to July 1997. Light and Life, New Delhi.

Kapoor, A. C. (2000). Concepts of Political Science. Malhotra Publications, New Delhi, PP. 103-105.

Kaur, M. (2012). Women Second. Affected Community Member First.

Kazi, S. (2009). Between Democracy and Nation: Gender and Militarization in Kashmir. Women Unlimited (an Association of Kali for Women), New Delhi.

Kegley, W. Charles and Wittkof, R. Eugene, (2004). World Politics Trends and Transformation. Thomson Learning, USA

Kramarae, C .(2008). Muted Group Theory. In E.griffin, a first look at communication theory (pp.454-465). New York, NY: Frank Mortimer.

Khanna, V. N. (2001). Concept of Political Science. Manas publication, pp. 45-48.

Korbel, J. (1966). Danger in Kashmir. Princeton University Press, New Jersey.

Manchanda, R. (2001). Women, War and Peace in South Asia. Beyond Victimhood to Agency. Sage Publications, New Delhi.

Nirnal, C. J. (1999). Human Rights in India- Historical, Social and Political Perspective. Oxford University Press, New Delhi, pp. 41-43.

Puri, B. (1981). Triumph and Tagedy of Indian Federalization. Sterling, New Delhi.

Puri, B. (1993). Kashmir towards Insurgency. Oriented Longman Limited, New Delhi.

Qasim, S. M. (1992). My Life and Times .Allied Publishers, New Delhi.

Qayoom, F. (2014). Women and Armed Conflict: Widows in Kashmir. International Journal of Sociology and Anthropology.

Rao, B. D. (2004). United Nations Decade for Human RIGHTS Educations. Discovery Publication House New Delhi, P. 9.

Ratner, S. R. & Abrams, J. S. (2001). Accountability for Human Rights Atrocities in International Law. Beyond the Nuremberg Legacy, Oxford, Oxford University.

Saksena, A. & Singh, I. (2007). Human Rights in India and Pakistan. Deep and Deep Publication, New Delhi, pp 37-41.

Schnabal, A. & Tabyshalieva, A. (2012). Defying Victimhood: Women and Post Conflict Peace Building. United Nations University Press.

Schofield, V. (2004). Kashmir in Conflict: India Pakistan and the Unending War. Viva Books Private Limited, New Delhi.

Schnabel, A., and Tabyshalieva, A. (2012). Defying Victimhood: Women and Post-Conflict Peace Building. Unted Nations Unversity Press. New York.
Shamsi, N. (2003). Human Rights in New Delhi Millennium. Anmol Publications Pvt. Ltd, New Delhi, p 82.

Sehgal, J. L. (1991). Conflict Management. Printwell, Jaipur.

Singh, T. (1995). Kashmir: A Tragedy of Errors. Viking Publishers, New Delhi.

Siraj, Majid, A. (1997). Kashmir Desolation or Peace. Minerva Press, London.

Verma, P. S. (1994). Jammu and Kashmir at the Political Crossroad. Vikas Publishing House, New Delhi.

Wallesteen, P (2015).Understanding Conflict Resolution.Sage Publication Ltd.

Wallensteen, P. & Sollenberg M. (n.d.). Armed Conflict 1989-2000. *Journal Peace Research.*

Weber, T. (1991). Conflict resolution and Gandhian Ethics. *The Gandhian Peace Foundation,* New Delhi.

Young, I.M. (2011). Justice and the Politics of Difference. Princeton University Press.

Reports and Internet sources:

Association of Parents of Disappeared Persons Report (APDP), 2011.
Half Widow, Half Wife: Responding to Gender Violence in Kashmir.
Association of Parents of Disappeared Persons Report (APDP), 2011. Seeks Probe into 1417 Disappeared. Kashmir Observer.

Human Rights Crisis in Kashmir- A pattern of Impunity. (Boston: Asia Watch, MA02116, March 1993), pp. 1-2

Ibid. pp.5-6

Ibid. P.9.

From the US Department of States, Indian Country Report on Human Rights Practices for 1998 and Akhila Raman- India's Human Rights Record in Jammu and Kashmir.

Amnesty International, A Report, 1995.

Amnesty International, A Report, 1995.

http:/en.wikipedia.org

Baseline Report. (1986). Women in Armed Conflict Situations in India.North East Network.(NEN). Advanced United Version, Reported by Roshmi Goswami.Guwahati.

Greater Kashmir, State Human Rights Commission-A Report, 14 December 1999, P.10.

https://www.un.org/ documents/ga/res/39/a39r046.html accessed on 05/09/17. 11:23pm.

https://www.greaterkashmir.com/news/opinion/kashmir-conflict-a-gender-perspective/241587..html accessed on 16/10/17. 05:03am.

https://www.ipsnews.net/2015/07/violence-against –women-alive-and-kiking-in-Kashmir/ accessed on 16/10/17. 07:031am.

http://www.blackwellreference.com/public/tocnode?=g9781405124331_chunk_g9781 40512433113_ss1-21 accessed on 18-09-2017 at 10:37 pm.

(https://www.vocabulary.com. Accessed on 06/08/17. 11:54 pm)

(https://www.un.org/ documents/ga/res/39/a39r046.htm accessed on 05/09/17. 11:23pm)

https://www.google.co.in/search?q=pisc+violence+against+kashmiri+women&source =lnms&tbm=isch&sa=X&ved=0ahUKEwj3ivH58JLXAhXELo8KHQgSDAIQ_AUI CigB&biw=1073&bih=508&dpr=1.25. Accessed on 07/06/17

https://cryptome.org/info/kashmir-protest/kashmir-protest.htm

http://pakchinanews.pk/pakistan-briefed-china-on-the-ongoing-situation-in-kashmir/

http://www.hindustantimes.com/india-news/major-involved-in-kashmir-jeep-row-awarded-army-chief-s-commendation-card/story-iYbtHFUy3GZhZIRP26j4UN.html

THT (Hindustan Times) 1952, 25 July.

1. آمنہ تحسین. (2008) مطالعات نسواں۔ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤز، نئی دہلی۔

بابِ دوم

متعلقہ مواد کا جائزہ

تلخیص

اس باب میں متعلقہ مواد کا جائزہ لیا گیا۔ متعلقہ مواد کی اہمیت و افادیت پر روشنی ڈالی گئی۔ جس میں نیم بیواؤں کو بلاواسطہ طور پر درپیش مسائل کا تجزیہ، جموں و کشمیر میں انسانی حقوق کی پامالیاں، اکیلی ماؤں کو درپیش مسائل، عسکریت اور خواتین پر اس کے اثرات اور جبری گمشدگیوں پر مبنی مطالعہ کو زیر بحث لایا گیا۔ اس کے لئے مختلف کتب خانوں، رسائل، جرائد اخبارات، سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کی طرف سے شائع کردہ رپورٹ کی مدد لی گئی۔

بابِ دوم

متعلقہ مواد کا جائزہ (Review of related Literature)

مواد کے جائزے کا مقصد کشمیر میں موجود تنازعے کے تئیں ہو رہی سر گرمیوں کا دور حاضر کے حوالے سے معلومات فراہم کرنا ہے۔ یہ معلومات اس تحقیقی کام پر مختلف جہات سے روشنی ڈالنے میں ہمارے لئے معاون ثابت ہو گی۔ محقق کا کام ہی ہوتا ہے کہ وہ مختلف ماخذ سے معلومات حاصل کرے، اور اس میں سے خالص اور صحیح معلومات کا خلاصہ کرے تا کہ غلط فہمیوں کا ازالہ ہو سکے اور ممکنہ حد تک صحیح نتائج حاصل کئے جا سکیں۔ موجودہ تحقیقی کام میں ہم نے مختلف طریقہ ہائے کار استعمال کر کے قابل اعتماد مواد فراہم کرنے کی کوشش کی ہے تا کہ متنازعہ علاقہ جات میں جکڑی خواتین کے مسائل کا کلی طور پر تجزیہ کیا جا سکے۔ تحقیقی کام کے دوران اس بات کی بھی کوشش کی گئی ہے کہ ان مسائل کا حل دریافت کیا جا سکے تا کہ سسکتی ہوئی آدھی آبادی کی مدد کی جا سکے۔ گذشتہ دور میں ہوئے تحقیقی کام کا بھی جائزہ لیا گیا ہے تا کہ موجودہ کام کے لئے وسیع تر ترجیہات کا تعین کیا جا سکے اور ساتھ میں موجودہ تحقیق کی انفرادیت کو قائم رکھا جا سکے۔

2.1۔ نیم بیواؤں کو بلاواسطہ طور پر درپیش مسائل کا تجزیہ:

International justice for Transitional justice (2015) کی ایک رپورٹ جس میں لبنان کے جنگ (90-1975) کے دوران ہوئی گمشدگیوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس رپورٹ میں گمشدہ افراد کے لواحقین خاص کر ان کی بیواؤں کا نفسیاتی، معاشی اور قانونی طور پر جائزہ لیا گیا ہے۔ اس رپورٹ میں ایک

نمائندہ sample کو تحقیق کے لئے منتخب کیا گیا ہے، اور لواحقین کے مشترکہ مسائل کی تشخیص کی گئی ہے تاکہ سرکار ان مسائل کا خاطر خواہ حل پیش کر سکے۔ تحقیق کے دوران یہ بات سامنے آئی کہ جن خواتین کے شوہر گمشدہ ہو گئے ان خواتین کی زندگیوں میں ایک انقلاب برپا ہو گیا۔ جو خواتین شوہروں کی حفظ امان میں رہتی تھیں ان کو اچانک اپنے بچوں کی سرپرستی کی بڑی ذمہ داریاں اٹھانی پڑیں۔ تقریباً تمام جواب دہندگان جو کہ گمشدہ افراد کی خواتین ہیں نے اس بات کا اظہار کیا کہ کس طرح انھیں اپنے بچوں کے لئے ماں اور باپ دونوں کے فرائض انجام دینے پڑ رہے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق متاثرین نے انصاف اور سچائی کے لئے بین الاقوامی برادری اور سیاسی مدد کی ضرورت کی نشاندہی کی ہے تاکہ سچائی کا پتہ لگایا جاسکے۔ اس مطالعے کے لئے منتخب خواتین نے کئی سفارشات کی پیش کش کی ہے جن کی مدد سے گمشدہ افراد کا پتہ لگایا جاسکے۔ ان خواتین نے اقلیتی کمیٹی، سرکار اور دیگر اسٹیک ہولڈرز کو بھی کچھ سفارشات پیش کی ہیں۔

Shahnaz Bashir (2014) اپنے ناول "The Half Mother" میں کشمیر کے نامساعد حالات کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں 'نامساعد حالات کی وجہ سے یہاں ہزاروں کی تعداد میں لوگ غائب کر دئے گئے۔ جن کا آج تک کوئی اتہ پتہ نہیں ہے۔ اور جس ماں کے لخت جگر کو غائب کر دیا گیا ہو وہ سخت اُلجھن میں گرفتار ہوتی ہے اور ہر لمحہ اِس آس میں بیٹھی رہتی ہے کہ اس کا بیٹا ایک دن ضرور لوٹ آئے گا۔ اس کی اُجڑی ویران دنیا کو پھر سے آباد کرے گا۔ اس انتظار میں یہ بے سہارا ماں روز جیتی اور مرتی ہے۔ اس بے سہارا اور نڈھال ماں نے اپنے بیٹے کے انتظار میں روتے روتے آنکھوں کی روشنی تک کھو دی ہے۔ شہناز بشیر مزید لکھتی

ہیں کہ اس مجبور اور بے سہارا ماں نے اپنے بیٹے کی تلاش میں گاؤں گاؤں، قریہ قریہ، نکڑ نکڑ چھان مارا ہے لیکن آج پھر بھی اسے اپنے کھوئے ہوئے بیٹے کے بارے میں کوئی اتہ پتہ نہیں چلا۔ یہ اپنے بیٹے کی تلاش میں در در کی ٹھوکریں کھا رہی ہیں۔ جسمانی قوت نے اب اس کا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ لیکن اپنے بیٹے کی محبت میں حوصلہ پا کر تاریک راہوں میں بھی یہ ماں سر گرداں عمل ہے اس کی زندگی کا مقصد تو یہی ہے کہ وہ بیٹے کی تلاش میں خود کو وقف کرے۔

ناول نگار نے اپنی کتاب میں کشمیریوں کے دکھ درد کو بیان کیا ہے۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ یہاں کی خواتین پر ظلم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں۔ کشمیری لوگ اپنی زندگیاں جنگ میں گزار رہے ہیں۔ ایسے میں انھیں طرح طرح کے مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ علاوہ ازیں ناول میں کشمیر کو ایک متنازع خطہ قرار دیا گیا ہے اور اس بات کی بھی ذکر کی گئی کہ اس خطہ پر ہندوستان کا ناجائز قبضہ ہے جس کی وجہ سے فوج یہاں کے لوگوں کو یا تو غائب کر دیتی ہیں یا پھر انہیں بڑی بے دردی کے ساتھ قتل کر دیتی ہے۔ ناول نگار مزید کہتی ہیں کہ کشمیر میں انسانی حقوق کی بڑے پیمانے پر پامالی ہوتی ہے المیہ تو یہ ہے کہ اس کے باوجود یہاں مجرموں اور قصورواروں کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی جاتی ہے۔

Simon Robin (2013) نے اپنی تحقیق میں شراکتی اور Ethnographic تحقیقی طریقہ کار کو بروئے کار لا کر نیم بیوہ خواتین کے مسائل کا تجزیہ کیا ہے۔ یہ تحقیق متاثرہ خواتین کو مرحلہ وار باز آباد کار کرنے کا طریقہ متعین کرنے میں مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔ یہ تحقیق متاثرہ افراد کو حقوق دلانے کی ایک کوشش ہے۔ محقق نے اس بات پر زور دیا ہے کہ متاثرہ خواتین کم علمی کی وجہ سے اپنے حقوق حاصل کرنے

میں شہری اور دیہی خواتین حقوق کی وصولیابی کے معاملے میں دو مختلف زاویے اختیار کرتی ہیں کیونکہ شہری خواتین دیہی خواتین کے برعکس سیاسی طور پر زیادہ آگاہ ہوتی ہیں۔ ایسا دیکھنے میں آیا ہے کہ ان نیم بیواؤں کے عزیز و اقارب اس بات کے قائل ہوتے ہیں کہ ان کے شوہر مر چکے ہیں لیکن صرف ایک تہائی خواتین ہی ان سے اتفاق رکھتیں ہیں۔ سمن رابنز کی تحقیق کے مطابق 26 میں سے صرف 6 خواتین ہی اپنے شوہر کے مرنے پر یقین رکھتی ہیں۔ باقی خواتین اس امید کے سہارے کئی سال گذرنے کے باوجود اپنے شوہر کے لوٹ آنے کا انتظار کرتی ہیں۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ ان کے یقین میں کمی ہوتی ہے۔ تحقیق کے مطابق نیم بیوہ خواتین کی اکثریت ذہنی دباؤ، نیند کا نہ آنا، تناؤ اور درد و کرب میں مبتلا رہتی ہیں۔ اس کے علاوہ 12٪ خواتین نے جسمانی تکلیف کی بھی شکایت کی ہے جس کا ذمہ دار وہ ذہنی تناؤ کو ٹھہراتی ہے۔ اس تحقیق نے ایسی خواتین کی سماجی زندگی پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ تحقیق میں دیکھا گیا ہے کہ خاندان میں ایسی خواتین کی قدر و منزلت گھٹ جاتی ہے کیونکہ ان خواتین کی سماجی شناخت مبہم ہو چکی ہوتی ہے۔ مجموعی طور پر ان خواتین کا سب سے بڑا مسئلہ چارہ جوئی کو فوقیت حاصل ہے۔

Mallika Kaur (2012) نے اپنے مقالے "Women second, Affected Community Member first" میں اس بات پر زور دیا ہے کہ مردوں پر بالواسطہ تشدد سے خواتین بلاواسطہ طور سے اثر انداز ہو رہی ہیں۔ اس مقالے میں مصنف نے کشمیر میں جبری گمشدگیوں کے علاوہ پنجاب میں کسانوں کی خودکشی کے معاملے کو بھی اجاگر کیا ہے۔ مصنف کا کہنا ہے کہ دونوں معاملات میں مرد حضرات کو مسلح افواج

کی جانب سے امن و امان کے لئے خطرہ تصور کیا جاتا ہے اور پنجاب میں کسان مرد اپنے اہل و عیال کی توقعات پر پورے نہیں اترتے یہ کسان اپنے اہل و عیال کو بہتر زندگی نہیں دے پا رہے ہیں اس لئے وہ خودکشی کی طرف مائل ہیں۔ مصنف کے مطابق دونوں معاملات میں خواتین بھی اثر انداز ہو رہی ہیں۔ دونوں معاملات میں بھارتی ریاست عدم واقفیت کا اظہار کرتی ہے۔ مصنف نے گمشدگیوں اور خودکشی کے ان معاملات کے حوالے سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ایسے معاملات میں متاثرہ خواتین سماجی، سیاسی، معاشی اور طبعی طور پر پست ہو جاتی ہیں۔

Afsana Rashid(2011) نے اپنی کتاب "Widows and Half Widows: Saga of Extra Judicial Arrests and Killings in Kashmir" میں فوجی دراندازی اور کشمیر کی بگڑتی ہوئی صورتحال کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس غیر یقینی صورتحال کی وجہ سے کشمیری لوگ بہت سے مسائل کا شکار ہو رہے ہیں۔ نفسیاتی طور پر اس صورتحال نے عوام پہ گہرے اثرات ڈالے ہیں۔ جس کی وجہ سے لوگوں کی ایک کثیر تعداد دماغی امراض میں مبتلا ہو چکی ہیں۔ بیواؤں اور نیم بیواؤں کے مسائل میں اضافہ ہوا ہے۔ لیکن اس تمام صورتحال سے نیم بیواؤں کا مسئلہ ایک بڑا مسئلہ ابھر کر سامنے آیا ہے۔ نیم بیواؤں سے مراد وہ خواتین ہیں جن کے شوہر گمشدہ ہو گئے ہیں۔ ایسی خواتین ایک غیر یقینی صورتحال کا سامنا کر رہیں ہیں، کیونکہ ان کے شوہروں کی گمشدگی نے ان کی شناخت کو مبہم بنا دیا ہے اور ایسی خواتین کو نہ ہی بیوہ اور نہ ہی شادی شدہ کہا جا سکتا ہے۔ یہ خواتین اپنی زندگی کے شب و روز اس تگ و دو میں صرف کر رہیں ہیں کہ ان کے گمشدہ

شوہروں کا کوئی سراغ مل سکے۔ مذکورہ کتاب میں ایسی بہت سی خواتین کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ ان کے درپیش مسائل کو بھی واضح کیا گیا ہے۔

کشمیر میں عسکری کاروایئاں 1989 سے شروع ہوئیں۔ 1989 کے دھاندلیوں سے بھرے الیکشن کے نتائج کے بعد ہی عسکریت پسندی کی شروعات ہوئی تھی۔ چونکہ الیکشن کے نتائج نے لوگوں کے جذبات کو کافی حد تک مجروح کیا تھا اس لئے عوام کے جذبات بالخصوص علحیدٰگی پسندوں سے وابستہ ہو گئے۔ بھارتی فوجی اہلکاروں کی جارحیت کے نتیجے میں عام شہریوں کی ایک تعداد موت کے گھاٹ اتار دی گئی۔ اس غیر یقینی صورتحال میں اموات کے ساتھ ساتھ گمشدگیوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔ گمشدہ افراد کے لواحقین نے ایک تنظیم APDP کے نام سے شروع کی تاکہ گمشدہ افراد کا پتہ لگایا جاسکے۔ ان گمشدگیوں میں ملوث ادارے اور ایجنسیاں اس حوالے سے لاعلمی کا اظہار کرتی ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ایسے واقعات سرے سے نمودار ہی نہیں ہوئے۔ آرمی اور مقامی پولیس FIR درج کرنے میں رکاوٹیں کھڑی کر دیتے ہیں۔ لواحقین کو اس حوالے سے کوئی بھی اقدامات اٹھانے سے روکا جاتا ہے، ان کو ڈرایا اور دھمکایا جاتا ہے کہ وہ کیس واپس لے لیں۔ مزید براں مذہبی رہنماؤں کے متضاد فتاویٰ کوئی حل پیش کرنے سے قاصر ہیں جیسے جیسے ان خواتین کی غیر یقینی صورتحال میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ یہ خواتین دوبارہ شادی بھی نہیں کر سکتیں کیونکہ سماجی رویات ایسا کرنے میں رکاوٹ بن رہی ہیں۔ جس کے باعث یہ خواتین ذہنی دباؤ اور دماغی امراض میں

مبتلا ہو گئی ہیں۔ یہاں تک کہ کچھ خواتین نے خود کشی بھی کر لی ہیں۔ ریاستی قانون، سرکار اور سماج نے ان خواتین کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ ان خواتین کے بچے اسکول نہیں جا پاتے ہیں۔

APDP(2011) کے رپورٹ"Half Widow, Half Wife"میں مسئلہ کشمیر کے حوالے سے کشمیری خواتین کے مسائل کو اجاگر کیا گیا ہے۔ یہ رپورٹ متاثرہ بیواؤں، نیم بیواؤں، غیر شادی شدہ خواتین جو تشدد کا شکار ہو چکیں ہیں کے ساتھ ملاقاتوں کے نتیجے میں تدوین کیا گیا ہے۔ رپورٹ نے کشمیری خواتین پر ہو رہے جنسی تشدد، سماجی ممنوعات اور سماجی محاذات کے پیش نظر ہو رہے ظلم و زیادتیوں پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ رپورٹ کے مطابق مروجہ رواجوں کے پیش نظر جسمانی اور جنسی تشدد کے واقعات کا اندراج نہیں کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے انہیں طبی امداد بھی نہیں پہنچ پاتی ہے۔ جہاں تک نیم بیواؤں کا تعلق ہے جو معاشی، سماجی اور جذباتی طور پر غیر محفوظ ہیں رپورٹ میں ان کے مسائل کی بھی نشاندہی کی ہے۔ نیم بیواؤں کے معاملے میں قانونی چارہ جوئی سے کوئی متاثر کن نتائج سامنے نہیں آئے کیونکہ قانونی چارہ گوئی ایک طویل مراحل کا سلسلہ ہے جن کو طے کرنا ایک نیم بیوہ کے لئے بہت ہی دشوار ہے۔ اس رپورٹ نے نیم بیواؤں کی دوسری شادی کے حوالے سے مختلف نظریات کا تجزیہ کیا ہے۔ جہاں تک ان نیم بیواؤں کے بچوں کا تعلق ہے یہ بچے بھی ذہنی تناؤ، اکیلے پن اور دیگر نفسیاتی امراض میں مبتلا پائے گئے ہیں۔ اس رپورٹ نے اس بات پر بھی زور دیا ہے کہ دو دہائیوں پر محیط اس عسکری تحریک کے دوران متاثرین کے تئیں سماج کا رویہ کچھ صحیح

نہیں ہے لیکن متاثرہ خواتین نے ہر محاذ پر ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے یہاں تک کہ امن کی بحالی کی کوششوں میں بھی اپنا بھرپور تعاون پیش کیا ہے۔

Soudiya Qutub (2011) نے اپنے مقالے "Women Victims of Armed conflict A Study of Half widows in Kashmir" جو کہ نیم بیواؤں کے عسکری تحریک کے دوران تجربات پر مشتمل ہے میں مسئلہ کشمیر کے حوالے سے خواتین پر پڑ رہے ہے منفی اثرات کو قلمبند کیا ہے۔ یہ ایک معیاری تحقیق ہے جس میں محققہ نے سرینگر اور رام بن کی 12 نیم بیواؤں کی نجی زندگیوں کا باریک بینی سے جائزہ لیا ہے۔ اس تحقیق کے دوران محققہ نے حالات کی پیچیدگیوں کا گہرائی سے مطالعہ کیا ہے۔ محقق نے متاثرہ خواتین کی معاشرتی، سیاسی، قانونی، نفسیاتی اور ذہنی پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے اور ان خواتین کو درپیش مسائل کا مکمل احاطہ کیا ہے۔ محقق کے مطابق یہ نیم بیوہ خواتین جدوجہد کے لامتناہی سلسلوں سے گذر رہی ہیں۔ ایسی خواتین کو خاندانی وقار برقرار رکھتے ہوئے اپنے گھروں کو منظم کرنا پڑتا ہے۔ بعض اوقات انہیں کم کی تلاش میں بھی خوار ہونا پڑتا ہے۔ محقق نے ان خواتین کے انصاف کے لئے کی جانے والی جدوجہد پر بھی توجہ مرکوز کی ہے۔ یہ جدوجہد ان خواتین کے حقوق کی وصولیابی کے لئے از حد ضروری ہے۔ اس کے علاوہ محقق نے ان خواتین کے روزمرہ درپیش مسائل کو بھی اجاگر کیا ہے جو شوہر کے غائب ہونے کی وجہ سے ان کی روزمرہ زندگی میں ابھر رہے ہیں۔ اس تحقیق سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان خواتین کی روزمرہ کی جدوجہد نے ان کے جنسی کردار میں بھی تبدیلی لائی ہے اور انہیں خاندان کے سربراہ کی حیثیت حاصل ہو گئی

ہے جس کے باعث ان خواتین پر دو وقت کی روٹی کے انتظام کی ذمہ داری بھی عائد ہو جاتی ہے۔ تحقیق کار نے ان خواتین کے حوالے سے سرکاری سرد مہری کا بھی اظہار کیا ہے۔ سرکاری مجرمانہ خاموشی نے ان کے مسائل کو اور بڑھایا ہے۔ چونکہ یہ تحقیق صرف 12 خواتین کی زندگیوں کا احاطہ کرتی ہے اسلئے اس تحقیق کو ایک نمائندہ تحقیق نہیں کہا جاسکتا ہے۔

Shafi Ahmad (2011) نے اپنی ناول "The Half Widow" میں نیم بیواؤں کا ذکر کرتے ہوئے ان کی حالات زار کو بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ یہاں کی خواتین کے ساتھ حد سے زیادہ ظلم ہوا ہے جس کو کسی بھی طور پر فراموش نہیں کیا جاسکتا ہے نامساعد حالات کی شکار سب سے زیادہ خواتین ہوئی ہیں۔ شفیع احمد کنن پوش پورہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ایک ہی وقت میں اس گاؤں کی 53 خواتین کی عزت کو تار تار کیا گیا ہے۔ جو کسی بھی سماج کے لئے ایک بڑے المیہ سے کم نہیں۔ مصنف نے اپنی کتاب میں نیم بیواؤں کے مسائل اجاگر کیا ہیں وہ لکھتے ہیں کہ نیم بیوایئں سخت الجھن میں گرفتار ہیں ان کا لمحہ لمحہ تکلیف میں گزرتا ہے۔ ان کے پاس کوئی سہارا نہیں ہے یہ جائیں تو جائیں کہاں؟ مزید لکھتے ہیں کہ یہ خواتین حکومت کی ہر مراعات سے محروم ہیں اُنہیں سرکار کی طرف سے کوئی امداد نہیں دی گئی ہے۔

Ather Zia (2009) نے اپنے مضمون "Women in search for disappeared in Kashmir" میں مسئلہ کشمیر کا مختصر تاریخی جائزہ لیا ہے۔ اس آرٹیکل میں مصنف نے کشمیر میں مسلح افواج کے خصوصی پاور ایکٹ (APSPA) اور جموں و کشمیر کے متعدد علاقوں میں نافذ ہونے والے انسداد دہشت

گردی کے قوانین کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ قوانین 1990 کے بعد نافذ کئے گئے۔ ان قوانین کے نفاذ نے کشمیر میں انسانی حقوق کی پامالیوں میں اضافہ کیا ہے۔ مصنف کا کہنا ہے کہ افراد کا گمشدہ کرنا سیکورٹی فورسز کی طرف سے تحریک روکنے کے لئے ایک جنگی ہتھیار بن گیا ہے۔ انسانی حقوق کی بحالی کے لئے کام کرنے والے کارکنان بھی خوف اور خطرے کے تحت کام کرتے ہیں۔ بعض اوقات ان کو جان کا خطرہ بھی لاحق ہوتا ہے۔ مصنف کے مطابق کشمیر میں گمشدہ افراد کی اکثریت غریب خاندانوں کے مرد ہیں جو قانونی چارہ جوئی کرنے کے بھی اہل نہیں ہیں۔ لاپتہ افراد چونکہ خاندانوں کے سربراہ اور نوجوان ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کے لاپتہ ہونے سے ان کے افراد خانہ کو مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مصنف نیم بیواؤں پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اکثر نیم بیوہ خواتین دوسری شادی نہیں کرتیں بلکہ وہ اس امید کے سہارے اپنی زندگیاں گذار رہیں ہیں کہ ایک نہ ایک دن ان کے شوہر ضرور گھر لوٹ آئیں گے۔ مصنف نے اس بات پر زور دیا ہے کہ کشمیر کی خواتین زیادہ تر ذہنی پریشانیوں میں مبتلا رہتی ہیں۔ طبی ماہرین کا کہنا ہے کہ بیمار خواتین Post-Traumatic Stress Disorder میں اس لئے مبتلا ہوگئی ہیں کیونکہ انہیں اچانک سے مردوں کے حصے کی ذمہ داریاں بھی اٹھانی پڑتی ہیں۔ یہ خواتین نفسیاتی بیماریوں اور جنسی تشدد کا شکار بھی ہوتی ہیں اور چونکہ اکثر ماحول پر تناؤ رہتا ہے اس لئے یہ بدترین ذہنی پریشانیوں میں مبتلا ہو گئی ہیں۔ مصنف نے بعض عوامل کے بارے میں بھی انکشاف کیا جن کی وجہ سے یہ خواتین احتجاج میں فعال طور پر حصہ لینے پر مجبور ہو گئی ہیں۔ آخر میں مصنف نے انسانی حقوق کے لئے کام کرنے والے کچھ کارکنان کا بھی ذکر کیا ہے اور ان کے کام کے دوران درپیش مسائل کا بھی ذکر کیا ہے۔

RavinderKaur (2004) نے اپنے مقالے جس کا عنوان "Half widows of Kashmir" میں اس بات کا اعادہ کیا ہے کہ کشمیر میں نیم بیوہ خواتین کا مسئلہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔ مصنف کے مطابق کچھ ایجنسیاں شک کی بنیاد پر افراد کو گھروں سے گرفتار کر کے نامعلوم مقامات پر لے جاتے ہیں اور ان افراد کے لواحقین کو ذہنی پریشانی میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ ان افراد کی بیویئوں کے لئے اپنے شوہروں کا اچانک غائب ہو جانا بہت سے مسائل کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔ مصنف کے مطابق ان عورتوں کی حالت قدرے بہتر ہے جن کے شوہر مارے جا چکے ہیں لیکن نیم بیواؤں کی حالت بہت خراب ہے کیونکہ یہ خواتین اپنے شوہروں کے انتظار میں اپنی زندگی کشمیر سی کی حالت میں گذار رہی ہیں۔ مصنف نے نیم بیواؤں کی بحالی سے متعلق مذہبی علما کی طرف سے پیدا ہونے والی الجھن کے بارے میں تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ مصنف کے مطابق نیم بیوہ خواتین کو بچوں کی پرورش کے معاملے میں بھی بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہیں۔ یہ اضافی ذمہ داریاں ان کے مشکلات میں اضافہ کر رہی ہیں۔ کیونکہ ان خواتین کو روزگار کے وسائل حاصل نہیں وہ کچھ غیر معمولی ملازمتیں کرنے پر مجبور ہیں۔ ان غیر معمولی کاموں سے ان کی مالی ضروریات پوری نہیں ہو پاتیں ۔مذہبی اعتبار سے یہ خواتین سات سال تک دوبارہ شادی نہیں کر سکتیں جو انکی مشکلات میں اضافہ کرتی ہے۔ مصنف کے مطابق اس صورتحال میں جب تک ان خواتین کی متنازعہ شناخت کے حوالے سے کوئی حل نہ پیش کیا جائے تب تک ان خواتین کی صورتحال جوں کی توں رہے گی۔

Bhagat Pamela(1999) نے اپنے مقالے جس کا عنوان "Hopeless Hunt for Missing Relatives in Kashmir" ہے میں نیم بیوہ خواتین کی حالت زار بیان کی ہے۔ مصنف کے مطابق نیم بیوہ خواتین اپنے خاندان اور ریاست کے ہاتھوں متاثر ہو رہی ہیں نیم بیواؤں کے معاملے میں مذہبی عنصر کو پیش کرتے ہوئے مصنف نے مسلم پرسنل لا بورڈ کے حوالے سے اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ نیم بیوہ خواتین سات سال تک اپنے شوہروں کا انتظار کرنے کی پابند ہیں۔ میراث کے حوالے سے بھی کوئی واضح لائحہ عمل مذہبی اداروں کی جانب سے پیش نہیں کیا گیا۔ جب تک ان خواتین کے شوہر نہیں ملتے ان کو میراث میں حصہ ملنے میں دشواریاں پیش آرہی ہیں۔ مصنف کا کہنا ہے کہ ایسے حالات میں یہ خواتین دوسری شادی کا سوچ بھی نہیں سکتیں۔

ShipraShukla نے اپنی تحقیق "Silent victims of Secession Plight of the Kashmiri Half widows" میں کشمیری نیم بیواؤں کی حالت زار پہ خصوصی توجہ مرکوز کی ہے۔ محققہ کے مطابق بھارت میں بہت سے متنازعہ علاقے ہیں لیکن جموں و کشمیر کو تاریخی اعتبار سے کافی اہمیت حاصل ہے۔ محققہ کے مطابق مسئلہ کشمیر پاکستان اور بھارت کا علاقائی تنازعہ ہے۔ یہ مسئلہ 1947 سے چلا آرہا ہے لیکن 1988 میں اس میں عسکریت کا عنصر شامل ہوا اور کشمیر کی آزادی کی تحریک مقبول ہونی شروع ہوئی۔ محققہ کے مطابق آزادی کے نعروں نے کشمیر میں ہلاکتوں کا لامتناہی سلسلہ شروع کیا کشمیر نہ ختم ہونے والے درد و عذاب میں مبتلا ہو گیا، جایئدادوں کی بربادی کا سلسلہ شروع ہوا اور کشمیر کی صورتحال بد سے بدترین ہوتی گئی۔ محققہ نے

نیم بیواؤں کو اس تشدد آمیز صورتحال میں خاموش متاثرین کے طور پر تعبیر کیا ہے۔ محققہ نے اپنے تحقیقی کام کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے پہلا حصہ کشمیر کی علحیدٰگی کے حوالے سے بحث و مباحث اور علحیدٰگی کی صورت میں ہونے والے نقصان پر تبصرہ پر مشتمل ہے۔ محققہ نے دو نظریات Remedial Right only Theory اور Primary Right Theory پر بحث کی ہے اس کے علاوہ محققہ نے Nationalist Principle پر بھی بحث کی ہے۔ دوسرے حصے میں محققہ نے مسئلہ کشمیر کی تاریخی حیثیت کو موضوع بحث بنایا ہے۔ مصنف نے نیم بیواؤں پر خصوصی توجہ دی ہے۔ محققہ کے مطابق جبری گمشدگیوں نے کشمیر کے کچھ خاندانوں کی ساخت کمزور کی ہے۔ یہ خاندان خوف اور دہشت کے ماحول میں اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ محققہ کے مطابق کچھ نیم بیوہ خواتین جو غریب گھرانوں سے تعلق رکھتی ہیں مفللوک الحال زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو گئی ہیں۔ یہ خواتین جنگ سے جڑنے کی وجہ سے ذہنی تناؤ اور دماغی امراض میں مبتلا ہو گئی ہیں۔ یہ خواتین خودکشی کی بھی کوششیں کرتی رہتی ہیں۔ تیسرے حصے میں محققہنے علحٰیدگی تحریک کے برپا ہونے کے بعد کشمیری خواتین پر ہو رہے ظلم و ستم کی داستان بیان کی ہے۔ محققہ نے نیم بیواؤں کا ذکر کرتے ہوئے قارئین کی توجہ مبذول کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ خواتین اکیلے پن کا شکار ہیں، ان کی شناخت متنازعہ ہو چکی ہے، ان کے حقوق سلب کئے جا رہے ہیں اور ان کی زندگی بد سے بدتر ہو رہی ہے۔ محققہنے ان خواتین کے حوالے سے سرکار کی بے اعتنائی کا بھی برملا اظہار کیا ہے۔ اپنی تحقیق کے چوتھے حصے میں محققہنے شوہروں سے علحیدگی کے بعد نیم بیوہ خواتین پر ہو رہے منفی اثرات پر بحث کی ہے۔

2.2۔ جموں و کشمیر میں انسانی حقوق کی پامالیوں کا تجزیہ:

Atin Kumar Das (2012) کے مطابق قانونی طور پر انسانی حقوق کی پاسداری ہی دہشت گردی کو روکنے میں مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔ یہاں پر عدالتوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ انسانی حقوق کے لئے کام کریں کیونکہ دہشت گردی کا جنم ہی انسانی حقوق کی پامالیوں سے ہوتا ہے۔ جب لوگوں کو انصاف نہیں مل پاتا تو وہ تشدد کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ مصنف کا کہنا ہے کہ دہشت گردی کو سمجھنے کے لئے انسانی حقوق کی پامالیوں کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ ہماری ریاست نے دہشت گردی اور انسانی حقوق کے معاملے میں واضح اقدامات فراہم کئے ہیں۔ ان دونوں معاملات کی نزاکت کو مد نظر رکھتے ہوئے عدالت کو مجاز قرار دیا گیا ہے۔ POTA کے قانون کو اس تناظر میں دیکھا جانا چاہیے۔

S.P. Khanna (2011) اپنی کتاب "Human Rights Evaluation and Development" میں رقمطراز ہیں کہ انسانی حقوق وہ حقوق ہے جن کا انسان متقاضی ہے۔ لیکن مروجہ سماج اور قانونی صورتحال نے ایسے حالات پیدا کر دیے ہیں کہ کچھ افراد اور اقوام کے ساتھ امتیازی سلوک برتا جارہا ہے۔ یہ امتیاز رنگ، نسل، ذات، مذہب وغیرہ کی بنیاد پر برتا جارہا ہے۔

Varun Naik and Mukesh Sahni (2011) نے اپنی کتاب "Human Rights and Social Justice" میں اس بات کا اعادہ کیا ہے کہ سماجی انصاف انسانی فطرت کا متقاضی ہے۔ سماجی انصاف کے حصول میں اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہونی چاہیے کہ فرد کس مذہب، ذات، صنف، جگہ، زبان سے

تعلق رکھتا ہے۔ سماجی انصاف بین الاقوامی انسانی حقوق کے قانون میں ایک Cross Principal کی حیثیت رکھتا ہے یہ ایک واضح نقطہ نظر فراہم کرتا ہے کہ کس طرح انسانی حقائق اور سماجی انصاف کے خدشات اور عملی مداخلت کے لئے تصوراتی فریم ورک مہیا کیا جاسکے۔ دنیا بھر کے مختلف حصوں میں روزگار کی تقسیم میں ناانصافیاں ہو رہی ہیں اس ناانصافی کا نتیجہ ہے کہ لوگوں کی اکثریت معاشی زبوحالی کا شکار ہے۔ امیر اور غریب کی معاشی حیثیت میں انتہائی درجہ کی تفاوت پائی جاتی ہے۔

Farhat Jabeen (2010) اپنے مضمون "Molestation of Kashmiri Women & Peace Processes in South Asia" میں کچھ اس طرح سے یہاں کی خواتین کی حالت پر تذکرہ کرتے ہوئے ریاست کے حالات کا تاریخی پسِ منظر پیش کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ یہاں کے لوگ اول سے ہی ظلم کے شکار رہے ہیں۔ محققہ نے ساتھ ہی ساتھ یہاں کی خواتین کو درپیش مسائل کا بھی بخوبی احاطہ کیا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ کشمیری خواتین پچھلی کئی دہائیوں سے مظلوم بن کر اپنی زندگی گزار رہی ہیں۔ یہاں کی خواتین کے ساتھ ناشائستہ سلوک کئی سالوں سے جاری ہے۔ یہاں کی خواتین جنھوں نے اپنے شوہر اور اپنی اولاد کو کھو دیا انصاف کے لئے آواز تو بلند کرتی ہیں پر ان کی کوئی سننے کے لئے تیار نہیں۔ ڈاکٹر فرحت جبین مزید کہتی ہیں کہ یہاں زیادہ تر کریک ڈاؤن کے دوران خواتین کے ساتھ زنا بالجبر کے واقعات رونما ہوئے ہیں۔ عورت ہونے کے ناطے میں ہر کشمیری عورت کا درد سمجھ سکتی ہوں۔

Shabnam Qayoom (2010) اپنے مضمون ''کشمیر میں خواتین کی بے حرمتی'' میں کشمیری خواتین کی حالت زار کو بیان کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ یہاں کی عورت اتنی مظلوم ہے کہ ہر موڑ پر اسے تکلیف، دکھ اور کرب کا سامنا ہے۔ یہاں کی خواتین کے ساتھ فوج نے ایسے گھناؤنے کام انجام دیئے ہیں جس کی مثال کہیں نہیں ملتی۔ یہاں ہزاروں کی تعداد میں عصمت دری کے واقعات رونما ہوئے ہیں۔ یہاں خواتین فوج کے ہاتھوں بے آبرو ہو کر یا تو پاگل ہو جاتی ہیں یا پھر خودکشی کرتی ہیں۔

شبنم قیوم مزید کہتیہیں کہ کریک ڈاؤن کے دوران جب مرد حضرات کو گھروں سے باہر نکالا جاتا ہے تو اس وقت فوجی اہلکار تلاشی کے بہانے گھروں میں گھس کر وہاں موجود خواتین چاہے وہ جوان ہوں یا بوڑھی ہوں یا نابالغ بچیاں ہوں ان کی عصمت دری کی جاتی ہے۔ عصمت دری کی اس کاروائی میں بیماری ماہواری یا حاملہ ہونے کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا اور اکثر کاروائیوں میں ماں بیٹی کو ایک ہی کمرے ایک کونے میں آبرو ریزی کر کے ذلیل کیا جاتا ہے اور اس طرح وہ کسی کو منہ دکھانے کے لائق خود کو نہیں سمجھتیں۔

J.Cyrilkan Mony (2010) نے اپنی کتاب ''Human Rights Violation'' میں انسانی حقوق کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انسانی حقوق سے مراد وہ حقوق ہے جن سے ہر ذی روح لطف اندوز ہو۔ یہ حقوق فطری ہیں اور انہیں فطری تسلیم کیا جانا چاہیے۔ لیکن انسانی حقوق کی خلاف ورزی ایک عالمی مسئلہ ہے۔ بہت سے قانونی آیئنے اور قانونی ترمیمات عمل میں لائے جانے کے باوجود ہر سطح پر انسانی حقوق کی پامالی ہو رہی ہے۔ ان پامالیوں میں اقلیتوں کے خلاف ہونے والی قانونی اور شہری حقوق کی خلاف ورزیاں بھی شامل ہیں۔

ہندوستان کی دیگر ریاستوں جیسے اترپردیش، تامل ناڈو، اور آندھرا پردیش میں ہو رہی ذات پات اس کی ایک زندہ جاوید مثال ہے۔ ہندوستان میں مسلمان اور عیسائی اقلیتوں کے خلاف ہو رہے حملے بھی اس ضمرے میں آتے ہیں۔ یہ حملے ہندوستان میں معمول بن رہے ہیں۔ دہشت گردی کے ماحول کو جنم دیتی ہے۔ دہشت گردی کے زمرے میں تشدد، جبری گمشدگیاں، قتل و غارت گری شامل ہیں۔ یہ عوامل فورسز کی جانب سے 1989 سے جموں و کشمیر میں رو بہ عمل ہیں یہ سیاسی تشدد کا ایک سلسلہ ہے جس کے بدولت کشمیر میں انسانی حقوق کی پامالیاں عروج پر ہیں۔

Imroz(2007) نے اپنے مقالے میں کشمیر میں جبری گمشدگیوں پر تبصرہ کیا ہے۔ اس مقالے میں مصنف نے گمشدہ افراد کے لواحقین کی تشکیل کردہ انجمن APDP کا بھی ذکر کیا ہے اور لاپتہ افراد کے خاندانوں کی حالت زار پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ محقق نے اس تحقیق میں پایا کہ زیادہ تر افراد سماج کے پچھڑے ہوئے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جن کو اپنے حقوق کا ذرا بھی علم نہیں ہے۔ محقق نے اس مقالے میں نیم بیوہ خواتین کی اقتصادی پست حالی کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان گمشدگیوں کے نتیجے میں جو بچے باپ کے سائے سے محروم ہوتے ہیں وہ بچہ مزدوری میں لگ جاتے ہیں اور اس دوران ذہنی اور دماغی امراض کا شکار ہوتے ہیں۔

Kavita Singh(2006) نے اپنی درسی کتابوں میں انسانی حقوق پر دہشت گردی کے اثرات کو بیان کیا ہے۔ مصنفہ نے دہشت گردی سے نمٹنے کے لئے قومی اور بین الاقوامی قانون کا مناسب طریقے سے تجربہ کیا ہے۔ مصنفہ کا ماننا ہے تشدد کو روکنے میں اور نظم و نسق کی روایت کو برقرار رکھنے کے لئے قومی اور

بین الاقوامی قانون خاطر خواہ نتائج پیدا نہیں کر رہا ہے۔ مصنفہ نے زور دیا ہے کہ انسانی حقوق کی حفاظت کے لئے مزید ڈھانچے اور عملی اقدمات کی ضرورت ہے۔ مصنفہ نے دہشت گردی کی موجودہ صورتحال کا بھی گہرائی سے جائزہ لیا ہے۔ اس تناظر میں مصنفہ نے دہشت گردی کے مفہوم کو بہتر طریقے سے سمجھنے پر زور دیا ہے تاکہ اس سے نمٹنے کے لئے بہتر لائحہ عمل تیار کیا جاسکے۔

Shri Prakash (2002) کی تالیف کردہ، غلام محمد شاہ کی کتاب جس کا عنوان "Towards understanding the Kashmir Crisis" میں مصنف نے کشمیری قومیت اور کشمیر کی علاقائیت کا جائزہ لیا ہے۔ مصنف نے اس بات کا بھی ذکر کیا ہے کہ کشمیر میں فوجی اہل کار اور دہشت گردوں کے ہاتھوں انسانی حقوق کی پامالی ہورہی ہے۔ کشمیر میں جمہوریت کو مقامی سطح پر لانے کے لئے جو ماضی میں کوششیں کی گئی ہیں یا حال میں ہورہی ہیں اس کا ذکر بھی مصنف نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔

Vinod Sharma (2002) کی کتاب "Human rights Violation- a global Phenomenon" انسانی حقوق کے حوالے سے فلسفیانہ بحث پر مبنی ہے۔ اس بحث میں مصنف نے یورپی سماج کا پچھلے دوہزار سال کا جایئزہ لیا ہے مصنف نے اپنی توجہ سیاسی اور اخلاقی معیارات پر مبذول کی ہے۔ ان معیارات کے مطالعے کے دوران یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں ہر زمانے میں ہوتی رہی ہیں۔ یہ خلاف ورزیاں اب بھی ہو رہی ہیں۔ انسانی حقوق اور انسانی وقار کا احترام دنیا میں آزادی، انصاف، امن عامہ کے لئے سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ UN جنرل اسمبلی نے بھی انسانی قوق کے عالمی

اعلان میں ان اصولوں کو اپنایا ہے۔ انسانی حقوق کے عالمی اعلامیہ کے بدولت ہی جموں و کشمیر میں مسلم اکثریت اپنے حقوق کی حفاظت کرنے کے قابل ہوئے ہیں۔ اسی اعلامیہ کا نتیجہ ہے کہ ریاست میں ہندو اقلیت کو تحفظ حاصل ہے اور وہ مذہبی انتہا پسندی کے دلدل سے بچ گئے ہیں۔ بالا الفاظ دیگر جموں و کشمیر کی مسلم اکثریت دہشت گردوں کی تہہ پر ہندوستان کا دوسری بار بٹوارہ کرنا چاہتے ہیں اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں کر رہے ہیں لیکن ہندوستان کی ریاست یہ دہشت گردی روکنے میں ہر سطح پر ناکام ہو رہی ہے۔ ۱۹۸۹ سے اس دہشت گردی میں اضافہ ہو رہا ہے اور ریاست اس ناسور کو روکنے میں ناکام ہو رہی ہیں۔

John Dunn (1995) نے اپنی کتاب "Contemporary crisis of the National State" میں موجودہ قومی ریاستوں کو عالمی معاشی بحران کے حوالے سے مسائل کا جائزہ لیا ہے۔ مصنف نے موجودہ ماحولیاتی، آئینی بحران کا بھی تذکرہ کیا ہے اور اس تناظر میں روس کی مثال کو نمائندہ کے طور ر بیان کیا ہے۔

Salman Khurshid (1994) اپنی کتاب "Beyond Terrorism: New hope for Kashmir" میں مصنف کشمیر میں انسانی حقوق کی پامالی کے مختلف مسائل پر روشنی ڈالتا ہے اور کس طرح سے یہ حقوق ہشت گردوں کے ہاتھوں سے پامال ہوتے ہیں اور کس طرح سے ایک جمہوری اندا میں انسانی حقوق کا تحفظ کیا جا سکتا ہے، اس کتاب میں جموں و کشمیر میں دہشت گردی سے متاثر افراد کو خصوصی طور پر احاطہ کیا ہے۔

Bharat Verma & Manvendra Singh (1994) کی تالیف کردہ تحقیق جس کا عنوان "Kashmir: The Troubled Frontiers" میں محققین نے مسئلہ کشمیر کی سیاسی حیثیت، پاکستان اور ہندوستان کا کشمیر کے معاملے میں اختلاف، مسئلہ کشمیر کی وجوہات اور اس کے لئے تجویز کردہ حل کا تفصیل سے جائزہ لیا ہے۔ محققین نے کشمیر کی موجودہ سیاسی صورتحال پر کسی جنگ اور اس کو روکنے والی تدابیر کا بھی ذکر کیا ہے۔ مصنف نے کشمیر کی موجودہ سماجی، سیاسی، معاشی اور ڈیموگریفک صورتحال کا بھی تجزیہ کیا ہے۔

Mohit Chuadry نے اپنے تحقیقی کام جس کا عنوان "Terrorism , Human Rights and State in a Sociological Study" میں دہشت گردی کا جائزہ لیا ہے۔ محقق نے دہشت گردی اور احتجاجی تحریکوں کے درمیان فرق کو واضح کیا ہے۔ محقق نے اپنی تحقیق میں انسانی حقوق اور اس کے اثرات ہندوستان کے آیئن اور اس میں انسانی حقوق کا بھی فطری حقوق اور بین الاقوامی اعلامیہ کا بھی جائزہ لیا ہے۔ محقق نے دہشت گردی اور اس کو روکے جانے والے قانون TADA پر بھی تبصرہ کیا ہے۔ محقق کا ماننا ہے کہ NARC کا کام کشمیر، پنجاب اور شمال مشرقی ہندوستان کے حوالے سے کوئی خاطر خواہ نتائج نہیں حاصل پایا ہے۔ محقق نے آزادی کے بعد والے ہندوستانی سماج کے بارے میں بھی استفسار کیا ہے۔ محقق کا کہنا ہے کہ آزادی کے بعد ہندوستان دہشت گردی کو روکنے کے لئے کوئی کارآمد لائحہ عمل تیار نہیں کر پایا ہے اور نہ ہی میڈیا، پولیس اور فوج کی صلاحیتوں سے مستفید ہو پایا ہے۔

"Human Rights in the Third نے اپنے کام جس کا عنوان Devin Paul and Z A Nizam

World" میں پسماندہ ممالک میں انسانی حقوق کے مسائل کا ذکر کیا ہے اور ہندوستان میں قبائلی خواتین کے مسائل، بچہ مزدوری، دہشت گردی، کشمیر اور پنجاب میں ہو رہی انسانی حقوق کی پامالیوں کا بطور خاص ذکر کیا ہے۔

"Human Rights" نامی ایک درسی کتاب جس کو NCERT نے شائع کیا ہے میں تاریخی اعتبار سے اہم انسانی حقوق کی قومی اور بین الاقوامی دستاویز کو جمع کیا گیا ہے۔ یہ کتاب انسانی حقوق کے بارے میں مفید معلومات فراہم کرتی ہے اور اس میں انسانی حقوق کے حوالے سے بھارتی آئین کی پیش قدمیوں کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

2.3۔ اکیلی خواتین کو درپیش مسائل (Studies related to Single Mother)

Suswati Basu (2010) اپنے مضمون "India's City of Widow's" میں بیوہ عورت کی ستم ظریفی کو بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ ایک عورت جو پہلے بیٹی ہوتی ہے، بہن ہوتی ہے، ماں ہوتی ہے اور جب بیوہ ہو جاتی ہے تو اس کی زندگی یکسر بدل جاتی ہے۔ گھر میں اس کی اہمیت جیسے ختم ہو جاتی ہے۔ یہ بیوہ جب اپنے شوہر کو کھوتی ہے تو ساتھ میں اپنی پہچان بھی کھوتی ہے۔ باسو اپنے مضمون میں مزید کہتی ہیں کہ ہندوستان میں صرف 28 فیصد بیوائیں وظیفہ (Pension) کے لئے مستحق ہیں لیکن ان میں صرف 11 فیصد سے بھی کم بیواؤں کو حقیقی معنوں میں وظیفہ ملتا ہے۔ ایک بیوہ آج مفلسی میں زندگی گزارنے پر مجبور

ہے۔ اسے طرح طرح کی دشواریوں کا سامنا ہے۔ باسو کے مطابق Vrindavan میں آج بھی 16000 بیوائیں بھیک مانگنے پر مجبور ہے۔ حکومت کی طرف سے اگر اسے کچھ امداد ملتیتو اس کی زندگی میں سدھار آسکتا تھا ۔ لیکن حکومت نے ان کیلئے کچھ نہیں کیا ہے جس کہ وجہ سے آج یہ بھیک مانگنے پر مجبور ہوئی ہیں۔

Nidhi Kotwal and Bharti Prabharkar (2009) کی تحقیق جس کا عنوان "Problems faced by Single Mothers" ہے میں اکیلی ماؤں کی سماجی، معاشی اور جذباتی مسائل کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس تحقیق کے لئے 50 اکیلی ماؤں کا انتخاب کیا گیا تھا اور بات سامنے آئی ہے کہ یہ اکیلی مائیں جنکے شوہر لاپتہ ہو چکے ہوتے ہیں اپنے بچوں کی تربیت کرنے میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرتی ہیں۔ محققین کے مطابق وہ خواتین جو گھر سے باہر کام کرنے کی عادی نہیں ہوتیں ان کے لئے مشکلات میں اضافہ ہوتا ہے۔ اپنی بنیادی ضروریات کے علاوہ اپنے شوہر کی ذمہ داریوں کا بار بھی اٹھانا پڑتا ہے۔ بچے ہونے کی صورت میں ان اکیلی خواتین کو بچوں کی پرورش، تعلیم وغیرہ کے لئے بھی بہت تگ و دو کرنی پڑتی ہے۔ اس مطالعہ کے مطابق یہ خواتین اکیلے پن کی شکار ہیں اور خوف و تذبذب کی زندگی بسر کر رہی ہیں۔ یہ اپنی شناخت کھو بیٹھی ہیں جس کی وجہ سے یہ احساس کمتری کی شکار ہیں۔ گھر میں مرد نہ ہونے کی وجہ سے ان کے بچے نظم و ضبط جیسے اوصاف سے عاری ہوتے ہیں۔ اس تحقیق کے مطابق یہ خواتین اکثر ٹراما (Trauma) ذہنی دباؤ، دماغی اور نفسیاتی امراض میں مبتلا رہتی ہیں، جس کی وجہ سے یہ اپنے بچوں کی پرورش صحیح ڈھنگ سے نہیں کر پاتیں۔ محققین کے مطابق یہ اکیلی خواتین سماجی، معاشی، جذباتی مسائل سے دوچار ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے سماجی،

معاشی اور طبعی اعتبار سے ان پر زیادہ توجہ دی جائے۔ اس حوالے سے محققین نے کچھ تجاویز بھی پیش کی ہیں جن کو بروئے کار لا کر ان خواتین کی صورتحال میں بہتری لائی جا سکتی ہے۔

N Indra Rani (2006) نے اپنی تحقیق "Child Care by poor Single Mothers: study of mother-headed families in India" میں ہندوستان کے ان خاندانوں کا مطالعہ کیا ہے جن کی سرپرستی خواتین کرتی ہیں۔ مطالعے کے دوران محققہ نے ایسے خاندانوں کے معاشی، سماجی حالات کا تجزیہ کیا ہے جس کا براہ راست اثر بچوں کی پرورش پر پڑتا ہے کیونکہ ایسی خواتین اپنے گھروں سے باہر کام کرنے پر مجبور ہیں۔ یہ خواتین اتنی مصروف رہتی ہیں کہ اپنے بچوں کے لئے وقت نکالنا ان کے لئے بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہ بچے ضروری Socialization سے محروم رہتے ہیں۔ مقالے کے آخر میں محققہ نے اس مسئلے کے تعیں کچھ تجاویز پیش کی ہیں تا کہ ان خواتین کے مسائل کو بہتر طریقے سے سمجھا جائے اور بہتر متبادل تجویز کئے جائیں۔

P Adinarayana Reddy (2004) اپنی کتاب "Problems of Widows in India" میں کہتے ہیں کہ ایک عورت کو شوہر کے موت کے بعد دشوار گزار مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس کی زندگی اجیرن بنا دی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ہر معاملے میں استحصال کیا جاتا ہے۔ سماج کے رسم و رواج سے اسے دور رکھا جاتا ہے، گھر کی چار دیواری میں اسے قید کیا جاتا ہے اور اکیلا پن اسے اندر ہی اندر کھوکھلا کر دیتا ہے۔

Arshad H. Naqdhbandi (2003) نے اپنے مضمون "Widows, Orphan Continue to Suffer inKashmir" میں ایک کشمیری بیوہ شمع بانو کو موضوع بحث بنایا ہے۔ محقق کہتے ہیں کہ شمع بانو کی زندگی میں اس وقت قہر برپا ہوا جب 15 دسمبر 1992ء کو اس نے اپنے شوہر منظور احمد بٹ کی گولیوں سے چھلنی لاش اپنے گھر کے باہر دیکھی۔ شمع بانو کے دو بچے ہیں جن میں ایک کی دماغی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ شوہر کے مارے جانے کے بعد سسرال والوں کا رویہ شمع بانو کے ساتھ خراب رہا جس کی وجہ سے وہ بھائی کے گھر چلی گئی اور وہیں رہنے لگی۔ مضمون نگار کشمیر یونیورسٹی کے شعبہ سوشیالوجی کے صدر بشیر احمد ڈبلا کی قیادت میں "Impact of Conflict on Women &Children in Kashmir" پر کئے گئے سروے کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں کہ کشمیر میں نامساعد حالات کی وجہ سے بہت سارے پیچیدہ مسائل پیدا ہو گئے۔ خاص کر خواتین شورش کی وجہ سے بے کس اور بے بس ہو کر رہ گئیں۔ وہ خواتین جن کے شوہر کے مرنے کے ساتھ ان کی آمدنی کا چراغ بھی بجھ گیا کی زندگی عذاب بن کر رہ گئی ہے۔ یہ بیوائیں اقتصادی، نفسیاتی اور اپنے رشتہ داروں کی ہمدردی سے محروم ہیں، ساتھ ہی ان کے بچوں کی تعلیم پر بھی بہت برا اثر پڑا اور اکثر بچوں نے تعلیم کو ادھورا چھوڑ دیا۔ تعلیم کو ادھورا چھوڑنے والے بچوں میں روز بہ روز اضافہ ہوتا جارہا ہے جو کسی بھی سماج کیلئے کسی المیہ سے کم نہیں۔

Bhagat Pamela (1999) نے اپنے مضمون میں لاپتہ افراد کی بیواؤں کے مسائل کا ذکر کیا ہے۔ محقق کے مطابق ایسی خواتین ریاست کے ساتھ ساتھ اپنے خاندان اور سسرال کی طرف سے استحصال کا شکار ہیں۔ محقق نے اس تناظر سے مذہبی غیر جانبداری کا بھی ذکر کیا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ خواتین میراث

کے حق سے بھی محروم کی جاتی ہیں۔ محقق نے مسلم پرسنل لا کا بھی ذکر کیا ہے جس کے مطابق یہ خواتین سات سال تک دوبارہ شادی کرنے کے مجاز نہیں ہیں اور ان سات سالوں میں وہ شوہر کے جائداد سے محرم رہتی ہیں۔ سات سال کے اس طویل عرصے کے بعد ان خواتین کی دوبارہ شادی تقریباً ناممکن ہو جاتی ہے کیونکہ ان کی عمر ڈھل چکی ہوتی ہے۔

T.N.Kitchlu (1993) نے اپنی کتاب "Widows in India" میں ہندوستانی بیواؤں کے بارے میں کہا ہے کہ یہ سماج کا ایک بدقسمت طبقہ ہے جسے سماج اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ ایک بیوہ کو تانے دے کر رسوا کیا جاتا ہے۔ گھر سے بے دخل کر کے دوسروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ بچوں کے مستقبل کی فکر اسے پریشانی میں ڈال دیتی ہے۔ نتیجتاً اس کی زندگی اس کیلئے عذاب بن جاتی ہے۔

Leela D Satya (1991) نے اپنے مقالے "Women headed families, Problems, coping patterns, support system and some related policy matters" میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اکیلی مائیں ہندوستان میں معاشی پست کا حالی شکار ہیں۔ ان کی روزانہ آمدنی بہت ہی قلیل ہے جس کی وجہ سے یہ اپنے بچوں کو عمدہ غذا، کپڑے اور بہتر رہائش فراہم نہیں کر پاتیں۔ محقق کا کہنا ہے کہ 71٪ خواتین اپنے بچوں کی صحیح پرورش نہیں کر سکتی ہیں۔ ان خواتین کے مطابق وہ باہر کے کام اور گھر کے کام کے درمیان توازن برقرار نہیں رکھ پاتی ہیں جس کی وجہ سے بچوں کی پرورش صحیح ڈھنگ سے نہیں ہو پاتی۔ کچھ خواتین کا یہ حال ہے کہ وہ اپنے بچوں کو پرائمری سطح کی تعلیم بھی نہیں دلوا پاتی ہیں۔

Shyamala Pappu (1987) نے اپنے مضمون "Welfare of Deserted Separated and Divorced Women" میں سماجی لحاظ سے بہت خواتین کے مسائل کا تجزیہ کیا ہے۔ مصنفہ کے مطابق نیم بیوہ خواتین کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ انھیں سماجی تحفظ فراہم نہیں کیا جاتا اور یہ اکیلے پن کا شکار رہتی ہیں۔ بچوں کی پرورش، گھر کے اخراجات کو پورا کرنے اور اپنی زندگی کو صحیح رخ دینے میں یہ خواتین قاصر نظر آتی ہیں۔

2.4۔ عسکریت اور خواتین پر اس کے اثرات:

Seema Shekhawat (2014) نے اپنی کتاب "Gender, Conflict and Peace in Kashmir Invisible Stake holders" میں اس بات پر زور دیا ہے کہ متنازعہ علاقوں میں عورت کو ایک معمولی امیدوار کی حیثیت دی جاتی ہے اور کشمیری خواتین کو اس حوالے سے کوئی انفرادیت حاصل نہیں ہے۔ مصنفہ کا خیال ہے کہ خواتین سماجی بہبودی کا ایک ناقابل فراموش حصہ ہیں۔ خواتین جنگ و امن سمیت اجتماعی انسانی کوششوں کے ہر پہلو کا ایک اہم حصہ ہیں اور زندگی کے کسی دھارے سے انھیں الگ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ مسئلہ کشمیر کے حوالے سے مصنفہ کا کہنا ہے کہ ایک طرف کشمیری خواتین ظلم و جبر، جنسی تشدد، ذہنی تناؤ اور سوشل ٹراما کا شکار ہیں لیکن دوسری طرف یہی خواتین دہشت گردوں کی حمایت کرتی ہیں ان کا خیال رکھتی ہیں اور ان کے عقائد کی حمایت کرتی ہیں۔ مصنفہ کا کہنا ہے کہ کشمیر میں عسکریت خواتین کے عملی کردار کے بغیر اتنی دیر نہیں ٹک سکتی تھی۔ یہ خواتین نہ صرف مردوں کی غیر حاضری میں

گھر سنبھالتی ہیں بلکہ آزادی کی جد وجہد میں عسکریت پسندوں کی مدد بھی کرتی ہیں۔ یہ خواتین احتجاجی مظاہروں میں بھی شریک ہوتی ہیں، بھارت مخالف نعرے بازی کرتی ہیں اور فورسز کی کاروائی سے بعض اوقات عسکریت پسندوں کو بچاتی بھی ہیں۔ یہ عسکریت پسندوں کو مالی اور اخلاقی امداد بھی فراہم کرتی ہیں۔ دختران ملت، خواتین مرکز اور حزب المجاہدین خواتین شاخ جیسی خواتین کی تنظیمیں وجود میں لائی گئی ہیں۔ چونکہ کشمیر میں پدر شاہی نظام رائج العمل ہے اس لئے یہ تنظیمیں بھی اس نظام کو تقویت پہنچانے کے لئے کام کرتی ہیں اور اپنے اصل حقوق سے غافل ہیں۔ مصنفہ کے مطابق اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ان خواتین کو اپنے حقوق کے بارے میں آگاہ کیا جائے تاکہ امن بحال کرنے کے عمل کے دوران ان کی صلاحیتوں سے استفادہ کیا جاسکے۔ خواتین کی شرکت کے بغیر دیرپا امن بحال نہیں کیا جاسکتا ہے۔

Mir Sofiya Hassan (2012) نے اپنی کتاب "Armed conflict situation and mental Health in Kashmir valley: A Sociological Study" جو کہ ایک سائنسی (Empirical) مطالعے پر مبنی تحقیق ہے میں کشمیر کے لوگوں کی ذہنی صحت پر مسلح تنازعہ کے اثرات کے بارے میں لکھا ہے۔ مصنفہ کا کہنا ہے کہ مسلح تصادم کا اثر متعدد طریقوں سے ہوتا ہے، معاشرے کی مجموعی طرز زندگی اور سماجی ترتیب (order) کو تبدیل کرنے کے علاوہ یہ عوام کی نفسیات پر گہرا اثر ڈالتا ہے۔ مصنفہ نے ان نفسیاتی اور سماجی مسائل کے بارے میں بھی اظہار خیال ہے جو لاپتہ افراد کے لواحقین کو درپیش ہوتے ہیں۔ چونکہ مختلف

عمروں کے لوگ لاپتہ ہو گئے ہیں اس لئے زندگی کے مختلف شعبوں اور مختلف عمر کے گروپوں پر اس کے منفی اثرات مرتب ہو گئے ہیں۔

تحقیق کے مطابق افراد کے گمشدہ ہونے کے حوالے سے کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ملتے، نہ ہی ان جیل خانوں کے بارے میں کوئی جانکاری بہم پہنچ سکتی ہے جہاں یہ افراد پابند سلاسل کئے گئے تھے۔ مصنفہ کے مطابق ان گمشدہ افراد کے لواحقین کی ذہنی صحت متاثر ہونے کے علاوہ ان کی خود اعتمادی کو زخ پہنچا ہے۔ نیم بیواؤں کا حال تشویشناک حد تک دگر گوں ہے۔ وہ ذہنی تناؤ کا شکار ہیں اور اس کا بالواسطہ اثر ان کے بچوں کی پرورش پر پڑتا ہے۔ مصنفہ سے پتہ چلتا ہے کہ اقتصادی خرابی کے علاوہ ان ان نیم بیواؤں کے خاندان سماجی اور جذباتی طور پر بکھرے ہوئے ہیں۔ یہ خاندان گھریلو اختلافات میں بھی مبتلا ہو گئے ہیں۔

Mushtaq Ul-Haq Sikander (2011) اپنے مضمون "Does Conflict Empower Women" میں کشمیری عورت کی تعریفیں کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہاں کی عورت کے سامنے بے شمار مسائل ہیں اور کئی معاملات میں اس کی حالت بدتر ہو گئی ہے۔ ظلم و جبر اور بربریت کی شکار اس عورت نے نہ صرف اپنی عزت کھو دی بلکہ اس کی سماجی زندگی بھی اجیرن بنادی گئی۔ لیکن اس کے باوجود بھی یہ بہادر عورت اپنے کنبے کی کفالت کیلئے اپنی ذمہ داری بخوبی نبھا رہی ہے۔ مشتاق الحق احمد سکندر رقمطراز ہیں کہ تنازع کی وجہ سے یہاں کی خواتین سب سے زیادہ متاثر ہوئیں۔ انہیں طرح طرح کے مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ قدم قدم پر انہیں تکالیف اور کرب کا سامنا رہا۔ گھر سے باہر کی زندگی ان کے لیے گزارنی مشکل ہو گئی

کبھی انہیں ذہنی تو کبھی جسمانی تشدد سے گزرنا پڑا۔ ہر وقت انہیں پیچیدہ مسائل کا سامنا رہتا ہے مستقبل میں تنازع کی وجہ سے ان پر کیسا اثر پڑ سکتا ہے یہ وقت ہی بتا سکتا ہے۔ گو کہ مضمون نگار کو مستقبل قریب میں بھی بیوہ خواتین کی حالت میں سدھار کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی۔

Bashir Ahmad Dabla (2011) نے اپنی کتاب "Social Impact of Militancy in Kashmir" میں مسئلہ کشمیر کے سماجی پہلوؤں پر مختلف جہات سے روشنی ڈالی ہے۔ مصنف نے عسکریت کا تاریخی حوالہ دیتے ہوئے اس کے سماجی اثرات پر گفتگو کی ہے۔ مصنف کے مطابق سماجی گروہوں، عقیدوں، اخلاقیات اور مروجہ روایات پر عسکریت نے گہرے اثرات مرتب کئے ہیں۔ ایسی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں جو کشمیر کی قدیم روایات کے بالکل برعکس ہیں۔

ڈبلا نے معاشرے میں جنم لے رہے نئے سماجی گروہ ہوں جیسے عسکریت پسند، بیوہ، یتیم، نیم بیوائیں وغیرہ اور وسیع معاشرے پر ان گروہوں کا سماجی رول اور سماجی تعامل کے صدمہ انگیز تجربات کا ذکر کیا ہیں، ڈبلا کے مطابق بھارتی فوجی اہلکاروں نے ریپ اور جنسی حراسانی کو کشمیر میں ایک جنگی ہتھیار کے طور پر استعمال کیا ہے۔ نیم بیواؤں اور نیم یتیموں پر اپنی توجہ مرکوز کرتے ہوئے ڈبلا نے ان کی قانونی اور سماجی، سیاسی اور معاشی صورتحال پر تبصرہ کیا ہے۔ ڈبلا نے ان تمام ذہنی اور دماغی امراض کا ذکر کیا ہے جن کا یہ لوگ شکار ہو چکے ہیں۔ سرکار اور دیگر فلاحی ادارے اس صورتحال سے باخبر ہیں لیکن وہ کوئی قابل تحسین کاروائی نہیں کر پاتے ہیں۔ ڈبلا کا کہنا ہے کہ ان متاثرین کو اگر کوئی مدد پہنچ رہی ہے تو وہ مقامی مسجد کمیٹیوں کی

طرف سے مل رہی ہے جن کے وسائل بہت قلیل ہیں۔ کل ملا کر اگر دیکھا جائے تو ڈبلا نے متاثرین کی صورتحال کو تشویشناک دیکھ کر قابل رحم قرار دیا ہے۔ اس حوالے سے مصنف نے تجویز کیا ہے کہ ایک ایسی سروے کی ضرورت ہے جس کے بدولت ہمیں کشمیر میں نیم بیواؤں کی اصل تعداد معلوم ہو سکے تا کہ امدادی کاروائی اور گمشدہ افراد کی تلاش کے لئے بہترین لائحہ عمل تیار کیا جا سکے۔

Nyla Ali Khan (2010) اپنی تصنیف "Islam, Women &Violence in Kashmir Between India & Pakistan" میں لکھتی ہیں کہ وادی کشمیر کو پوری دنیا میں اس کی خوبصورتی کی وجہ سے ایک اہم مقام حاصل ہے نیز اسے دنیا کی جنت کہا جاتا ہے۔ مگر بھارتی فوج اور غیر ملکی دراندازوں نے وادی گلپوش کو خونی خطے میں تبدیل کیا۔ جہاں جگہ جگہ خون کے دھبے دکھائی دیتے ہیں۔ لاکھوں بے قصوروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور سارا کشمیر ایک رزم گاہ میں تبدیل ہو گیا ہے۔ اس تشدد کی لپیٹ میں صرف مرد حضرات ہی نہیں آئے بلکہ نسوانی طبقہ پر عبرت ناک مظالم ڈھائے گئے۔ جنہیں سن کے ایک ذی شعور انسان کے رونگھٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

Fazli (2007) نے فرضی جھڑپوں کے بارے میں لکھا ہے کہ کچھ جھڑپیں ایسی ہوتی ہیں جن کے بعد لاشوں کو غائب کر دیا گیا ہے۔ پولیس میں گمشدگیوں کے کیس درج ہیں لیکن تحقیقات نہیں ہو رہی ہے۔ رپورٹ کے مطابق اگر چہ اکثر SHO's کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ اطلاعات بہم پہنچائیں لیکن وہ اطلاعات فراہم کرنے سے قاصر ہیں۔

Saeed ur Rehman Siddiqui (2006) اپنے مضمون "Wailing Woes of Kashmir women" میں لکھتے ہیں پچھلے 18 سال کے نامساعد حالات میں کشمیری خواتین کو سب سے زیادہ اذیت اور کرب کا سامنا کرنا پڑا، ان کی عصمت کو تار تار کیا گیا، انہیں ذہنی عذاب اور جسمانی تشدد سے گزرنا پڑا۔ صدیقی نے کشمیر میں ہوئے عصمت دری کے واقعات میں سے چند اہم واقعات کا بھی ذکر کیا ہے۔ انہوں نے کنن پوش پورہ جہاں فوج نے 23 فروری 1991ء کی رات کو تلاشی کاروائیکے دوران 30 خواتین کی عصمت دری کے گھناؤنے واقعے کا بھی ذکر کیا ہے۔ صدیقی نے (2005) Medicins Sans Frontieres کے ذریعہ کی گئی تحقیق کا حوالہ دے کر لکھا ہے کہ کشمیری عورت پر اس وقت پوری دنیا میں سب سے زیادہ ظلم ہو رہا ہے۔ اس رپورٹ کے لحاظ سے کشمیر میں 1989ء سے فوجی اہلکاروں کے ذریعہ بہت سے عصمت دری کے واقعات رونما ہوئے۔ ایم ایس ایف کے مطابق 11.6 فیصد جواب دہندگان نے کہا کہ وہ جنسی ہراسانی کی شکار ہوئی ہیں۔ یہ اعداد و شمار سری لنکا اور چینا سے کہیں زیادہ ہے۔ ایم ایس ایف کی رپورٹ میں کہا گیا کہ پچھلے 17 سالوں سے ریاست جموں و کشمیر کے State Home Department کے پاس اس سلسلہ میں کوئی ریکارڈ ہی موجود نہیں ہے۔ تحقیق کے مطابق کشمیر میں عصمت دری اور جنسی ہراسانی جیسے واقعات پر کوئی کاروائی نہیں ہوتی اور ان واقعات کے خلاف اگر آواز اُٹھتی بھی ہے تو گورنمنٹ ایجنسیوں کے ذریعے اس آواز کو دبا دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ملزموں کے خلاف ایف آئی آر (First Information Report) تک درج نہیں ہوتا۔

عوامی کمیشن برائے انسانی حقوق جو سرینگر میں سول سوسائٹی کے افراد پر مبنی ایک گروہ ہے کا قیام 2005ء میں عمل میں لایا گیا۔ اس گروہ نے 1990ء سے 2005ء تک انسانی حقوق کی پامالیوں کے حوالے سے

اعداد و شمار جمع کئے ہیں۔ اس کمیشن کا دائرہ عمل جموں و کشمیر تک محدود ہے۔ کمیشن نے اپنی ایک رپورٹ میں کشمیر میں انسانی حقوق کی پامالیوں پر ایک تفصیلی رپورٹ شائع کی ہے۔ رپورٹ کے مطابق جموں و کشمیر میں فوجیوں کی تعداد 5 لاکھ سے زائد ہیں۔ اتنی کثیر تعداد فوج دنیا کے کسی متنازعہ علاقے میں نہیں پائی جاتی۔ رپورٹ کے مطابق وادی کشمیر میں بچوں کی آبادی کل آبادی کا 38٪ ہے۔ لیکن 56٪ بچے کشمیر کی متنازعہ صورتحال سے متاثر ہیں۔ متاثرین میں یتیم بچے، غریب اور سماجی طور پر نظر انداز کئے گئے بچے شامل ہیں۔ رپورٹ کے مطابق 1990 سے لوگوں کی ایک کثیر تعداد کو قید و بند کی صعوبتوں سے گذرنا پڑا ہے۔ ان میں سے اکثر افراد ایسے تھے جو کسی قسم کے جرم کے مرتکب نہیں ہوئے تھے۔ گمشدگیوں پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے رپورٹ میں لکھا ہے کہ گمشدگیوں کا سلسلہ 1989ء سے شروع ہوا جب عسکری کاروائیاں شروع ہو چکی تھیں۔ رپورٹ کے مطابق اپنی معاشی پستی کو دور کرنے کے لئے علاوہ گمشدہ افراد کے لواحقین کو ایک غیر یقینی، ٹرانس جنریشنل ٹراما(TransgenerationalTrauma) کا سامنا ہے۔ نیم بیواؤں کے حوالے سے رپورٹ کا کہنا ہے کہ نیم بیوہ خواتین اپنے شوہروں کے گھروں سے بچوں سمیت پھینک دی جاتی ہیں۔ یہ خواتین اپنے میکے والوں کی پریشانی کا سبب بن جاتی ہیں کیونکہ ان کی اور ان کے بچوں کی ذمہ داری بھی میکے والے ہی اٹھانے پر مجبور ہر جاتے ہیں۔ رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ گمشدہ افراد کے لواحقین کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ فوج نے قید کے دوران گمشدہ افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے اور ان کی لاشوں کو خفیہ مقامات پر ٹھکانے لگایا ہے۔ رپورٹ نے نیم بیواؤں کی دوبارہ شادی اور گمشدہ افراد کی جائداد کی تقسیم سے متعلق خواتین کے مختلف نظریات کا جائزہ لیا ہے۔ نیم بیواؤں کے لئے ریاستی سرکار نے 1990ء میں ایک ضلعی سطح

کی کمیٹی کا تذکرہ کیا ہے۔ کمیٹی کے مطابق گمشدہ افراد کے لواحقین کو خاص کر نیم بیواؤں کو سرکاری امداد ملنی چاہیے۔ 1990ء سے لے کر آج تک ریاستی ہائی کورٹ میں ہزاروں ہیبس کارپس (Habeas Corpus) کی درخواستیں دائر کی جاچکی ہیں لیکن یہ عدلیہ سے کسی قسم کی راحت لواحقین کو نہیں پہنچا سکی ہے۔ رپورٹ نے گمشدہ افراد کے لواحقین کی طرف سے کئے گئے اقدامات کے بارے میں مختصراً ذکر کیا ہے۔ رپورٹ میں کشمیری خواتین پر جنسی تشدد، حراسانی اور دیگر مظالم کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس صورتحال سے کشمیری خواتین کی جسمانی، تولیدی اور دماغی صحت اثر انداز ہوئی ہے۔ رپورٹ کے اختتام پر جموں و کشمیر انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی ایک فہرست فراہم کی گئی ہے۔

Cardozo Bilvkha اور Cramford نے ایک اہم تحقیق منظر عام پر لائی ہے جس میں انہوں نے جنگ کی وجہ سے دماغ پر ہونے والے منفی اثرات کا افغانستان کے حوالے سے جائزہ لیا ہے۔ اس تحقیق کے دوران یہ نتیجہ بر آمد ہوا ہے کہ 62٪ جواب دہندگان ذہنی تناؤ کے شکار ہیں یہ اعداد و شمار پچھلی ایک دہائی کے ہیں۔ 67.7٪ افراد نے ڈپریشن کا شکایت کی ہے۔ 72٪ افراد Anxiety کے شکار ہیں، 42٪ افراد کو PTSD کی بیماریاں لاحق ہیں۔ مصنف کا مزید کہنا ہے کہ خواتین، معذورین اور بچوں کی دماغی صحت خراب ہو چکی ہے۔ ان امراض سے بچنے کے لئے لوگ مذہبی اور روحانی وسیلوں کا سہارا لیتے ہیں۔

Urveshi Butalia (2002) نے اپنے مقالے "Speaking Peace" میں اس بات کو ثابت کر کیا ہے کہ پچھلی دو دہائیوں سے کشمیر میں عسکریت کی وجہ سے ماحول، کاروبار، روزمرہ کی زندگی، صحت کھانے

کے طور طریقے، کام اور کام کی جگہیں متاثر ہو گئی ہیں۔ اس صورتحال کا سب سے زیادہ اثر خواتین پر پڑا ہے۔ اس صورتحال سے خواتین کس طرح متاثر ہوئی اس پر زیادہ تحقیق نہیں کی گئی ہے نہ ہی ان کے مسائل کو حل کرنے کی کوئی پر خلوص کوشش کی گئی ہے۔ مذکورہ کتاب نے خواتین کے مسائل کی ایک وسیع پیمانے پر ترجمانی کی ہے۔ جنگی صورتحال میں وہ کیسی زندگی بسر کر رہی ہیں اس کا بھی تفصیل سے جائزہ لیا گیا ہے اور ان کی بہتری کے لئے کچھ تجاویز بھی پیش کی ہیں۔ اس کتاب میں متاثرہ خواتین کی نجی زندگی، کے حوالے سے کچھ انٹرویو شائع کئے گئے ہیں۔ مصنف نے مسئلہ کشمیر کا تاریخی منظر بیان کرتے ہوئے خواتین پر اس تنازعے کے اثرات کو بیان کیا ہے۔ نئی دہلی کی ایک غیر سرکاری فلاحی تنظیم نے وادی کشمیر میں ان متاثرہ خواتین کی زندگی پر روشنی ڈالنے کے لئے ایک ورکشاپ کا انعقاد کیا تھا۔ اس ورکشاپ کی تفصیلات بھی اس کتاب میں شامل ہیں۔ مصنف کا کہنا ہے کہ خواتین جنگ میں حصہ نہیں لیتی لیکن وہ اور ان کے بچے جنگ کا خمیازہ مردوں کے مقابلے میں زیادہ بھگتے ہیں۔ مسئلہ کشمیر پر دفاعی نقطہ نظر سے بہت کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن کشمیری خواتین پر اس مسئلے کے اثرات پر بہت کم لکھا گیا ہے۔ اس تنازعے نے بیواؤں اور نیم بیواؤں کی ایک کثیر تعداد پیدا کر دی ہے خواتین کو جنسی اور جسمانی طور پر اذیتیں پہنچائی گئی ہیں۔ ان کی عصمتیں لوٹی گئی ہیں۔ خواتین گھر کی چار دیواری سے باہر نکلنے سے ڈرتی ہیں، خوف و ہراس کے ماحول میں وہ سرکاری نوکریاں نہیں کر پا رہی ہیں۔ خواتین جسمانی اور نفسیاتی بیماریوں کا شکار ہو گئی ہیں۔

Rita Manchanda (2001) نے اپنی کتاب "Women, War and Peace in South Asia" میں جنگی ممالک کی مختلف خواتین کا کئی پہلوؤں سے تجزیہ کیا ہے۔ خصوصاً مصنفہ نے کشمیر میں بندوق اور برقعہ نامی کے حوالے سے مسئلہ کشمیر کے مختلف عناصر کا جائزہ لیا ہے۔ مصنفہ کا ماننا ہے کہ یہ مسئلہ بھارت اور پاکستان کے درمیان ایک بڑے جنگ کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے۔ مصنفہ نے پچھلی دہائی میں کشمیری خواتین کی مسئلہ کشمیر کے حوالے سے تجزیہ کیا ہے۔ مصنفہ کا ماننا ہے کہ اس دوران خواتین ظلم، تشدد، جنسی زیادتیوں کا سامنا کر رہی ہیں۔ فوج جنسی حراسانی کو جنگ کے ہتھیار کے طور پر استعمال کر رہی ہے۔ خواتین کی ایک کثیر تعداد بیوہ یا نیم بیوہ ہو گئی ہیں، بچے یتیم ہو گئے ہیں اور بوڑھے والدین بے سہارہ ہو گئے ہیں۔ مصنفہ نے کشمیری خواتین کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان خواتین نے شجاعت کے ساتھ اس سیاسی تشدد کا مقابلہ کیا ہے۔

کشمیر کی عسکری تحریک کے تین مراحل کے دروان مصنفہ نے خواتین کی مجموعی سماجی حیثیت پر توجہ مرکوز کی ہے۔ اول مقبول ترین مظاہروں کے دوران، دوم ظلم اور مسلح جدوجہد کے دوران سوم مسلحانہ جدوجہد کی سیاست جس میں انتہا پسند سیاست اور حریت کی تحریک کا مقبول دور شامل ہیں۔ خواتین علحیدگی پسندوں اور ہندوستان نواز جماعتوں کے انتہاپسند سیاسی نظریات کو نظر انداز کر کے کشمیری خواتین کے بیان سے مسئلہ کشمیر کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ خواتین کی گھریلو زندگی کے مسائل، تشدد اور نئی ذمہ داریوں کو سمجھنے کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ مصنف نے خواتین کا نفسیاتی جائزہ بھی لیا ہے اور یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ

خواتین مختلف ذہنی اور دماغی امراض میں مبتلا ہو گئی ہیں۔ بندوق کے کلچر پر بھی توجہ دی گئی ہے جس کی وجہ سے خاندانوں کے آپسی تعلقات خراب ہو گئے ہیں۔ کہیں ماں بیٹے سے دور ہو گئی ہے کیونکہ بیٹے نے بندوق تھام لی ہے اور ماں کو اس پر اعتراض ہے۔ اس بندوق کلچر نے سماجی صحت، تعلیم، خواتین اور بچوں پر منفی اثرات مرتب کئے ہیں۔

WHO(2001) کی رپورٹ کے مطابق متنازعہ علاقوں میں پیہم جنگی صورتحال ہونے کی وجہ سے تقریباً ٪10 لوگ ذہنی اور جسمانی بیماریوں کے شکار ہو گئے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق ایسے افراد ڈپریشن، ذہنی تناؤ، نیند نہ آنے کی بیماری، کمر درد اور معدے کی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

موڈوگ (2000) نے اپنے مضمون میں مشرقی تیمور کے تنازعے کے بارے میں لکھا ہے کہ اس تنازعے کی وجہ سے وہاں کی تقریباً ایک تہائی آبادی نفسیاتی بیماریوں کا شکار ہو چکی تھی۔ جنگ کے دوران ہوئے قتل وغارت اور جائداد کی تباہی سے یہ لوگ اپنے آپ کو غیر محفوظ تصور کرتے تھے اسی غیر محفوظیت اور خوف وہراس کی وجہ سے لوگ ذہنی تناؤ کا شکار ہوتے گئے۔ 2000 میں متاثرین کی تعداد آبادی کے ایک تہائی حصے تک پہنچ چکی تھی۔

بریس، والکر، گورک یب اور کنج (1989) نے لبنان کے تنازعے کے حوالے سے خواتین پر عسکریت کے اثرات کا تجزیہ کیا ہے۔ مصنفین نے ان خواتین کی نفسیاتی، دماغی اور جذباتی حوالے سے مطالعہ کیا ہے اور عسکریت کے منفی اثرات کا احاطہ کیا ہے۔ اسی طرز پر UNICEF(1990) نے لبنان میں

عسکریت کے خواتین پر منفی اثرات کا مطالعہ کیا ہے اور اس بات کا اعادہ کیا ہے کہ یہ خواتین جنگی صورتحال میں نفسیاتی امراض کا شکار رہتی ہیں۔

2.5۔ جبری گمشدگیوں پر مبنی مطالعہ

Suhail Ahmad Bhat (2013) نے اپنے مقالے "Religious orientation and self-regulation as predicators of mental health of family members of disappeared persons of Kashmir" میں گمشدہ افراد کے لواحقین کی دماغی صحت پر توجہ مرکوز کی ہے۔ مقالے کی تدوین کے لیے محقق نے 217 گمشدہ افراد کے لواحقین کا مطالعہ کیا ہے۔ ان لواحقین میں سے 89 مرد اور 128 خواتین شامل ہیں۔ یہ تمام لواحقین ضلع اننت ناگ، سرینگر اور بارہمولہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ محقق نے ان لواحقین کی دماغی صحت، مذہبی رجحان اور خود ضابطگی self-regulation کا مطالعہ کیا ہے۔

Simon Robins and Ram Kumar bhandari (2012) اپنے مقالے "From Victimhood to Actors: Mobilizing Victims to drive Transitional Justice Process". جو اصل میں ایک شراکتی ریسرچ پروجیکٹ ہے میں نیپال کے گمشدہ افراد کے لواحقین کے مسائل کا تجزیہ کیا ہے۔ مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بہت سے خاندان قانونی چارہ جوئی سے بے خبر ہیں اور انہیں اپنے حقوق کے بارے میں کوئی جانکاری ہی نہیں ہے۔ اس حوالے سے عوام کو متحرک کرنا، انہیں بااختیار بنانا، ان کو جانکاری بہم پہچانا ایک کارگر ہتھیار ثابت ہو سکتا ہے۔ نیم بیوہ خواتین پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے کیونکہ

اپنے شوہروں کی گمشدگیوں سے یہ سب سے زیادہ متاثر ہو چکی ہوتی ہیں۔ مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ متاثرین کو اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے خود میدان عمل میں آنا چاہئے کسی دوسرے کے سہارے رہنا ان کے لیے سود مند نہیں ہو سکتا ہے۔ محققین کے مطابق لاپتہ افراد کے خاندانوں کو سب سے زیادہ معاشی مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اس لیے ان کی معاشی بہتری کے لیے اقدام اٹھانے کی ضرورت ہے۔ اگر مقامی لوگ متحرک ہو جائیں اور نیم بیواؤں کے حوالے سے کچھ ٹھوس اقدام اٹھائیں تو یہ خواتین کچھ حد تک ایک نئی شناخت اختیار کرنے پر کامیاب ہو جائیں گی۔ مقامی لوگ ان خواتین کو انتظامیہ سے اپنے حقوق دلوانے میں بھی مدد کر سکتی ہے۔ کچھ خواتین نے خاندان کے معاملات میں سرگرم رہنے کی وجہ سے اور اپنی روایتی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر پورے عزم کے ساتھ لڑ کر اپنے حالات درست کیے ہیں۔ آخر پر محققین نے اس بات پر زور دیا ہے کہ جب تک متاثرین خود اپنے حقوق کے لیے کھڑے نہ ہوں تب تک مقامی لوگ اور ریاست ان کی خاطر خواہ مدد نہیں کر سکتے۔

ICRC(2009) کے ایک مطالعہ بعنوان "Families of missing persons in Nepal A study of their needs" میں گمشدہ افراد کے لواحقین کی ضروریات کی نشاندہی کی گئی ہے۔ رپورٹ کے مطابق لواحقین کا حق ہے کہ انھیں اپنے حقوق سے روشناس کیا جائے تاکہ وہ ان کا مطالبہ کر سکیں۔ ان کے مسائل طبعی، انصاف کی فراہمی اور باز آباد کاری کے متعلق ہیں۔ ان کی روزمرہ ضروریات پوری نہیں ہو پا رہی ہیں کیونکہ ان خاندانوں کے سرپرست ہی گمشدہ ہو گئے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق متاثرین کی ضروریات

مختلف ہیں۔ اگر گمشدہ فرد کسی گھر کا سرپرست تھا تو اپنے گھر کی معاشی ضروریات کو ترجیح دی جانی چاہیئے۔ رپورٹ کے مطابق مقامی روایات کے مطابق گمشدہ افراد جن کے زندہ ہونے کی امیدیں کم ہیں کی مرنے کے بعد کی رسومات ادا نہیں کی جاسکتیں کیونکہ ان کی لاشیں نہیں مل پائیں ہیں اور لاش کے بغیر رسومات ادا کرنا روایات کے خلاف ہیں۔

8٪ سے زائد گمشدگان کے زندہ ہونے میں شکوک پائے جاتے ہیں جس کی وجہ سے لواحقین ذہنی اور جسمانی امراضکے شکار ہوگئے ہیں۔ لواحقین میں جذباتی کشیدگی پائی جاتی ہے کیونکہ وہ اپنے پیاروں کو مردہ تصور کرنے پر اپنے دلوں کو قائل نہیں کرپاتے ہیں۔ اکثر لواحقین مستقل طور پر نفسیاتی امراض کا شکار ہوچکے ہیں۔ نیم بیواؤں پر اپنی توجہ مرکوز کرتے ہوئے مصنف لکھتا ہے کہ نیم بیواؤں کے خاندان انتہائی سختی کا سامنا کررہی ہیں۔ یہاں تک کہ کچھ خواتین کو سسرال چھوڑ کر میکے واپس آنے پر مجبور کیا گیا ہے۔ ان خواتین کو بیواؤں کا طرز زندگی اختیار کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ مختصراً اس مطالعہ کے مطابق گمشدہ افراد کے لواحقین ایک تو اپنے پیاروں کی جدائی کے غم میں غرق ہیں تو دوسری جانب معاشی زبو حالی نے ان کی زندگی مشکلات میں ڈال دی ہے۔ رپورٹ میں اس ادارہ نے تجویز دی ہے کہ ریاستی سرکار کو لواحقین کی سماجی، سیاسی، معاشی اور قانونی طور پر مدد کرنی چاہیئے اور اس کے لیے ٹھوس اقدامات اٹھانے کی ضرورت ہے۔

Citroni (2006) نے اپنے مضمون میں نیپال کے سپریم کورٹ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس کورٹ نے گمشدہ افراد کی تلاش اور لواحقین کی باز آبادکاری کے لئے مختلف قوانین وضع کئے ہیں۔ یہ مضمون ان قوانین میں سے چند اہم احکامات پر روشنی ڈالتا ہے۔ کورٹ کے احکامات کے مطابق ریاست گمشدہ لوگوں کی تلاش اور لواحقین کی باز آبادکاری سے غافل نہیں ہوسکتی۔ ریاست کو چاہیے کہ وہ مجرمین کو تلاش کرے اور ان کے خلاف قانونی کاروائی عمل میں لائے۔ لواحقین کے معاشی استحکام کے لئے مناسب اقدمات کئے جائیں۔

Deraniyagale(2006) نے اپنے مضمون میں اس بات کا اعادہ کیا ہے کہ نیپال میں گمشدہ افراد کا تعلق مفلوک الحال خاندانوں سے ہے۔ گمشدہ افراد نچلے طبقے کے کسانوں، چھوٹے چھوٹے زمینداروں جن کی مجموعی آبادی 44٪ ہے سے تعلق رکھتے ہیں۔ مضمون نگار کا کہنا ہے کہ گمشدہ افراد کی اوسط عمر 33 سال ہے ۔ ان میں سے 76٪ افراد وہ ہیں جن کی عمر 18 سے 40 سال تک ہے۔ ایسے افراد نیپال جیسے سماج میں افراد خانہ کے لئے معاشی اعتبار سے بہت پست ہوتے ہیں۔

Antonia and Fernadiz (2005) نے اپنے مقالے میں جبری گمشدگیوں کو انسانیت کے خلاف جرم کے طور پر تعبیر کیا ہے۔ محققین کا کہنا ہے کہ اس مسئلے کو سیاسی اور قانونی طور پر ہی نہیں بلکہ نفسیاتی طور پر بھی حل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اسکے لئے محققین نے طویل وقت کی حکمت عملی پیش کی ہے کیونکہ مختصر وقت کی حکمت عملی مایوس کن نتائج بر آمد کرتی ہے۔ اس کے علاوہ ان کا خیال ہے کہ تمام تر حکمت عملیوں کا مرکز لواحقین کے خاندان کی فلاح ہونی چاہیے۔

Anderson(2004) نے اپنے مضمون میں 23جون 2006میں ہوئے بین الاقوامی کنونشن میں متفقہ ریزولیشن کے بارے میں لکھا ہے کہ جبری گمشدگیوں میں ملوث افراد کو قانون کی گرفت میں لایا جائے ۔مصنف نے رائج الاوقت قومی قوانین کا احاطہ کیا ہے اور ان قوانین میں موجود خامیوں کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ جن کی وجہ سے مجرمین قانون کی گرفت میں نہیں آپاتے۔ اس کے علاوہ مصنف نے کنونشن کے حوالے سے کچھ تحفظات کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس کے لئے مصنف نے کچھ تجاویز بھی پیش کی ہیں۔

Zahir-ud-din(2002)نے اپنی کتاب "Did they Vanish in Thin Air"کے دوسرے حصے میں کشمیر میں گمشدہ افراد پر تفصیلی رپورٹ شائع کی ہے۔ مصنف نے 1947 کی تقسیم کے بعد سے عسکری تحریک تک کے مراحل پر روشنی ڈالی ہے۔UN Resolutionsکے حوالے سے مصنف نے کہا ہے کہ ہندوستانی سرکار نے بد قسمتی سے ان کو روبہ عمل لانے سے ہمیشہ انکار کیا ہے جس کی وجہ سے 1988 میں کشمیری نوجوان ہتھیار اٹھانے پر مجبور ہو گئے۔ اس مسلح بغاوت کو کچلنے کے لئے ہندوستان نے اپنی افواج کو کثیر تعداد میں تعینات کیا ہے اور کچھ عوام دشمن قوانین کو پوری طاقت کے ساتھ نافذ کیا ہے۔ یہ ان قوانین کا ہی ثمر ہے کہ وادی میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں میں اضافہ ہوا ہے۔ اس مسلح جدوجہد میں ہزاروں افراد ہلاک ہو گئے ہیں اور ہزاروں میں لوگ گمشدہ ہو گئے ہیں۔

یکم فروری 1999 میں شائع امنٹی انٹرنیشنل رپورٹ کا حوالہ دیتے ہوئے مصنف نے کہا ہے کہ لوگوں کو کریک ڈاؤن کے دوران حراست میں لے لیا جاتا تھا۔ یہ افراد اکثر مسلح باغیوں کے رشتہ دار ہوتے تھے

۔ایسا اس لیے کیا جاتا تھا تاکہ مسلحین کے moral کو کمزور کیا جائے۔اس کے بعد کچھ افراد کی گمشدگی کو سرکار نے بھی قبول کیا ہے اور ان کی گمشدگی کی مختلف اور متضاد وجوہات بیان کیے ہیں لیکن یہ تعداد اس تعداد سے بہت کم ہے جو انسانی حقوق کی تنظیموں نے کی ہیں۔ مصنف نے 6 اضلاع کے مطالعے کے دوران 100 گمشدہ افراد کے بارے میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ ان کی بنیادی معلومات جیسے نام،والدین، عمر، پیشہ وغیرہ کا ذکر کرنے کے علاوہ مصنف نے ان حالات پر توجہ مرکوز کی ہے جن کی وجہ سے گمشدگیاں ہوئی ہیں۔ مصنف نے ان کوششوں کا بھی احاطہ کیا ہے جو ان گمشدہ افراد کے لواحقین نے تلاش کے سلسلے میں کی ہیں۔ مصنف کے مطابق گمشدہ افراد 15 سے 70 سال کی عمر کے ہیں۔ اکثر افراد اپنے خاندانوں کے سرپرست تھے۔ان کی گمشدگی کے بعد ان خاندانوں کی معاشی حالت بگڑ چکی ہے۔ مصنف نے ان 5 سیاحوں کا بھی ذکر کیا ہے جن کو 1995 میں اغوا کیا گیا تھا اور پھر کچھ عرصے کے بعد ان کا قتل کیا گیا تھا۔ ان میں ایک کی مسخ شدہ لاش پولیس تلاش کر پائی اور دوسرے چار افراد کے بارے میں پولیس کوئی جانکاری حاصل نہیں کر پائی ہے۔ مصنف نے گمشدہ افراد کے حوالے سے جموں و کشمیر کے ہائی کورٹ کے کچھ احکامات کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ احکامات گمشدہ افراد کو تلاش کرنے اور لواحقین کی باز آبادکاری کے لیے جاری کیے گئے ہیں۔

2.6۔ صحت پر تشدد کے اثرات سے متعلق تحقیقات کا جائزہ

Asima Hussain (2006) نے اپنی تحقیق "Impact of conflict situations on Mental Health in Srinagar" میں پایا کہ خاندان میں ایک فرد کے غائب ہو جانے کے بعد خواتین کے اندر عدم

تحفظ، زندگی سے بد ظن اور خوف جیسی صفات پیدا ہوئی ہے۔ لوگوں کی اکثریت ذہنی اور نفسیاتی بیماریوں میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ جیسے Nightmare, Aggressive Behavior, Stress, Depression وغیرہ۔ اس کے علاوہ ان میں جسمانی بیماریاں جیسے ہائی بلڈ پریشر، عارضہ قلب، معدہ اور آنتوں کی سوزش اور عام کمزوری بھی پائی گئی۔ محقق کا کہنا ہے کہ یہ افراد اپنے علاج و معالجہ کے لئے ڈاکٹر کے پاس نہیں بلکہ Compounder/ General Physician اور اپنی ہم عمروں کے پاس جاتی ہے تاکہ سماج ان کو ذہنی مریض یا کسی اور مرض کی لیبل نہ لگا سکے۔

Bukhari Fayaz (2004) نے اپنی تحقیق میں یہ پایا کہ جن خواتین کے شوہر غائب کر دیئے گئے یا مارے گئے وہ نفسیاتی الجھنوں (Psychological Traumas) کی شکار ہوئی اور اس کے علاوہ دیگر افراد خانہ کے ساتھ ساتھ خودکشی کے واقعات میں غربت، خوف اور بیروزگاری کی وجہ سے untreated trauma کی شرح بڑھتی جارہی ہے۔ نئے شادی شدہ جوڑوں میں خودکشی کے واقعات زیادہ رونما ہوتے ہیں جس کی وجہ ان کے ساتھ قید خانوں میں ہو رہے Interrogations ہیں۔

Kashani and Kanth (2003) نے طلبا و طالبات کے طبقہ پر ہو رہے ظلم و تشدد کا مطالعہ کیا۔ جس میں نمونے کے طور پر سرینگر اور اننت ناگ ضلع سے کل 50,50 طلبہ کو شامل کیا گیا۔ اس تحقیق میں یہ پایا گیا کہ وادی کشمیر ہو رہے تشدد نے لوگوں کو نئے تصورات کے تئیں خوفزدہ کیا ہے اور یہ سماج میں ہو رہے کسی بھی چیز سے متعلق شک و شبہات میں مبتلا رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہاں کی قائم شدہ تنظیموں کو بھی شک کی نگاہوں

سے دیکھا جاتا ہے۔ ان کے مطابق اس تحقیق میں دیکھا گیا کہ طلبہ کسی بھی قسم کے تشدد کی سرگرمی میں شامل نہیں ہوتے۔

Anita katiyal (2003) نے اپنی تحقیق میں پایا کہ کشمیر میں تنازعات کی وجہ سے بے شمار لوگ ذہنی مریض، اور کثیر تعداد میں Depression, Trauma اور Anxiety کے شکار ہو گئے ہیں۔ اسی طرح محقق نے اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ Land mine blasts, Sniper Shots اور گرینڈ بم دھماکوں کی وجہ سے لوگوں کی کثیر تعداد اپاہج ہو گئے۔ المیہ تو یہ ہے کہ حکومت کی طرف سے یہ افراد آج تک کسی بھی معاوضہ سے محروم رکھے گئے ہیں۔

Sabha Hussain (2002) کی تحقیق کے مطابق کشمیر میں ہو رہے تشدد کی وجہ سے صحتی مسائل بھی سامنے آئے ہیں اور اس میں یہ پایا کہ یہاں لوگ اس تشدد کی وجہ سے گبھراہٹ، دل کا دورہ، عدم توجہی، نیند کے عارضے اور وسیع بے چینی، بھوک کاٹنا، جیسے مسائل سے دوچار ہو گئے ہیں اور اس کے علاوہ نفسیاتی امراض جیسے دماغی ہیجان (Delusion)، فریب نظر (Hallucinations) عام سی بات بن گئی ہے۔ اس کے علاوہ یہاں جوان لڑکیوں میں خودکشی کا رجحان زیادہ بڑھ گیا۔ اس تحقیق کے مطابق پچھلے ایک صدی کے دوران تقریباً 2000 سے زائد افراد نے خودکشی کی ہے جس میں سے زیادہ تر افراد کی تعداد 16 تا 20 سال کے درمیان تھی جن کی شرح 76.92٪ پائی گئی۔ جبکہ 20٪ ایسے افراد ہیں جن کی عمر 26 تا 40 سال کے

درمیان پائی گئی۔ مجموعی طور پر ان تمام واقعات میں مردوں کے بہ نسبت خواتین کے خودکشی کرنے کی شرح 77.41٪ ہیں۔

Wani, et.al (1997) نے وادی کشمیر میں بچوں پر ہو رہے ذہنی عارضے سے متعلق مطالعہ کیا۔ اس مطالعہ میں نمونے کے طور پر 210 بچوں کو لیا گیا جو 6 سے 12 سال کی عمر تک کے تھے اور تحقیقی آلات کے طور پر محقق نے Stress Rating Scale اور سوالنامہ کا استعمال کیا گیا۔ اس تحقیق میں نتیجہ کے طور پر یہ پایا گیا کہ کشمیر میں فوجی در اندازی اور سماجی و اقتصادی خدشات کی وجہ سے بچوں میں ذہنی عارضے ہونا عام سی بات بن گئی ہے۔ کل 210 جواب دہندگان میں سے 120 جواب دہندگان Post-Traumatic Stress Disorder میں مبتلا پائے گئے۔ اس کے علاوہ 80 جواب دہندگان Acute Stress اور 10 جواب دہندگان Adjustment Disorder میں مبتلا پائے گئے۔ زیادہ تر بچے ذہنی بے چینی اور گھبراہٹ (depression) جیسے عارضے کے شکار ہیں۔ اس مطالعہ میں یہ بھی پایا گیا کہ لڑکوں کے مقابلے میں لڑکیاں زیادہ تر گھبراہٹ (depression) کی شکار ہیں۔

خلاصہ (Conclusion)

محقق نے متعلقہ مواد کے جائزہ کے لئے کثیر تعداد میں مضامین، تحقیقی مقالے، رسالوں اور مختلف رپورٹس وغیرہ کا مطالعہ کیا۔ ان کے مطالعہ کرنے کے بعد بہت سارے مسائل و نظریات سامنے آئے۔ محقق نے ان کو کل چھ زمروں میں منقسم کیا۔

1۔ نیم بیواؤں کو بلا واسطہ طور پر در پیش مسائل کا تجزیہ، 2۔جموں و کشمیر میں انسانی حقوق کی پامالیوں کا تجزیہ، 3۔اکیلی خواتین کو در پیش مسائل، 4۔ عسکریت اور خواتین پر اس کے مرتب اثرات، 5۔جبری گمشدگیوں پر مبنی مطالعہ اور 6۔صحت پر تشدد کے اثرات سے متعلق تحقیقات کا جائزہ۔

اس میں مجموعی طور پر ہندوستان کے علاوہ دیگر بیرونی ممالک میں ہوئی تحقیقات بھی شامل ہیں۔ ان سب کے جائزے کے بعد محقق اس نتیجہ پر پہنچا کہ ان میں ہر طرح کے عناصر کو شامل کیا گیا جیسے نیم بیوہ خواتین کے سماجی، جسمانی، نفسیاتی اور معاشی مسائل، ان کے شوہروں کی گمشدگی، گمشدہ افراد کے تلاش کے لئے کی گئی کوششیں، فوجی اہلکاروں کی طرف سے ڈھائے گئے مظالم، سرکار کی ان مسائل کے تئیں عدم توجہی، عسکری تحریک سے کشمیری عوام بالخصوص نیم بیواؤں پر اس کے اثرات، اسی طرح نیپال اور لبنان جیسے ممالک میں نیم بیوہ خواتین پر ہونے والے تشدد، گمشدہ افراد کی گمشدگی کے متعلق FIR درج کرنے میں رکاوٹیں، یتیم بچوں پر فوجی دراندازی اور عسکری کاروایئوں کے اثرات، سرکار اور دیگر اداروں سے نیم بیواؤں کو دی گئی امداد، اسی طرح کشمیر میں صدیوں سے چلے آرہے اس تشدد سے لوگوں پر مرتب منفی و

مضر اثرات جیسے Depression, Anxiety, Psychological Trauma, Mental illness, Aggressive Behavior, Night mare وغیرہ جیسے اثرات کو بہت سارے محققین نے اپنے قلم کا موضوع بنایا ہے۔

اوپر دی گئی متذکرہ تحقیقات کی روشنی میں بہت سارے ایسے عوامل رہ گئے ہیں جن کے بارے میں ان محققین نے ذکر تک نہیں کیا۔ حالانکہ یہ عوامل بڑی اہمیت کے حامل ہیں جیسے سیاسی انتشار، عسکریت پسندوں اور فوجی اہلکاروں کی موجودگی سے خواتین کی زندگی پر پڑ رہے برے اثرات، گمشدہ افراد سے ان کے اہل خانہ پر پڑ رہے منفی اثرات اور شوہروں کے غائب ہو جانے سے خواتین کی زندگی میں رونما ہو رہے نئے مسائل۔ اس لئے محقق نے ضروری سمجھا کہ ان اہم اور حساس مسائل پر قلم اٹھایا جائے تاکہ سماج میں بڑھتے مظالم اور تشدد کے للکاروں سے صدیوں سے بنی مظلوم و محکوم ان نیم بیوہ خواتین کی دبی آواز کو ان کی طاقت بنایا جائے اور انہیں اس طرح عوام اور حکومت تک پہنچایا جائے تاکہ ان کو اس بات کا احساس ہو جائے کہ یہ مظلوم خواتین بھی اپنی زندگی جینے کا حق رکھتی ہیں۔ لہٰذا راقم الحروف نے وقت کے تقاضے کو مد نظر رکھ کر اس موضوع کا انتخاب کیا ہے۔ اس تحقیق میں محقق کا صرف اور صرف یہی مقصد ہے کہ ان لاچار و بے بس خواتین کے در پیش مسائل کی طرف حکومت اور دیگر سرکاری و غیر سرکاری تنظیموں کو راغب کیا جاسکے تاکہ ان خواتین کی فلاح و بہبودی کے لیے ٹھوس اقدامات عمل میں لائے جاسکیں۔

References:

Ahmad, S. (2012). The Half Widows of Kashmir. Power Publication, Kolkata.
Bashir, S. (2014).The Half Mother. Hachette India Local.
Bhagat, P. (1999). Hopeless Hunt for Missing Relatives in Kashmir.Asia Times.
Butalia, U. (2002). Speaking Peace: Women's Voices from Kashmir.London, Zed Books.
Dabla, B. (2011). Social Impact of Militancy in Kashmir. Gyan Publishing House, New Delhi.
Dunn, J. (1995). Contemporary Crisis of the National State. Blackwell Publishers.
Imroz, P. (2002). States Repression: Enforced or Involuntary Disappearances in Kashmir. Combat Law Vol. 1 Issue 4.
Hassan, M. S. (2012). Armed Conflict Situation and mental health in Kashmir valley: A sociological study.Jay Kay Books Srinagar Kashmir.
Kaur, M. (2012).Women Second.Affected community Member First.
Kaur, R. (2004). Half Widows of Kashmir.Institute of Peace and Conflict Studies.
Kavita, S. (2006).The Impact of Terrorism in Human Rights. New Delhi.
Khan, N. A. (2010).Islam Women and Violence in Kashmir; Between India and Pakistan.Springer.
Khana, S.P. (2011). Human Rights Evaluation and Development.Manas, New Delhi
Khurshid, S. (1994). Beyond Terrorism: New Hope for Kashmir. APH, New Delhi.
Kitchlu, T. N. (1993). Widows in India. Ashish Publishing House, New Delhi
Kotwal, N. & Prabhakar, B. (2009). Problems faced by Single Mothers. *Journal of Social Science. 21*(3): 197-204
Manchande, R. (2001). Women war and peace in South Asia.Sage Publication. New Delhi.
Mony, J. (2010). Human Rights Violation.Anmol Publication, New Delhi.
Naik, V. &Sahni, M. (2011).Human Rights and Social Justice.Vedams eBooks (P) Ltd. New Delhi: India.

Qutub, S. (2011). Women Victims of Armed Conflict: A Study of Half-Widows in Jammu and Kashmir. (M.Phil. Dissertation Social Work).Tata Institute of Social Sciences, Mumbai.

Rani, N. (2006).Child care by Single Mothers.Journal of Comparative Family Studies. 37(1), 75-91.

Rashid, A. (2011). Widows and Half-Widows: Saga of Extra Judicial Arrests and Killings in Kashmir. Publisher Pharos Media.

Reddy, P. A. (2004).Problems of Widows in India.Sarup New Delhi.

Satya, L. D. (1991). Women headed families, Problems, coping patterns, support system and some related Policy matters. Research on Families with Problems in India.Vol. 1, TISS, Bombay.

Shah, G. M. &Prakash, S. (2002). Towards understanding the Kashmir Crisis.Gyan Publishing House.

Sharma, V. (2011). Human Rights Violation: A Global Phenomenon, New Delhi.

Shekhawat, S. (2014).Gender, Conflict and Peace in Kashmir Invisible Stakeholders.Cambridge University Press.

Shukhla, S. (n.d.). Silent Victims of Secession: Plight of the Kashmiri Half-Widows. University of Delhi.

Simon, R. &Bhandri, R. K. (2012). From victimhood to actors: Mobilizing victims to drive Transitional Justice Process.

Zia, A. (2014). The Politics of Absence: Women searching for the disappeared in Kashmir.

Sikander, M. A. (2011). Does Conflict Empower Women? Countercurrents.org

Verma, B. & Singh, M. (1994). Kashmir: The troubled Frontiers. Lancer Publishers & Distributors.

Reports and Journals

Association of Parents of Disappeared Persons Report (APDP), 2011. Half Widow, Half Wife: Responding to Gender Violence in Kashmir.

Jabeen, F. (2010).Molestation of Kashmiri Women and Peace Process in South Asia. Retrieved form: http://www.inspad.org 10/09/16

Siddiqui, S. R. (2006). Wailing Woes of Kashmir women.Retrieved from: https://www. kashmirnewz.com/a0027.html

Naqshbandi, A. H. (2003). Widows, Orphan continue to suffer in Kashmir.https:// www.mediamonitors.net

Bhat, S.A. (2013). Religious orientation and self-regulation as predicators of mental health of family members of disappeared persons of Kashmir. The International Journal of Indian Psychology. Volume: 3 Issue: 1 No. 7

باب سوم

نیم بیوہ خواتین کا سماجی، معاشی اور معاشرتی موقف

تلخیص

اس باب کی شروعات میں ان دس اضلاع کا پس منظر پیش کیا گیا ہے جس پر یہ تحقیق محیط ہے جسے ہم universe کہتے ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ باب جواب دہندگان کے سماجی، معاشی اور معاشرتی موقف کا احاطہ کرتا ہے۔ نیز یہ باب ان تمام مسائل کو بھی پیش کرتا ہے جو ایک خاندان کے سربراہ کے غائب ہو جانے سے یہ خواتین اور ان کے بچے ہر روز سامنا کرتے ہیں۔ چاہے وہ نفسیاتی ہو، معاشی ہو، سیاسی ہو یا پھر معاشرتی مسائل۔

باب سوم

نیم بیوہ خواتین کا سماجی، معاشی اور معاشرتی موقف

The Universe -3.1

ریاست جموں و کشمیر تین خطوں پر مشتمل ہیں۔ ۱) جموں ۲) وادی کشمیر اور ۳) لداخ۔ محقق کی آبادی صرف وادی کشمیر کے خطے تک ہی محدود ہے۔ مردم شماری 2011 کے مطابق ریاست جموں و کشمیر کی موجودہ آبادی 1 کروڑ 25 لاکھ 48 ہزار 9 سو 26 ہے جس میں مردوں کی کل تعداد 66 لاکھ 65 ہزار 561 جبکہ خواتین کی کل تعداد 58 لاکھ 83 ہزار 365 ہے۔ آبادی کے لحاظ سے قومی سطح پر 19 ویں نمبر پر آنے والی ریاست جموں کشمیر میں فی مربع کلو میٹر میں 124 شہری رہتے ہیں جبکہ خواندگی کی شرح 68.74 فیصد ہے جس میں مردوں کی شرح 78.26 اور خواتین کی شرح 58.01 فیصد ہے۔ کشمیر صوبہ میں آبادی کی مجموعی شرح 57.36 اور جموں صوبہ 42.63 فیصد ہے۔ غور طلب ہے کہ اس آبادی میں ریاست میں تعینات فوج اور نیم فوجی دستے بھی شامل ہیں جبکہ سرحد پار مقیم نوجوانوں کا شمار نہیں ہوا ہے۔ ریاست کی مجموعی آبادی میں کشمیر صوبہ کی آبادی 71 لاکھ 98 ہزار 1 سو 15 اور جموں صوبہ کی آبادی 53 لاکھ 50 ہزار 8 سو 11 ہے۔

وادی کشمیر دس اضلاع پر مشتمل ہیں اور محقق نے ہر ضلع سے تیس تیس افراد کو بطور نمونہ شامل کیا ہیں۔ ان تمام اضلاع میں متاثرہ رہنے والی نیم بیواؤں کے مشکلات و مسائل، تکالیف، دکھ، درد، زیادتیاں اور ان کے سماجی، اقتصادی اور معاشی مصائب کو اس باب کے تحت ضبطِ تحریر میں لایا گیا ہے۔ تاکہ یہ واضح

ہو جائے کہ ریاستِ کشمیر میں کہاں، کیسے اور کن معاملات تنازعہ سے متاثر نیم بیوہ خواتین مختلف مسائل سے دوچار ہیں۔

چونکہ وادی کشمیر میں تصادم متاثرہ نیم بیواؤں کے مسائل کا احاطہ دس اضلاع کا انتخاب کر کے ضلع وار کیا گیا لہٰذا یہاں پر پہلے ان اضلاع کا تعارف پیش کیا جارہا ہے۔ اس کے بعد تفصیل کے ساتھ ریاستِ کشمیر کی نیم بیواؤں کے مسائل مختلف عنوانات کے تحت جدول اور گرافکس کے ذریعے ضبطِ تحریر کیے گئے ہیں۔

شمالی کشمیر(North Kashmir)

1۔ ضلع بانڈی پورہ (Bandipora)

بانڈی پورہ کو 'بنڈ پور' اور 'بانڈی پور' بھی کہا جاتا ہے۔ بانڈی پورہ وادی کشمیر کے مشہور اور ایشیا کے سب سے بڑے جھیل 'ولر' کے کنارے آباد ہے۔ بانڈی پورہ کے لیے ایک مشہور کہاوت ہے یا یوں کہا جائے یہ ضلع تین چیزوں کے لیے مشہور ہے:

1۔ علم (knowledge)

2۔ ادب (Good Habits and literature)

3۔ آب (Water)

بانڈی پورہ کے لیے کہا جاتا ہے کہ یہاں کشمیری 'بانڈہ پاتھر' (لوک گیتوں) کا ایک خاصہ رجحان موجود تھا جس کی وجہ سے اس علاقہ کا نام بانڈی پور یعنی بانڈوں کا علاقہ پڑا۔ یہاں کی بیشتر آبادی پہاڑوں کے ڈھلانوں کے بیچ اور جھیل ولر کے کنارے آباد ہے۔

تنازعہ کشمیر کی وجہ سے بانڈی پورہ ضلع بھی نامساعد حالات کی وجہ سے بہت متاثر رہا ہے۔ یہاں بھی تنازعے کے باعث خون ریزی کا بازار سر گرم رہا۔ مقامی باشندوں نے راقم الحروف کو یہ بتایا کہ یہاں زیادہ تر خون ریزی کے واقعات تنظیم اخوانی کے دور (1996-2001) میں رونما ہوئے۔ جس کے دوران لوگوں کی کثیر تعداد کو موت کی ابدی نیند سلایا گیا۔ مقامی باشندوں کے مطابق کشمیر تنازعہ کے سبب یہاں ظلم و جبر اور زیادتی عروج پر رہی جبکہ یہاں کے لوگوں کا جینا بھی دشوار ہو چکا تھا۔ جس کی وجہ سے یہاں بڑی تعداد میں جانی نقصان ہوا۔

2011 مردم شماری کے مطابق ضلع بانڈی پورہ کی کل آبادی 3,92,232 تھی۔ جس میں مردوں کی تعداد 2,07,680 جبکہ خواتین کی تعداد 1,84,552 ہیں۔ ضلع کا جنسی تناسب 889 ہے۔ ضلع کی تعلیمی شرح ٪56.28 ہے جس میں مردوں کی شرح خواندگی ٪66.88 خواتین کی شرح خواندگی ٪44.34 ہے۔
(Source: Census of India: 2011)

2۔ بارہمولہ (Baramulla)

بارہمولہ کو کشمیری زبان میں "ور مول" کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ یہ ضلع دریائے جہلم کے کناروں پر آباد ہے۔ بارہمولہ کشمیری سیب کی وجہ سے بھی کافی مقبول ہے۔ یہاں سوپور کے قصبہ میں سب سے بڑی میوہ منڈی موجود ہے۔ سیاحت کے لیے یہ ضلع اپنی مثال آپ ہے۔ کشمیر کا دلفریب اور دنیا بھر میں مشہور سیاحتی مقام گلمرگ بارہمولہ میں واقع ہے۔

کشمیر کی شورش، ٹکراؤ کی کا اگر ذکر کیا جائے تو یہ کہنا شاید بے جا نہ ہو گا کہ ضلع بارہمولہ پُر تناؤ اور کشیدگی کا خاصا شکار رہا ہے۔ جس کے باعث یہاں کے مقامی باشندوں کی زندگی بد سے بدتر ہو گئی۔ یہاں کے باشندوں کے کہنے کے مطابق یہ ضلع عسکریت پسند تحریک معرضِ وجود میں آنے کے بعد کافی متاثر رہا ہے اور یہ صورتِ حال آج بھی جاری ہے۔ مشاہدے کے مطابق بارہمولہ میں تنازعہ کشمیر کی وجہ سے افرا تفری کا ماحول اکثر دیکھنے کو ملتا ہے۔ اس ضلع کا سوپور علاقہ لاتعداد وارداتوں، واقعات اور سانحات کا آماجگاہ بن چکا ہے۔

2011 مردم شماری کے مطابق ضلع بارہمولہ کی کل آبادی 10,08,039 تھی۔ جس میں مردوں کی تعداد 5,34,733 جبکہ خواتین کی تعداد 4,73,306 ہیں۔ ضلع کا جنسی تناسب 885 ہے۔ ضلع کی تعلیمی شرح 67.2٪ ہے جس میں مردوں کی شرح خواندگی 75.5٪ خواتین کی شرح خواندگی 52.4٪ ہے۔ (ibid)

3۔ کپواڑہ: (Kupwara)

تین تحصیلوں میں ہندوارہ، کرنا اور کپواڑہ پر مشتمل یہ ضلع گھنے جنگلوں کے بیچ ایک خوبصورت وادی کا نظارہ پیش کرتا ہے۔ چونکہ یہ ایک سرحدی ضلع ہے لہٰذا اس کا بیشتر علاقہ پاکستانی مقبوضہ کشمیر کے سرحد سے جاملتا ہے۔ یہ ضلع کئی اطراف سے ضلع بارہمولہ سے بھی منسلک ہے۔

کشمیر کے نامساعد حالات کی وجہ سے ضلع کپواڑہ انتہائی حد تک متاثر رہا ہے۔ یہ ضلع شورش اور ٹکراؤ کی وجہ سے خون خرابہ کا مرکز بن گیا۔ یہاں بڑی تعداد میں لوگ مارے گئے۔ عورتوں کا قتل عام ہوا۔ بچے موت کی آغوش میں ابدی نیند سلا دیئے گئے۔ کپواڑہ ضلع میں درد پورہ نامی گاؤں کو "Village of

”Widows کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہاں کی بیشتر خواتین تنازعہ کی وجہ سے بیوہ ہو گئیں ہیں۔ ضلع کپواڑہ میں ایسے دلسوز اور خُون چکاں واقعات رونما ہوئے ہیں جن سے انسانیت چیخ اٹھتی ہے۔ راقم الحروف نے سروے کے دوران جب مذکورہ گاؤں کی خواتین سے بات چیت کر کے دریافت کیا تو ان خواتین نے کہا کہ آج تک کئی مقامی اور غیر مقامی تنظیمیں ان سے ملیں لیکن کوئی خاص مدد نہیں ملی۔ چونکہ کپواڑہ میں آئے دن فوج اور دہشت گردوں کے مابین جھڑپوں کا سلسلہ چلتا رہتا ہے اور یہ جھڑپے کئی کئی دنوں تک جاری رہتی ہے۔ جن سے کافی حد تک جانی و مالی نقصان ہوتا ہے۔

2011 مردم شماری کے مطابق ضلع کپواڑہ کی کل آبادی 8,70,354 تھی۔ جس میں مردوں کی تعداد 4,74,190 جبکہ خواتین کی تعداد 3,96,164 ہیں۔ ضلع کا جنسی تناسب 898 ہے۔ ضلع کی تعلیمی شرح 62.92٪ ہے جس میں مردوں کی شرح خواندگی 74.2٪ خواتین کی شرح خواندگی 49.67٪ ہے۔(ibid)

جنوبی کشمیر (South Kashmir)

4۔ انت ناگ (Anantnag)

لفظ ’انت ناگ‘ کے معنی ہیں ’بے شمار چشمے‘۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ ’ انت ناگ‘ لفظ سنسکرت اصطلاح سے ماخوذ ہے۔ کشمیری زبان میں بھی ’ ناگ‘ چشمے کو ہی کہا جاتا ہے۔ گو کہ ’انت ناگ‘ کے معنی ہیں ان گنت یا بے شمار، یہاں بڑے بڑے چشمے کافی تعداد میں موجود ہیں جن میں ناگ بل، سالک ناگ، ملک ناگ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

انت ناگ کشمیر میں شورش اور تناؤ کی وجہ سے ہر بار نامساعد حالات اور کشیدہ صورت حال کا آماجگاہ بن گیا ہے۔ یہاں تنازعہ کشمیر کی وجہ سے ہزاروں کی تعداد میں لوگ مارے گئے۔ عورتیں بیوہ ہوگئیں، بچے یتیم ہوگئے، املاک خاکستر ہوئے، مکان زمین بوس ہوگئے اور یوں کشمیر کے تنازعے کے وجہ سے یہ ضلع ہر ہر اعتبارے متاثر رہا۔

2011 مردم شماری کے مطابق ضلع انت ناگ کی کل آبادی 1,078,692 تھی۔ جس میں مردوں کی تعداد 5,59,767 جبکہ خواتین کی تعداد 5,18,925 ہیں۔ ضلع کا جنسی تناسب 937 ہے۔ ضلع کی تعلیمی شرح 62.69٪ ہے جس میں مردوں کی شرح خواندگی 72.66٪ خواتین کی شرح خواندگی 52.19٪ ہے۔ (ibid)

5۔ کولگام (Kulgam)

کولگام جنوبی کشمیر میں واقع ایک خوبصورت ضلع ہے۔ یہاں کی زیادہ تر آبادی کا انحصار زراعت اور باغبانی پر ہے۔ یہ ضلع آبادی کے لحاظ سے شوپیاں کے بعد جنوبی کشمیر کا سب سے چھوٹا ضلع گردانا جاتا ہے۔

سیاحتی اعتبار سے ضلع کولگام کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہاں کے دلفریب اور دل کو موہ لینے والے کئی مقامات انسان کو اپنی طرف مائل کرنے اور انسانی ذہن کو فرحت بخشنے کے لیے راحت کا سامان پیدا کرتے ہیں۔ یہاں کے خوبصورت اور دلکش نظارے سکونِ قلب کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ سیاسی عدم استحکام اور نامساعد حالات کے باعث ضلع کولگام میں بھی موت کا رقص 1988-89 کی عسکری پسند تحریک کے بعد سے جاری ہے۔ مشاہدے کے مطابق کولگام تنازعہ کشمیر کی وجہ سے شورش اور تناؤ کا ہمیشہ سے شکار رہا

ہے جس کی وجہ سے یہاں بھی ایک بڑی تعداد میں لوگ مارے گئے اور کئی غائب کیے گئے۔ اس طرح یہاں بھی نیم بیوہ عورتیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔

2011 مردم شماری کے مطابق ضلع کولگام کی کل آبادی 4,24,483 تھی۔ جس میں مردوں کی تعداد 2,17,620 جبکہ خواتین کی تعداد 2,06,863 ہیں۔ ضلع کا جنسی تناسب 951 ہے۔ ضلع کی تعلیمی شرح 59.23٪ ہے جس میں مردوں کی شرح خواندگی 69.59٪ خواتین کی شرح خواندگی 48.49٪ ہے۔ (ibid)

6۔ پلوامہ (Pulwama)

ضلع پلوامہ قدرت کے دلفریب نظاروں اور حسن وجمال سے مالا مال ہے۔ اپنی خوبصورتی اور دلکش نظاروں کی وجہ سے اسے کرۂ ارض پر ایک خاص مقام حاصل ہے۔

"Pulwama district is reported to be one of the pretty spots on earth, because of its congenial climate, innumerable springs, streams, water falls, fragment flowers, delicious fruits and other natural sceneries. Besides Pulwama is famous all over the world for the saffron cultivation" (http://pulwama.gov.in/)

یہاں کے سیاحتی مقام میں اہر ہ بل، Kungwattan، ناگہ بیرن، شکار گاہ، ہر پورہ، تارسر مارسر، آری بل ناگ، نارستان وغیرہ شامل ہیں۔ یہاں کے تواریخی آثار میں Avantishwar Temple,Asar sharif pinjora, payor temple, Shrine of Shah Hamdan, Shrine of Syed Hassan Mantaqui, Shikargah خاص طور سے قابل ہیں۔

جہاں ضلع پلوامہ قدرتی حسن اور بیش بہا نعمتوں سے مالا مال ہے وہیں یہ ضلع کشمیر کی شورش اور ٹکراؤ کی وجہ سے بہت زیادہ متاثر ہوا۔ شاید ہی یہاں کوئی گاؤں، محلہ ایسا ہو گا جو ظلم وستم کی لپیٹ میں نہ آیا

ہو، کوئی فرد ایسا نہیں جو کسی نہ کسی وجہ سے ظلم کا شکار نہ ہوا ہو۔ یہاں ہزاروں کی تعداد میں لوگ مارے گئے، ہزاروں نوجوان ایسے ہیں جو جسمانی تشدد کی باعث معذور ہو چکے ہیں۔ غرض ضلع پلوامہ میں تنازعہ کشمیر سے متاثر نیم بیواؤں کی ایک اچھی خاصی تعداد موجود ہے۔ جو اس وقت کسمپرسی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں اور طرح طرح کے مسائل سے دوچار ہیں۔

2011 مردم شماری کے مطابق ضلع پلوامہ کی کل آبادی 5,60,440 تھی۔ جس میں مردوں کی تعداد 2,93,064 جبکہ خواتین کی تعداد 2,67,376 ہیں۔ ضلع کا جنسی تناسب 912 ہے۔ ضلع کی تعلیمی شرح 73.15٪ ہے جس میں مردوں کی شرح خواندگی 82.79٪ خواتین کی شرح خواندگی 60.71٪ ہے۔ (ibid)

7۔ شوپیاں (Shopian)

ضلع شوپیاں کو کشمیر میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ ابتدا میں اس علاقے کو "شین ون" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ جس کے معنی ہیں "برف کا جنگل"۔ شوپیاں سرسبز گھنے جنگلوں کے بیچ ایک چھوٹی حسین وادی کا منظر پیش کر کے دل ویران کو راحت بخش کر سکون فراہم کرتا ہے۔ کشمیر میں سیب کے حوالے سے شوپیاں مشہور و معروف ہے۔ یہاں وافر مقدار میں سیب کی پیداوار ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے شوپیاں کو Apple Bowl of Kashmir بھی کہتے ہیں۔

پُر تناؤ ماحول، کشیدہ حالات، شورش اور ٹکراؤ کی وجہ سے شوپیاں بھی قتل و غارت اور خون خرابہ کا شکار رہا ہے۔ 2008 اور 2010 کی عوامی احتجاجی تحریک میں باقی اضلاع کے ساتھ ساتھ ضلع شوپیاں کے حالات بھی انتہائی پُر تناؤ اور کشیدہ رہے۔ یہاں کئی بار انسانیت سوز واقعات رونما ہوئے ہیں۔ 2009 میں 29

اور 30 مئی کی درمیانی رات میں یہاں اس وقت انسانیت سوز واقع رونما ہوا جب دو خواتین جو آپسی رشتے میں ایک دوسرے کی بھابی اور نند لگتی تھیں کی ایک ساتھ عصمت ریزی کرنے کے بعد ان کو قتل کر دیا گیا۔ اس واقع کے پورے کشمیر میں احتجاجی لہر شروع ہو گئی اور ضلع شوپیاں میں کئی مہینوں تک مکمل ہڑتال جاری رہی۔ بہ نظرِ غائر مشاہدے سے یہ واضح ہوا کہ یہاں بھی تنازعہ سے متاثر نیم بیواؤں کی ایک خاصی تعداد موجود ہے۔ لہٰذا اضلاع کے ساتھ ساتھ یہاں بھی نیم بیواؤں کے گھر گھر جا کر ان کے ساتھ بات چیت کر کے محقق کو پتہ چلا ہے کہ یہ نیم بیوائیں کرب، عذاب، تکالیف، معاشی ابتر حالی بے شمار کٹھن اور پیچیدہ مسائل کی شکار ہیں۔

2011 مردم شماری کے مطابق ضلع شوپیاں کی کل آبادی 2,66,215 تھی۔ جس میں مردوں کی تعداد 1,36,480 جبکہ خواتین کی تعداد 1,29,735 ہیں۔ ضلع کا جنسی تناسب 951 ہے۔ ضلع کی تعلیمی شرح 60.76٪ ہے جس میں مردوں کی شرح خواندگی 70.27٪ خواتین کی شرح خواندگی 50.9٪ ہے۔(ibid)

وسطی کشمیر (Central Kashmir)

8۔ بڑگام (Budgam)

بڑگام پہلے بارہمولہ کا ایک حصہ ہوا کرتا تھا جبکہ سرینگر اس وقت خود اننت ناگ کا حصہ تھا۔ دونوں اضلاع کو ملا کر ایک ہی ضلع سری پرتاپ کے نام سے تشکیل دیا گیا۔ ابتدا میں بڑگام ضلع کو پرگانہ دیسو بھی کہا جاتا تھا۔ بڑگام سب سے نزدیک ترین ضلع ہے مرکزی ضلع سرینگر کا۔

بڑگام میں مشہور سیاحتی مقام یوسمرگ جو کہ پچاس کلومیٹر سرینگر سے اور 7500 فٹ سطح سمندر سے اوپر ہے۔ قدرت کے کئی دلفریب اور پرکشش نظارے یہاں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ یہاں کے تواریخی مقامات میں دودھ پھتری بھی اپنی خوبصورتی اور تواریخی اعتبار سے اہمیت کی حامل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب کشمیر کے مشہور معروف صوفی بزرگ نند ریشی (شیخ نور دین ولیؒ) یہاں وضو کے لئے پانی تلاش کر رہے تو یہاں دودھ نکلا اور یہ جگہ تب سے دودھ پتھری کے نام سے زیادہ مشہور ہوگئی۔ یہاں اور بھی کئی سیاحتی مقام دیکھنے کو ملتے ہے جیسے ٹنگ نار، مجھ پتھری، سوژل پتھری اور یالہ میدان۔ علاوہ ازیں نلہ ناگ، سنگ سفید اور توسہ میدان بھی سیاحوں کے لئے سکون قلب اور دلکش نظاروں کا ایک بہترین مقام ہے۔

2011 مردم شماری کے مطابق ضلع بڑگام کی کل آبادی 7,53,745 تھی۔ جس میں مردوں کی تعداد 3,98,041 جبکہ خواتین کی تعداد 3,55,704 ہیں۔ ضلع کا جنسی تناسب 894 ہے۔ ضلع کی تعلیمی شرح 56.08٪ ہے جس میں مردوں کی شرح خواندگی 66.30٪ خواتین کی شرح خواندگی 44.85٪ ہے۔ (ibid)

9۔ سرینگر (Srinagar)

سرینگر کشمیر کا مرکزی ضلع ہے جس کو جموں ضلع کے بعد ہندوستانی ریاستوں میں دوسری حیثیت حاصل ہے۔ سرینگر موسم گرما میں ریاستِ جموں وکشمیر کی راجدھانی جبکہ موسم سرما میں ریاستِ جموں وکشمیر کی راجدھانی کا کلیدی رول جموں صوبہ ادا کرتا ہے۔ تواریخی اعتبار سے سرینگر خانقاہوں، آستانوں اور درگاہوں سے بھی بہت مشہور ہے جیسے، ہارِ پربت، حضرت بل درگاہ، جامع مسجد، شاہ ہمدان، درگاہ مقدوم صاحب اور شنکر اچاریہ مندر۔

سیاحتی مقامات کے لحاظ سے مرکزی ضلع سرینگر کو بہت ہی خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ ضلع ہمیشہ سے سیاحوں کے لئے پر کشش رہا ہے۔ شالیمار باغ، شنکر آچاریہ پہاڑ، اندرا گاندھی گلہ لالہ باغ، جیل ڈل، جیل نگین، بے تاب ویلی اور مغل گارڈن۔ یہ دونوں اضلاع سرینگر اور بڈگام ہمیشہ سے پر تناؤ ماحول اور کشیدگی سے متاثر ہوتے رہے ہیں۔ ان دونوں اضلاع میں چاہے عسکریت پسند تحریک ہو یا حریت کانفرس تحریک، سیاسی جماعتیں ہو یا اور کوئی، سب جماعتوں کے اثرات سے بہت زیادہ متاثر رہے ہیں۔ یہ صورت حال بدستور جاری ہے اور ان اضلاع ہمیشہ کہیں نہ کہیں افراتفری کا ماحول اکثر گرم رہتا ہے۔

2011 مردم شماری کے مطابق ضلع سرینگر کی کل آبادی 12,36,829 تھی۔ جس میں مردوں کی تعداد 6,51,124 جبکہ خواتین کی تعداد 5,85,705 ہیں۔ ضلع کا جنسی تناسب 900 ہے۔ ضلع کی تعلیمی شرح ٪69.63 ہے جس میں مردوں کی شرح خواندگی ٪76.43 خواتین کی شرح خواندگی ٪62.11 ہے۔(ibid)

10۔ گاندربل (Ganderbal)

گاندربل نام مشہور موسم بہار" گاندر بھون" سے نکلا ہے جو کہ قدیم زمانے میں گیٹ وے ٹو سنٹرل ایشیا کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ ضلع گاندربل 2007 تشکیل دیا گیا۔ یہ ضلع سرینگر کے شمالی حصہ کی طرف سے پڑھتا ہے۔ جھیل سندھ اسی ضلع سے گذرتا ہے اور پھر دریائے جہلم کے ساتھ جا ملتا ہے۔ اس ضلع میں تین ہائیڈرو الیکٹرک پاور اسٹیشن موجود ہے۔ جو کہ لور سندھ، اپر سندھ اور سمبل جنریٹنگ الیکٹرسٹی سے جانے جاتے ہے۔

ضلع گاندربل سیاحتی مقامات سے بھی بہت مشہور ہے۔یہاں کئی سیاحتی مقامات کی بہترین اور دلکش جگہیں موجود ہے جیسے درگاہ قمر صاحب، کھیر بوانی مندر، نارہ ناگ، جیل مانسبل کے علاوہ آبی ذخائر کے کچھ خاص مقام بھی ہے جن میں، گنگہ بل، نندہ سر، گاڈھ سر، وسن سر، کشن سر، کلن اور سونہ مرگ سرِفہرست ہے۔

2011 مردم شماری کے مطابق ضلع گاندربل کی کل آبادی 2,97,446 تھی۔جس میں مردوں کی تعداد 1,58,720 جبکہ خواتین کی تعداد 1,38,726 ہیں۔ضلع کا جنسی تناسب 901 ہے۔ضلع کی تعلیمی شرح 56.47٪ ہے جس میں مردوں کی شرح خواندگی 67.38٪ خواتین کی شرح خواندگی 43.95٪ ہے۔(ibid)

Kashmir Division consists of ten districts

Name of the District	Population	Male	Female	Literacy	Male	Female	Sex Ratio
Anantnag	1,078,692	559767	518925	62.69	72.66	52.19	937
Kulgam	424483	217620	206863	59.23	69.59	48.49	951
Pulwama	5,60,440	29,3,064	2,67,376	73.15	82.79	60.71	912
Shopian	266,215	136,480	129,735	60.76	70.27	50.9	951
Budgam	753745	398041	355704	56.08	66.30	44.85	894
Srinigar	1236829	651124	585705	69.63	76.43	62.11	900
Ganderbal	297446	158720	138726	56.47	67.38	43.95	901
Bandipora	392,232	207,680	184,552	56.28	66.88	44.34	889
Baramulla	1008039	534733	473306	67.2	75.5	52.4	889
Kupwara	870354	474190	396164	62.92	74.2	49.67	898

Source: Census of India 2011

3.2۔ سماجی اور معاشی موقف

اللہ تعالیٰ نے روز اول سے ہی دنیا کی بنیاد مرد اور عورت سے رکھی پھر دھیرے دھیرے یہ سلسلہ آگے چلتا رہا۔ اس طرح انسان رفتہ رفتہ پوری دنیا میں پھیلتے گئے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کچھ اقوام نے دوسروں پر سبقت لے کر ہر میدان میں کامیابی حاصل کی۔ جس کے بعد وہ دوسری قوموں کو زیر کرنے کی کوششیں بھی کرنے لگے نتیجتاً ملکوں و قوموں میں قتل و غارت گری کی ابتدا ہوئی اور یوں ملک و قوم تباہ و برباد ہونے لگے، لاتعداد بچے یتیم ہوگئے یہاں تک کہ ان کی کفالت کرنے والا کوئی نہ رہا۔ خواتین کے سہاگ اجڑ گئے اور ایک بڑی تعداد میں عورتوں کے شوہروں کو غائب کر دیا گیا۔ خواتین کا یہ طبقہ جن کے شوہر غائب کر دیئے گئے، سخت پریشانیوں سے دوچار ہوئیں۔ یہاں تک کہ اُن کی زندگی کا بیشتر حصہ انتظار اور یاس میں گزرا۔ المیہ تو یہ ہے کہ انہیں سماج میں پریشانیوں اور دشواریوں نے اس قدر گھیر لیا ہے کہ یہ انہیں اپنا نصیب سمجھ کر زندگی گذارنے لگیں۔ انہیں سماج میں مذہبی فریضہ کے سوائے کوئی خاص اہمیت نہیں دی جاتی بلکہ برعکس اس کے سماج کا ناسور سمجھی گیئں۔ جب کہ ان متاثرہ خواتین پر مخصوص توجہ کی ضرورت تھی۔ اس کے برعکس یہ مظلوم نہ کبھی اپنی مرضی سے زندگی گزار سکتی ہیں نہ ہی اپنی ضروریات زندگی کو پورا کر سکتی ہیں۔

3.2.1 جواب دہندگان کی رہائش (Residence of respondents)

رہائش معاشرے کے سماجی و معاشی موقف کا اہم عنصر ہے اور زندگی کو بہتر اور ترقی یافتہ بنانے میں بھی رہائش ایک اہم رول ادا کرتی ہے۔ جہاں تک وادی کشمیر کا تعلق ہے یہاں کی اکثر آبادی دیہی علاقوں میں رہتی ہیں۔ اور یہاں کے سیاسی انتشار سے یہ آبادی سب سے زیادہ متاثر ہوئی ہے کیونکہ اکثر گمشدہ ہوئے افراد کا تعلق دیہی علاقوں سے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کو مختلف قسم کی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

Table 3.2.1 Residence of respondents

S.No	Residence	Frequency	%tage
1	Urban	44	14.66
2	Rural	202	67.33
3	Semi Urban	54	18
Total		**300**	**100**

اوپر دیئے گئے جدول سے یہ بات عیاں ہے کہ 67.33٪ جواب دہندگان دیہی علاقوں سے تعلق رکھتیں ہیں جبکہ 18٪ جواب دہندگان کا تعلق semi urban آبادی سے ہیں۔ اس کے علاوہ صرف 14.66٪ جواب دہندگان شہری علاقوں سے تعلق رکھتیں ہیں۔ مذکورہ بالا تجزیہ سے بات صاف طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ جواب دہندگان کی اکثریت دیہی علاقوں میں زندگی گذر بسر کر رہی ہیں۔

3.2.2۔ جواب دہندگان کی عمر (Age Group of Respondents)

کسی بھی تحقیق میں محقق کو اپنے کام کا ہر زاویے سے جانچ کرنی پڑتی ہے، جس کے لئے وہ مختلف طریقہ کار کو استعمال کرتا ہے۔ سماجی تحقیق میں جواب دہندگان کی عمر بہت اہمیت کی حامل ہے عمر کے لحاظ سے ان کے سماجی مسائل کا اندازہ احسن طریقے سے لگایا جاسکتا ہے۔ عمر سے ان کے ذہنی سوچ و فکر اور مسائل کا ادراک کرنے کا بہتر اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ہر ریاست کی طرح کشمیر میں بھی شادی کی کوئی متعینہ عمر نہیں ہے۔ کئی جگہوں پر کم اور کہیں پر زیادہ عمر میں شادی ہوتی ہے۔ کشمیر کی سیاسی کشمکش کی وجہ سے نیم بیوائیں بھی ہر عمر میں پائی جاتی ہیں۔ دراصل یہاں کے کشیدہ سیاسی حالات میں ہر خاص وعام کو شک کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور ہر عمر کے لوگوں کو ستایا جاتا تھا۔ تحقیق سے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ مختلف عمر کے Groups کے مختلف مسائل ہوتے ہیں اور جس عورت کا شوہر جتنا پہلے ان سے جدا ہوا ہے اس کے مسائل عمر دراز عورتوں سے زیادہ ہیں اور وہ طرح طرح کے مسائل سے دوچار ہوتی ہے۔

Table 3.2.2

Age Group of Respondents (Half-Widows)

S.NO	Age group of Respondents	No.	Percentage
1.	26-35	56	18.66%
2.	36-45	125	41%
3.	46-55	74	24.66%
4.	56-65	45	15%
Total		**300**	**100%**

اوپر دیے گیے جدول سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس تحقیق میں سب سے زیادہ یعنی 41 فیصد خواتین کی عمر 45-36 سال کے زمرے میں آتی ہے۔ اس کے علاوہ 24.66 فیصد خواتین کی عمر 55-46 سال، 18.66 فیصد خواتین کی عمر 35-26 سال اور 15 فیصد خواتین کی عمر 65-56 کے درمیان پائی گئی۔ اگر ہم مجملہ طور پر مشاہدہ کریں تو یہ پتہ چلے گا کہ جواب دہندگان کی اکثریت 45-26 سال کے درمیان میں آتی ہے جس کا کل تناسب 59.66٪ ہے۔

تحقیق کے دوران یہ بات سامنے آئی ہے کم عمر کی خواتین کا شرح تناسب سب سے زیادہ ہے اور ان کے معاشی، اقتصادی گھریلو، نجی مسائل بھی دوسروں کی نسبت زیادہ ہیں۔ ان کا انحصار بھی دوسروں پر زیادہ ہوتا ہے۔ یا تو ان کو میکے میں گھٹ گھٹ کر مرنا پڑتا ہے۔ یا سسرال میں تذلیل بھری زندگی گزارنی پڑتی ہے۔ اس کے برعکس عمر رسیدہ نیم بیواہ خواتین کے مشکلات کچھ حد تک کم ہوتے ہیں۔ ان کی اولاد اس عمر میں ان کا سہارا بنتے ہیں جس سے ان کے پریشانیوں میں کمی ہوتی ہے۔ ان کی امیدیں ان کی اولادوں سے وابستہ ہوتی ہیں جبکہ کم عمر خواتین کی امیدیں ہمیشہ اسی آس میں لگی رہتی ہیں کہ ان کے شوہر کے واپس آنے سے ہی سے ان کی زندگی کی امیدوں میں بہار آسکتی ہے ورنہ وہ مرنے کو جینے پر ترجیح دیتی ہے کیونکہ انہوں نے اپنی خواہشات کا گلہ گھونٹ دیا ہوتا ہے۔

Graph No: 1
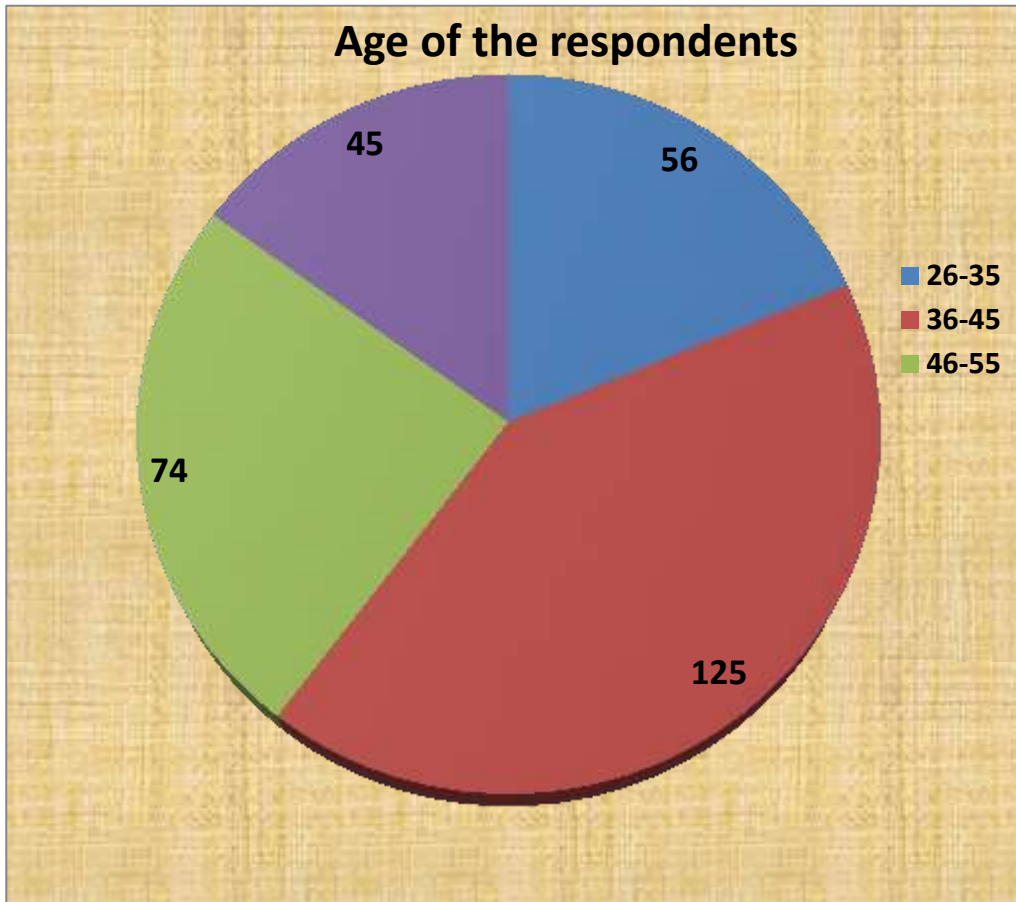
3.2.3. شادی کے وقت جواب دہندگان کی عمر

شادی زندگی کا ایک اہم مرحلہ ہے لیکن اس اہم مرحلے کو صحیح وقت پر انجام دیا جانا چاہئے۔ اگر ایک لڑکی کی شادی کم عمر میں ہو جاتی ہے تو اس سے بہت سارے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ سب سے پہلے وہ جسمانی طور پر متاثر ہوتی ہے کیونکہ وہ جسمانی طور پر اس قابل نہیں ہوتی کہ وہ بچے کی پیدائش کا کام انجام دے سکے۔ عام سروے سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ زیادہ تر خواتین کی موت زچگی کے دوران کم عمر کی وجہ سے ہوتی ہے اور وہ اس قابل نہیں ہوتی کہ وہ بچے پیدا کر سکیں۔ اس کے علاوہ ان کا تعلیمی مستقبل بھی متاثر ہوتا ہے۔ اور وہ خاندانی مشاغل کی وجہ سے اپنی تعلیم جاری نہیں رکھ پاتی۔ تحقیق کے دوران یہ بات واضح ہوگئی کہ متاثرہ خواتین میں اکثر خواتین کی عمر ابھی بالکل کم تھیں۔ اور سیاسی کشمکش کی وجہ اکثر والدین اپنی بیٹیوں کی کم عمر میں ہی شادی کر دیتے تھے تاکہ وہ کسی جنسی تشدد کا شکار نہ بن سکے۔

ہندوستان میں بیشتر لڑکیوں کی شادیاں کم عمر میں ہوتی ہیں جب کہ قانونی اعتبار سے شادی کے لیے 18 سال کی عمر طے پائی گئی ہے۔ لیکن یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ فوج کی زیادتیوں کی وجہ سے وادی کشمیر میں کم عمر کی شادی کا رواج عام ہے۔ جس کے مضر اثرات ان کی بیوگی کے بعد بڑھ جاتے ہیں۔ یہ نیم بیوہ خواتین اگر دوسری شادی کرنا چاہیے تو سماج انہیں اجازت نہیں دیتا۔ معاشی مسائل بڑھ جاتے ہیں۔ سیاسی اعتبار سے بھی ظلم کا نشانہ بنتی رہتی ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ ان کے محرم کا ان کے ساتھ نہ ہونا ہے۔ ان حالات میں یہ مفلس خواتین کبھی حکمرانوں کی زیادتیوں سے تنگ آکر تو کبھی خاندان والوں سے بے زار

ہو کر تو کبھی مذہبی روایت کی وجہ سے وہ خود کشی کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ سماج کا یہ نصف بہتر معاشرے کے پدرانہ نظام کی زد میں آ کر استحصال کا ہو رہا ہے۔ جس کی مثال ذیل میں سروے پر مبنی جدول سے دی جاسکتی ہے۔

Table 3.2.3

Age of Respondents at the time of Marriage

S.No.	Age at Marriage	No. of Respondents	Total
1.	Below18	60	20%
2.	18-22	234	78%
3.	23-27	6	2%
Total		**300**	**100%**

جدول 3.2.3 میں جواب دہندگان خواتین کی شادی کے وقت عمر کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ جس میں سب سے زیادہ شرح یعنی 78٪ ان خواتین کی ہیں جن کی شادی 22-18 سال کے درمیان ہوئی ہے۔ اسی طرح 20٪ خواتین کی شادی 18 یا 18 سال سے کم عمر میں ہوئی ہے۔ سب سے کم شرح یعنی 2٪ ان خواتین کی ہیں جن کی شادی 27-23 سال کی عمر میں ہوئی ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کشمیر میں 1980 سے پہلے شادی کم عمر میں ہی ہوتی تھی۔

مذکورہ بالا تجزیے کی روشنی میں محقق نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ زیادہ تر خواتین کی شادی **22** سال سے کم عمر میں ہوئی ہے۔ جب کہ یہ عمر پڑھنے لکھنے کی عمر ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں اس عمر میں وہ جسمانی طور پر اس قابل نہیں

ہوتیں کہ وہ بچے کی پیدائش کا کام انجام دے سکیں۔ ایسے میں ان کو بہت سارے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ ان کا تعلیمی مستقبل بھی پوری طرح متاثر ہوتا ہے۔ اگر ان خواتین کو تعلیم سے آراستہ کرنے کے بعد شادی کے بندھن میں باندھ لیا جائے تو یہ نہ صرف ان کے لئے بلکہ پورے سماج کے لئے مفید و معاون ثابت ہوگا۔ کیونکہ صرف ایک پڑھی لکھی عورت اپنے بچے کی بہتر تربیت کر سکتی ہے۔ اس کے برعکس ایک ناخواندہ عورت ایسا کرنے سے قاصر رہتی ہے۔

Graph No: 2
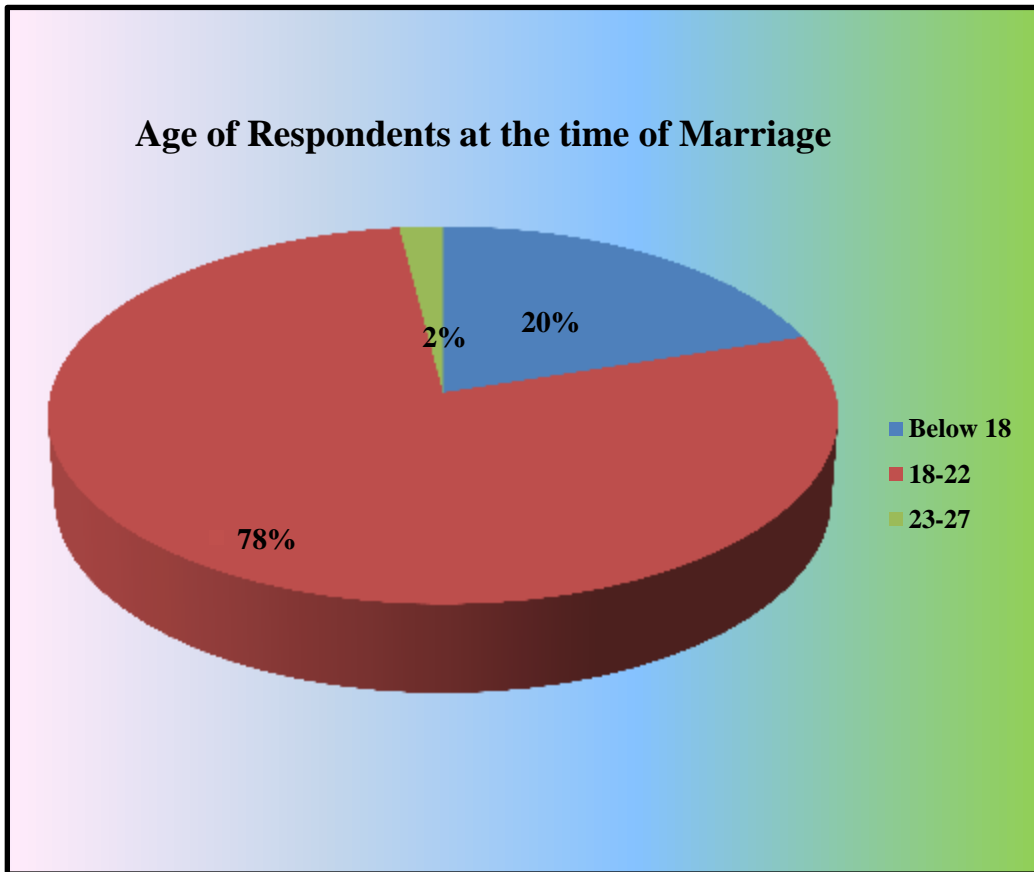
3.2.4۔شادی شدہ زندگی کی مدت اور ان کی عمر (Age and marital duration)

زندگی میں تبدیلی شادی کے بعد وقوع پزیر ہوتی ہے۔شادی کے بعد انسان زیادہ ذمہ دار بھی ہو جاتا ہے اور نجی ضروریات کو پورا کرنے پر قادر رہتا ہے۔اسی طرح لڑکی شادی کے بعد عورت کی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں۔جس کے بعد اس کی زندگی بھی ایک نیا موڑ لے تی ہے۔یہ دونوں جنس (مرد اور عورت) شادی کی رسم کے ساتھ ہی خوشحال زندگی گزارنے کا تہیہ کر لیتے ہیں۔

عورت شوہر کی خدمات کے ساتھ ساتھ باقی گھریلو کاموں کو پورا کرنے میں لگی رہتی ہے۔مرد بیوی کی ضرورت کے مطابق اس کی کفالت کے علاوہ اس کی ہر جائز خواہش کی تکمیل کرتا ہے جو کسی بھی مرد کے فرض میں شامل ہوتا ہے۔یہ دونوں فرد اپنی اپنی ذمہ داریوں کو بہ خوبی نبھائیں تو زندگی خوشحال بن جاتی ہیں ورنہ ازدواجی زندگی میں کئی نشیب و فراز پیدا ہوتے ہیں۔اس ضمن میں اگر ہم کشمیر کی بات کریں تو حالات اس سے مختلف نظر آئیں گے۔یہاں کے سیاسی انتشار کی وجہ سے ہر طرف سے زندگی مفلوج ہو کر رہ گئی ہے۔ شورش کی وجہ سے سب سے زیادہ متاثر سماج کی وہ خواتین ہوتی ہیں جن کے شوہر ان کی زندگی سے غائب کر دئے گئے ہیں۔ تحقیق کے دوران یہ بات سامنے آگئی کہ اس سیاسی کشمکش میں سماج کے ہر طبقہ کی خواتین متاثر ہوئی ہیں،اور سب سے زیادہ خواتین کا وہ طبقہ متاثر ہوا جن کو اپنے شوہر کے ساتھ بہت کم وقت گزارنے کا موقعہ ملا۔جدائی کے بعد ان کو طرح طرح کے مسائل سے دوچار ہونا پڑا اور ان کی زندگی اُن کے

لئے بوجھ بن گئی اسی طرح جن نیم بیواؤں کو اپنے شوہروں کے ساتھ کم وقت گزارنے کا موقعہ ملا ان کو

جسمانی تناؤ کے علاوہ ذہنی انتشار کا بھی سامنا کرنا پڑا اور سماج میں بھی ان کو بُری نظر سے دیکھا جاتا رہا ہے۔

Table 3.2.4

Age and marital duration

Age at the time of marriage	1-4 yrs	5-8 yrs	9-12 yrs	13-16 yrs	Total	Percentage
Below 18	5	16	31	8	60	20%
18-22	8	56	143	27	234	78%
23-27	2	3	1	0	6	2%
Total	**15**	**75**	**175**	**35**	**300**	**100%**

جدول نمبر3.3.4 میں جوابدہندگان کی عمر اور شادی شدہ زندگی کی مدت کے بارے میں بتایا گیا

ہے۔ جس میں سب سے زیادہ شرح یعنی58.33٪ ان خواتین کی ہیں جو9-12 سال اپنے شوہروں کے ساتھ

رہ چکی ہیں۔اسی طرح 20٪شرح ان خواتین کی ہے جو5-8 سال تک اپنے شوہروں کے ساتھ رہی

ہیں۔11.66٪ فیصد شرح ان خواتین کی ہے جن کہنا ہے کہ وہ13-16 سال کی مدّت تک اپنے شریکِ حیات

کے ساتھ رہی ہیں، اور سب سے کم شرح یعنی5٪ ان خواتین کی ہے جو صرف 1-4 سال تک اپنے شوہروں

کے ساتھ رہی ہیں۔

اس جدول سے بات صاف طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ زیادہ تر خواتین کی عمر تیس سال سے کم تھی

جب ان کے شوہر غائب کر دیے گئے۔ متذکرہ جدول کے مطابق 78٪ خواتین عمر کی 18 سے 22 سال کے بیچ میں تھی، جب ان کی شادی ہوئی۔ 20٪ فیصد خواتین کی عمر 18 سال سے کم تھی۔ صرف 2٪ خواتین کی شادی 23۔27 سال کی عمر میں ہوئی ہے۔

مذکورہ بالا تجزیہ کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ زیادہ تر خواتین نے بہت کم وقت اپنے شوہر کے ساتھ گذارا ہے جبکہ اس عمر میں فطری طور پر خواتین کے ساتھ شوہر کا ہونا بہت ضروری ہے۔ اور جب اس عمر میں شوہر غائب ہو جاتا تو یہ خواتین مختلف ذہنی و نفسیاتی پریشانیوں میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔

Graph No: 3
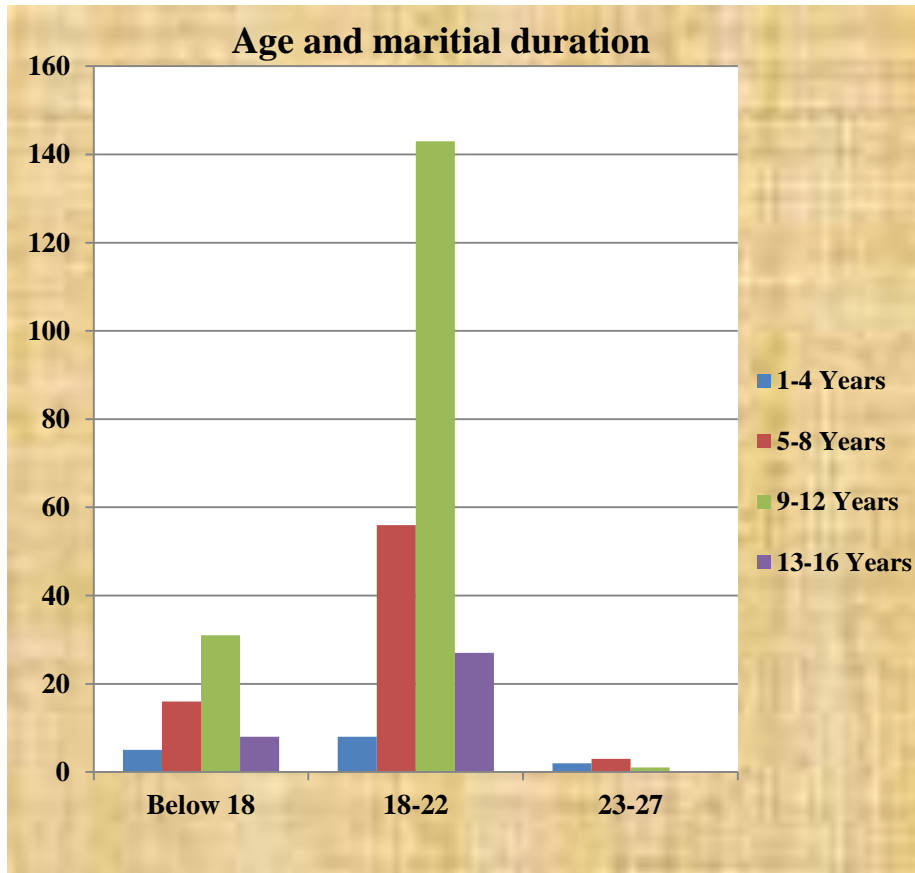
3.2.5۔ جواب دہندگان کی تعلیمی حیثیت:

کسی بھی ملک کی ترقی اس وقت ممکن ہوتی ہے جب اس میں رہنے والے تمام عوام کی ترقی اور نشوونما یکساں طور پر کی جائے۔ اگر کسی طبقے کو پست رکھا جائے تو ملک کی مکمل ترقی ناممکن ہے۔ جہاں تعلیم انسان کو زندگی کا شعور اور علم عطا کرتی ہے وہیں معاش کے حصول کا ذریعہ بھی بنتی ہے۔ تعلیم جس قدر مردوں کے لیے ضروری ہے اتنی ہی عورتوں کے لئے بھی ضروری ہے۔ تعلیم کا مقصد انسانی کردار کی تعمیر و تشکیل ہے۔ یوں تو ہر انسان اپنے گردوپیش کے ماحول سے بہت کچھ سیکھتا ہے لیکن تعلیم اس کی راہ متعین کرتی ہے۔ اور زیادہ منظم اور پُر اثر اور بہتر طریقے سے سیکھنے میں مدد ثابت ہوتی ہے۔ تعلیم انسان کے نظریات میں تغیر و تبدیلی لانے کا معاون ذریعہ ہے۔ اور معاشرے میں رونما ہونے والے تمام تر سماجی، معاشی، تعلیمی اور صحتی مسائل کو مختلف زاویہ نظر سے دیکھنے، صحیح زاویے سے پرکھنے کی صلاحیت پیدا کرنے میں اہم رول ادا کرتی ہے۔ جواب دہندگان کی تعلیمی حیثیت ان پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اس لیے ان کے تعلیمی صورتحال کا جائزہ لینا بہت پہ ضروری ہے۔

Table No: 3.2.5

Educational Status of Respondents

S. No	Education	Respondents	%
1	Illiterate	177	59%
2	Primary	74	24.66%
3	Secondary	29	9.66%
4	12th	14	4.66%
5	Higher	6	2%
Total		**300**	**100%**

جدول نمبر3.2.5سے معلوم ہوتا ہے کہ ناخواندہ خواتین کی شرح59٪ ہے۔ جبکہ24.66٪ جواب دہندگان نے بنیادی سطح تک تعلیم حاصل کی ہیں۔ اسی طرح ثانوی سطح تک تعلیم حاصل کرنے والی جواب دہندگان کا تناسب9.66٪ پایا گیا ہے۔ بارہویں جماعت تک تعلیم حاصل کرنے والے جواب دہندگان کا تناسب4.66٪ پایا گیا اور اعلیٰ سطح تک تعلیم حاصل کرنے والے جواب دہندگان کا تناسب2٪ پایا گیا۔

مذکورہ بالا تجزیہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ جواب دہندگان کی ایک بڑی تعداد ناخواندہ ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ آج بھی خواتین کی تعلیم کو لے کر ان سے غیر مساویانہ سلوک برتا جارہا ہے۔ ناخواندہ ہونے کی وجہ سے خواتین اپنے شوہر کو ڈھونڈنے میں کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کے برعکس اگر یہ خواتین تعلیم یافتہ ہوتیں تو انہیں اس بات کا علم ہوتا کہ ہمیں شوہروں کو ڈھونڈنے میں کن افراد یا تنظیموں سے رجوع کرنا ہیں۔

Graph No:4
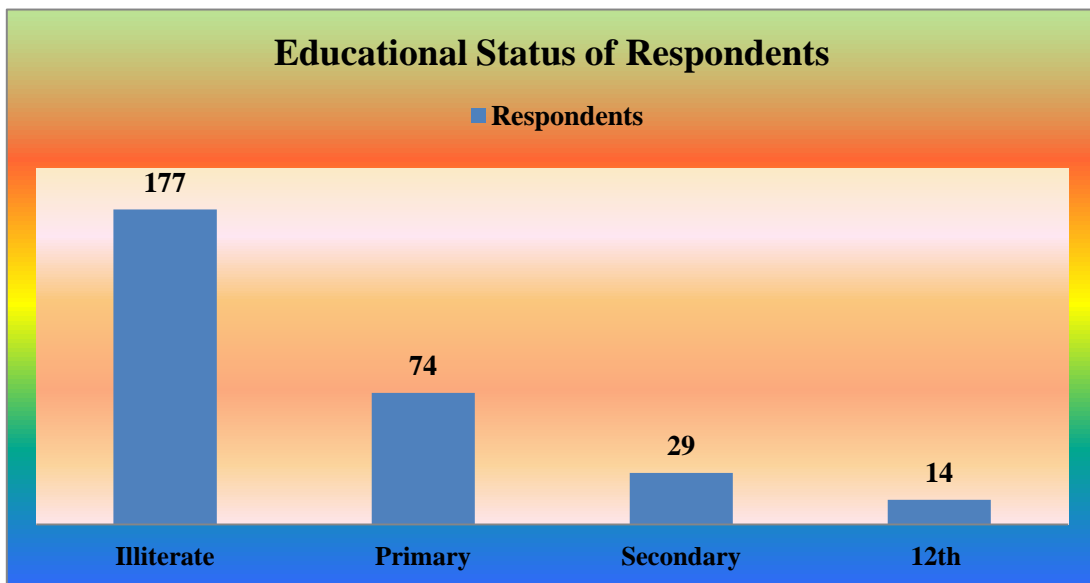
3.2.6 .خاندان کے سرپرست

Head of the Family

منتخب نمونے سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ اکثر نیم بیوائیں خود ہی امور خانہ داری کی ذمہ داریاں نبھا رہی ہیں کیوں کہ شوہر کے غائب ہو جانے کے بعد یا تو انہیں الگ گھر بسانے پر مجبور کیا گیا یا ان کا شوہر گھر کا واحد کمانے والا فرد تھا۔ تو اس لحاظ سے یہ نیم بیوہ خواتین شوہر کے غائب ہو جانے کے بعد مختلف، پیچیدہ اور سخت مسائل سے دوچار ہو جاتی ہیں۔ اور ان پر مزید ذمہ داریوں کا بوجھ ان کے لیے عذاب اور ذہنی پریشانی کا باعث بن کر ابھر رہا ہے۔ جس کی وجہ سے ان کی زندگی ان کے لیے وبالِ جان بن گئی ہے۔

یہ خواتین ان حالات میں نہ زمانہ سے اپنی مشکلات کا حل کروا سکتی ہیں نہ ہی اپنے گھر والوں کو ان امور میں شامل کر سکتی ہیں کیوں کہ غیر شادی شدہ لڑکیوں کے بہ نسبت شادی شدہ خواتین کے مسائل زیادہ ہوتے ہیں۔ اسی لیے وہ گھر کے لیے ایک ذمہ دار فرد کی حیثیت سے فرائض انجام ادا نہیں کر سکتیں۔

جواب دہندہ نیم بیوہ خواتین کی خاندانی سرپرستی سے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ فرد ہی گھر کا سرپرست ہوتا ہے۔ لیکن جہاں حالات کشمیر جیسے ہوں وہاں یہ ذمہ داری عورتوں کے کندھوں پر آن پڑتی ہے۔ اس بات کی وضاحت درجہ ذیل جدول میں دی گئی ہے۔

Table 3.2.6

Head of the Family

S.No	Head of Family	Respondents	Total
1	Yourself	120	40%
2	Father-in-law	15	5%
3	Mother-in-law	12	4%
4	Father	9	3%
5	Mother	3	1%
6	Son	106	35.33%
7	Daughter	28	9.33%
8	Brother	7	2.33%
	Total	**300**	**100%**

مندرجہ بالا جدول میں جواب دہندگان کا ان کے گھر کی سرپرستی کے حوالے سے معلومات دی گئی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ سب سے زیادہ شرح یعنی ٪40 ان خواتین کی ہے جو اپنے گھروں میں سرپرست کی حیثیت سے خود ذمہ داریاں نبھا رہی ہیں۔ ٪35.33 ان جواب دہندگان کی ہے جن کے گھر کی سرپرستی ان کے بیٹے انجام دے رہے ہیں، اسی طرح ٪9.33 جواب دہندگان کے حساب سے ان کی بیٹیاں، ٪5 جواب دہندگان کے مطابق ان کے سسر، ٪4 جواب دہندگان کے مناسبت سے ان کی ساس، ٪3 جواب دہندگان کے حساب سے ان کے والد، ٪2.33 جواب دہندگان کے حساب سے ان کے بھائی اور ٪1 جواب دہندگان کے مطابق ان کی مائیں گھریلو ذمہ داریوں کو انجام دے رہی ہیں۔ مذکورہ بالا اعداد و شمار سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ شوہر کے گمشدہ ہونے کی وجہ اکثر خواتین کو گھریلوں ذمہ داریاں خود اٹھانی پڑتی ہیں۔

Graph No. 5

Head of the Family
2.33%
9.33%
40%
36%
5%
4%
3%
1%
Head of the Family
Yourself
Father-in-law
Mother-in-law
Father
Mother
Son
Daughter
Brother
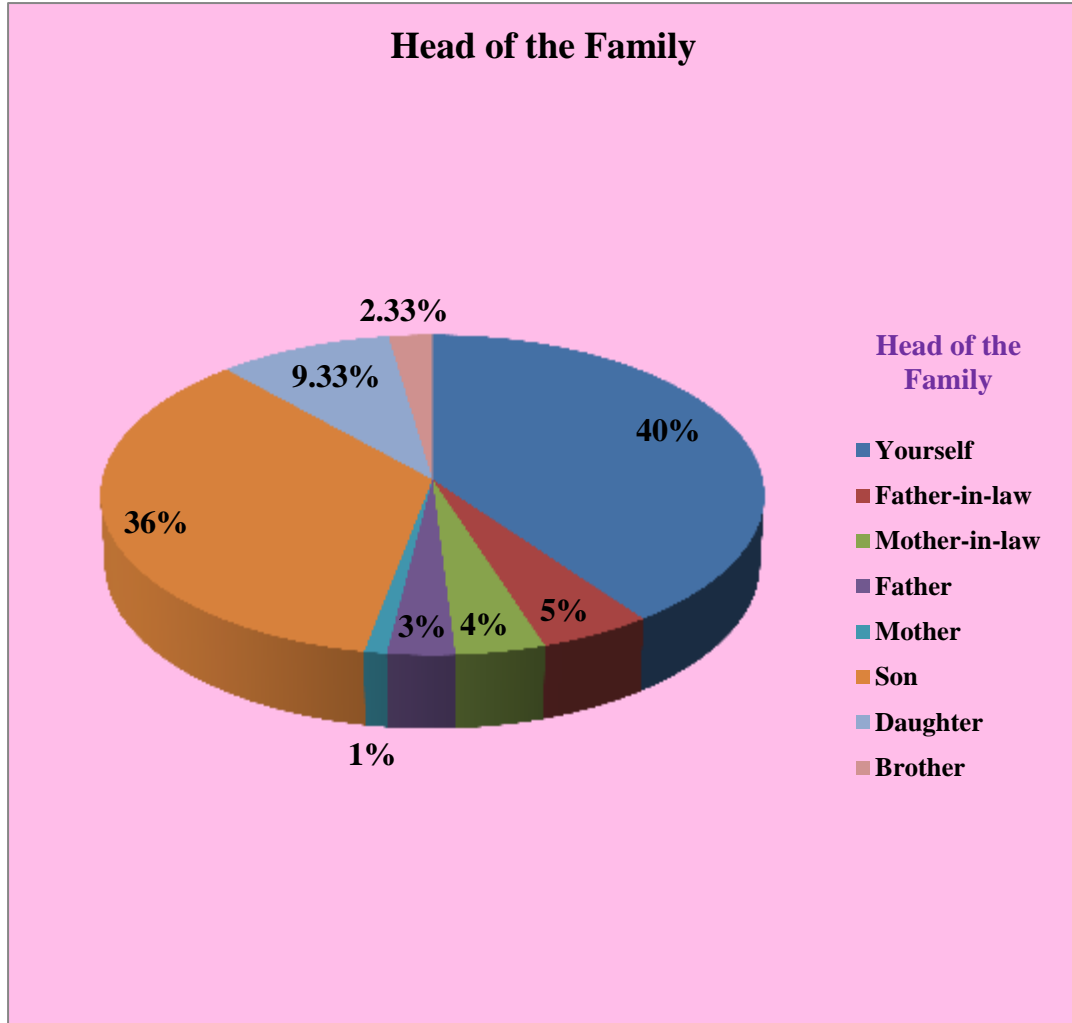
3.2.7 ۔ نیم بیوہ خواتین کی آمدنی شوہر کی گمشدگی سے پہلے اور گمشدگی کے بعد

جب کسی خاندان میں ایک کمائی کرنے والا غائب ہو جاتا ہے یا مر جاتا ہے تو اس کا اثر براہ راست نہ صرف خاندان کی معاشی حالت پر پڑتا ہے بلکہ بالواسطہ طور پر ان کے خاندان کی سماجی حیثیت بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ سماج میں پنپ رہے پدر شاہی نظام کی جڑوں نے مرد کو ہی ایک اہم کمائی کرنے والا تصور کیا ہے جب کہ عورت کو گھر کی چار دیواروں تک محدود رکھا گیا ہے۔ جب کبھی اچانک ان خواتین کے شوہر غائب ہو جاتے ہیں تو یہ اپنے بچوں کے لئے روزی روٹی تلاشنے کے لئے مجبور ہو جاتی ہے جو کہ ان کے لئے بہت ہی دشوار کن مرحلہ ہوتا ہے۔ ایک طرف یہ اپنے شوہروں کو ڈھونڈنے کی جی توڑ کوشش میں لگی رہتی ہیں دوسری طرف ان کے کندھوں پر بچوں کو پالنے کی ذمہ داریاں رہتی ہیں۔

Table: 3.2.7

Income of the family before and after disappearance of their husband

S.No.	Income range	before disappearance	after disappearance
1.	Less than 5000	61(20.33)	90(30)
2.	5000 to 10000	128(42.66)	89(29.6)
3.	10000 to 15000	84(28)	61(20.33)
4.	Above 15000	27(09)	60(20)
Total		**300**	**300**

اوپر دیئے گئے جدول سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ شوہر کے گمشدگی سے پہلے ٪42.66خواتین کے مطابق ہے کہ ان کے گھر کی ماہانہ آمدنی5000-10000 تھی۔اسی طرح٪28اخواتین کا کہنا ہے کہ شوہر کے غائب ہونے سے پہلے ان کی گھریلو ماہانہ آمدنی10000-15000ہزار تک تھی۔٪20.33خواتین کے مطابق شوہر کے گمشدگی سے پہلے ان کے گھر کی ماہانہ آمدنی5000ہزار سے زائد تھی،اور اسی طرح ٪9خواتین کی آمدنی 15000ہزار سے زیادہ تھی جب ان کے شوہر ان کے ساتھ تھے۔

اوپر دیئے گئے جدول سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ شوہر کے گمشدگی کے بعد٪30خواتین کے مطابق ان کے گھر کی ماہانہ آمدنی5000ہزار سے کم ہے۔ ٪29.6خواتین کا کہنا ہے کہ ان کے گھر کی ماہانہ آمدنی 5000-10000 کے بیچ میں ہے۔اسی طرح٪20.33اخواتین کا کہنا ہے کہ شوہر کے غائب ہونے کے بعد ان کی گھریلو ماہانہ آمدنی10000-15000ہزار تک کی ہے۔ اسی طرح ٪20خواتین کی آمدنی15000ہزار سے زیادہ ہے۔ تحقیق کے دوران محقق کو یہ بات پتہ چلی کہ کچھ جواب دہندگان کی آمدنی میں اضافہ اور کچھ جواب دہندگان کی آمدنی میں کمی واقع ہوئی۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ کمائی کا ذریعہ نیم بیوہ کے شوہر تھے جبکہ ان کی گمشدگیوں کے بعد بچے اور کہیں کہیں نیم بیوہ خواتین خود مختلف کاموں میں مصروف ہو کر کمانے لگی۔

مذکورہ بالا تجزیہ کی روشنی میں یہ بات صاف واضح ہوتی ہے کہ شوہر کی گمشدگی سے پہلے زیادہ تر خواتین کی معاشی حالت بہت اچھی تھی اور ان کے شوہر ہی کمائی کا بنیادی ذریعہ تھے۔ اسی طرح یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ جواب دہندگان کے ساتھ ساتھ ان کے بچے بھی کمائی کا ذریعہ بن گئے کیونکہ بہت سارے بچوں نے گھر کی

معاشی حالت سدھارنے کے لئے تعلیم ترک کر دی۔ چونکہ تعلیم بچوں کا بنیادی حق ہے لیکن باپ کی گمشدگی کے بعد یہی بچے جن کے ہاتھ میں قلم اور کاپی ہونا چاہیے، محنت و مزدوری کرنے کے لئے مجبور ہو جاتے ہیں اور اپنے گھر کے لئے اپنی تعلیمی زندگی کو قربان کر دیتے ہیں۔

Graph No: 6
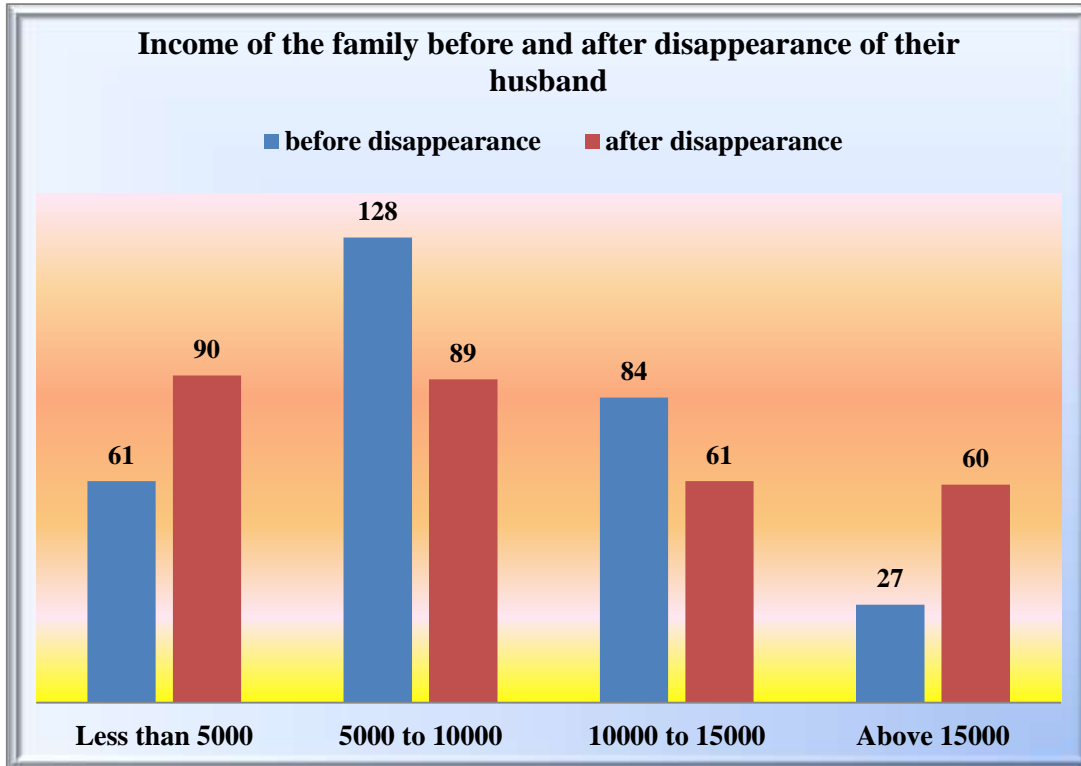
Case Study

یہ کہانی حالات کی ماری لاچار و بے بس خاتون آسیہ کی زندگی میں رونما ہوئے ایک المناک واقعہ پر مبنی ہے۔ آسیہ جو کہ نومبر 1997 میں اپنے شوہر کے اچانک غائب ہو جانے کے باعث نیم بیوہ ہو چکی ہے۔ اس وقت آسیہ کی عمر صرف 23 سال تھی جب اس کے شوہر کو غائب کیا گیا۔ میری تین اولادیں ہیں جبکہ تینوں بچوں کی تعلیم نویں جماعت تک آتے ہی گھر کی معاشی تنگدستی کے باعث چھوٹ چکی ہے۔ ناخواندہ ہونے کے باعث میں مشکل ہی سے گھر کا گذارا کر پاتی ہوں۔ خراب معاشی حالت کی وجہ سے میں اپنے بچوں کو مزید تعلیم دینے سے قاصر ہوں۔ آسیہ کے بیان کے مطابق ان کے شوہر کو جموں و کشمیر کے سرمائی راجدھانی جموں شہر سے غائب کیا گیا ہے۔ ''میں نے کولگام پولیس اسٹیشن میں FIR درج کیا اس کے باوجود پولیس کی طرف سے شوہر کے غائب ہونے کی کوئی خبر حاصل نہیں ہوئی۔'' حالانکہ میں روزانہ پولیس اسٹیشن کے چکر کاٹتی رہتی ہوں۔ پولیس مجھے ہر وقت شوہر کو ڈھونڈ نکالنے کا بھروسہ دے رہی ہے۔ آسیہ کے بیان کے مطابق ''مجھے اس نظام پر کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ گذشتہ 20 بیس سالوں سے میں گورنمنٹ کے جھوٹے وعدوں کا مشاہدہ کر رہی ہوں۔'' شوہر کے غائب ہونے کے بعد کئی سالوں تک آسیہ کو دور دور تک کوئی نظر نہیں آیا جسے سے وہ اپنی داستان غم سناتی۔ شوہر کے غائب ہو جانے کے بعد کئی مرتبہ فوجی اہلکاروں نے میرے گھر چھاپے بھی مارے اور تلاشی بھی لی۔ کافی عرصہ گذرنے کے بعد مجھے یہ محسوس ہوا کہ آرمی کیمپ، دفاتر وغیرہ کے چکر کاٹنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ لیکن 25 جون 2017 کے دن آسیہ کے دل میں دبا ہوا خوف پھر سے ابھر آیا جب اس کے بیٹے کو کولگام پولیس اسٹیشن میں پوچھ تاش کی غرض سے بلایا گیا۔

Source: Field survey 2017

شوہر کے غائب ہو جانے کے بعد آسیہ کو اپنے بچوں کو پالنے پوسنے کے لیے کافی محنت و مشقت کرنا پڑی۔ گھر کی ضروریات پورا کرنے کی غرض سے آسیہ ایک اسکول میں بحیثیتِ باورچی کے کام کر رہی ہے جہاں پر اسے ایک ہزار روپیہ ماہانہ تنخواہ ملتی ہے۔ شوہر کے غائب ہونے سے آسیہ جسمانی اور نفسیاتی طور پر ٹوٹ ہو چکی ہے۔ اسے کئی صحتی مسائل در پیش ہیں۔ گھر کے سرپرست کے کھونے کے باعث بچوں کی ضرورتیں پورا کرنے اور زندگی کا گذارہ کرنے کے لیے تمام تر ذمہ داریاں اس کے کندھوں پر آن پڑی ہے۔ اس المناک واقعہ کے پیش آنے کے بعد آسیہ کو پوری امید تھی کہ ریاست کی طرف سے اسے SRO کے تحت معاوضہ دیا جائے گا۔ مگر ستم ظریفی کی بات ہے کہ آسیہ کو ریاستی حکومت کی طرف سے کسی بھی قسم کی معاونت فراہم نہیں کی گئی، جب کہ اس کے برعکس ایسے کئی کیسز کے تحت متاثرین کو ریاستی حکومت کی طرف سے نوکریاں فراہم کی گئیں۔ یہاں پر آسیہ ایک سیدھا سا سوال کر رہی ہے کہ "اگر دوسروں کو معاوضہ دیا گیا پھر مجھ اکیلی کو کیوں نہیں"۔ آگاہی نہ ہونے کے باعث وہ تمام ان NGOs سے ناواقف ہے جو نیم بیواؤں کی فلاح و بہبودی کے لیے سرگرمِ عمل ہے۔

Table 3.2.8

No. of Children

S. No.	Number of Children	Frequency	%age
1.	1	6	2
2.	2	10	3.33
3.	3	67	22.33
4.	4	123	41
5.	5	61	20.33
6.	above 5	33	11
	Total	**300**	**100%**

اس جدول سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ 11٪ خواتین کے 5 سے زائد بچے ہیں۔ اسی طرح 5 بچے رکھنے والی خواتین کی شرح 20.33٪ ہے۔ 4 بچے رکھنے والی خواتین کا کل تناسب 41٪ ہے۔ اس کے علاوہ 22.33٪ جواب دہندگان کے تین تین بچے ہیں۔ 3.33٪ ایسی خواتین ہیں جن کے دو دو بچے ہیں۔ مزید بر آں ایک ایک بچہ رکھنے والی خوتین کا تناسب 2٪ ہے۔

انٹرویو کے دوران یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ خواتین مرد غالب سماج کی وجہ سے ایک بھی خاتون کو یہ حق نہیں دیا گیا کہ وہ کتنے بچے رکھے۔ یہ فیصلہ صرف اور صرف ان کے شوہر اور سسر ساس کے ہاتھ میں ہے۔ جن کے زیادہ بچے تھے ان کا کہنا ہے ہم زیادہ بچے رکھنا نہیں چاہتے مگر کیا کرے ہمارے شوہر اور سسر ساس کی چاہت ہے کہ زیادہ سے زیادہ بچے ہوں تا کہ ہمارے خاندان کی نسل قائم رہے۔ کیونکہ لڑکیوں کو ہمیشہ پرایا دھن ہی سمجھا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا تجزیہ کی روشنی میں محقق اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ خواتین بغیر کسی سہارے کے اپنے بچوں کی پرورش کر رہی ہیں۔ کسی کا شوہر ایک سال، تو کسی کا چوبیس سال سے لاپتہ ہے۔ اس مدت میں یہ خواتین اکیلے ایک طرف اپنے بچوں کی دیکھ ریکھ اور دوسری طرف اپنے شوہر کی تلاش ماری ماری پھرتی رہتی ہیں۔

Graph No: 7
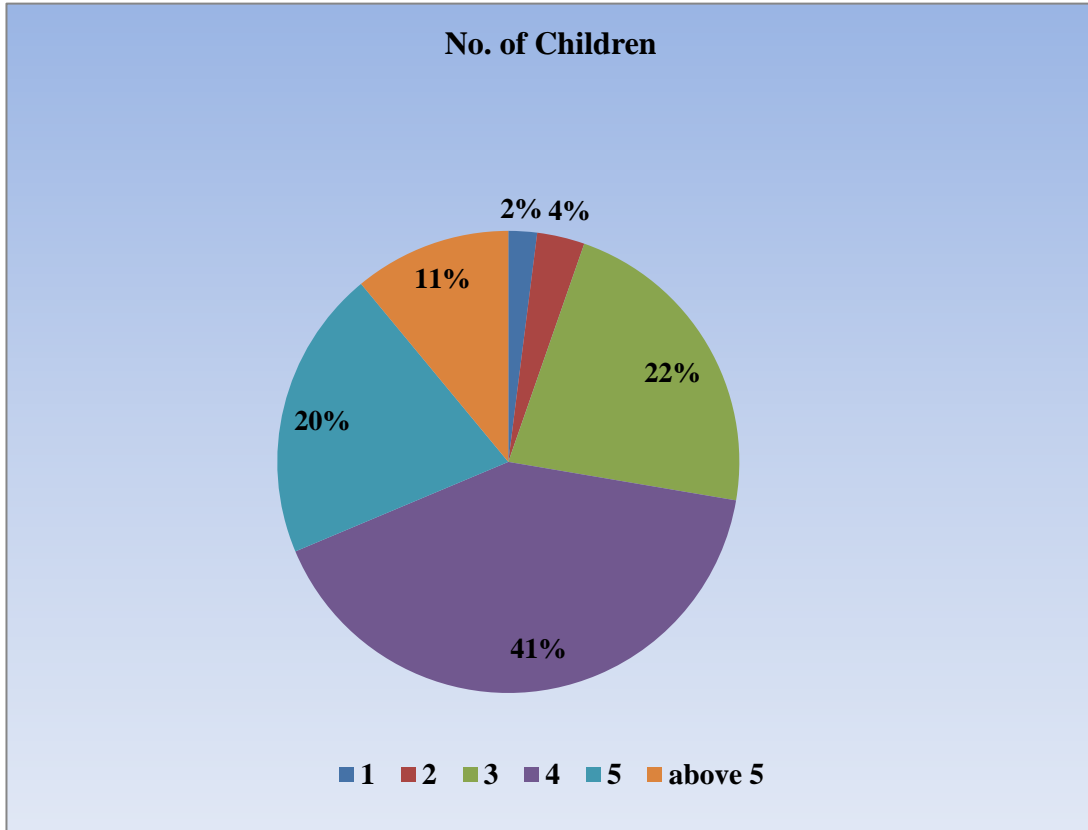
3.3۔ نیم بیوہ خواتین اور معاشرے کا رویہ

کشمیر ہندوستان کے شمال میں واقع ایک بہت ہی خوبصورت اور دلفریب علاقہ ہے یہ علاقہ قدرتی مناظر، برف سے بھری اونچی چوٹیوں، گھاس کے میدانوں، پانی کے بڑے بڑے جھیلوں اور ذخائر کی موجودگی سے مشہور ہے۔ پچھلی کئی دہائیوں سے کشمیر بہت ہی سخت سیاسی انتشار کا شکار ہے۔ ایک مشترکہ زمین کا ٹکڑا جس پر قابو پانے کے لیے ہندوستان، پاکستان اور چین کئی سالوں سے سیاسی کھیل کھیل کر اسے اپنا سیاسی اسٹیج بنا کر کشمیر کی پہچان اور سالمیت کو تباہ کر رہے ہیں۔ نتیجے میں یہاں شورش، ٹکراؤ اور تنازع نے جنم لیا جس کی وجہ سے یہاں کے لوگ سیاسی، سماجی، ثقافتی عدم استحکام کا شکار ہیں۔ نیز یہاں کا خواتین طبقہ سب سے زیادہ متاثر ہوا ہے جس کی سب سے بڑی وجہ یہاں پر ملٹری اور دہشت پسند عناصر کی موجودگی ہیں۔ پچھلے کئی دہائیوں سے یہاں کئی بچے یتیم، خواتین بیوہ اور زنا کا شکار ہو رہی ہیں اور لوگوں کی ایک بڑی تعداد غائب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کئی خواتین نیم بیوہ حیثیت سے اپنی زندگی گزار رہی ہیں جنہیں نہ تو کوئی امداد ملتی ہے اور نہ ہی ہمت ہو رہی ہے کہ دوسری شادی آسانی سے کر لیں۔

کشمیری خواتین کی عصمت ریزی ملٹری کے ہاتھوں ایک معمول بن چکا ہے اور اسکی سب سے بڑی وجہ ہے AFSPA، جسکا بے حد غلط استعمال ہو رہا ہے۔

"Since January 1990, rape by Indian security forces most often occurs during crackdowns, cordon and search operations during which men are held for identification in parks or schoolyards while security forces search their homes. In these situations, the security forces frequently engage in collective punishment against the civilian population by assaulting residents and burning their homes. Rape is used as means of targeting women whom the security forces accuse of

being militant sympathizers; in raping them, the security forces are attempting to punish and humiliate the entire community."*('Asia Watch, Kashmir under Siege (New York: Human Rights watch: 1991. P.73)*

کشمیری خواتین نے اپنی آنکھوں سے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو مرتے ہوئے دیکھا اور اپنی زندگی کے سہاروں کو دم توڑتے ہوئے پایا۔ سیاسی کشمکش کی یہ ہولناک چیخیں ہر کشمیری عورت کے دماغ میں گونجتی ہیں۔ یہ حالات دیکھ کر انہوں نے اپنی زندگی کا مقصد ہی کھو دیا۔ ان حالات سے متاثر اکثر خواتین اکثر و بیشتر پریشان رہتی ہیں۔ خواتین کے متاثر ہونے کے سبب یہ مسئلہ پورے خاندان میں منتقل ہو رہا ہے اور پریشانی کا سبب بن رہا ہے سب کچھ ہونے کے باوجود وہ اپنی زندگی کا مقصد کھو چکی ہیں۔ بندوق برداروں نے ہر طرح سے ان کا استعمال کیا اور ان کی عصمت تار تار کرنے سے بالکل نہیں کتراتے۔ جس کی زندہ مثال Amnesty International کی یہ رپورٹ ہے۔

"(On February 23, 1991), at least 23 women were reportedly raped in their homes at gunpoint (at Kunan Poshpora in Kashmir). Some are said to have been gang-raped, others to have been raped in front of their children …The youngest victim was a girl of 13 named Misra, the oldest victim, name Jana, was aged 80″. *(Amnesty International, March 1992)*

فوجی اہلکار سیاسی اجازت نامہ (AFSPA) حاصل کرنے سے بالکل نڈر ہو گئے جس کی وجہ سے کھلے عام معصوم کشمیری خواتین کا استحصال کیا جانے لگا۔ اور کوئی ان کے خلاف آواز بھی نہیں اٹھا سکتا۔ کئ جگہوں پر دوران کریک ڈاون پورے گاؤں کی خواتین کے ساتھ زنا بالجبر کیا گیا۔ کئ جگہوں پر ان کی عزت تار تار کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ انٹروگیشن سنٹرس میں ان کو ایسی جسمانی اذیّت دی جاتی ہے کہ انسان

کے رونگھٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ فوجی اور نیم فوجی دستوں کے علاوہ مقامی بندوق برداروں نے بھی ظلم و ستم میں کوئی کمی نہیں کی اور ہر طرح سے ستانے میں پہل پہل رہتے تھے۔

یہاں کی خواتین کے مسائل اور اُن کی حیثیت دوسری ریاستوں کی خواتین سے جدا ہیں۔ یہ حقائق کشمیر کی عورت کی پہچان بن کر ابھرے ہیں 1990 سے لے کر آج تک ہزاروں ایسے واقعات رونما ہوئے ہیں جن میں عورت دل دہلانے والے مصائب کا شکار بنتی رہی۔ کبھی اس کی عصمت لوٹی جاتی ہے، کبھی اس کی اولاد اسے چھین لی جاتی ہے، کبھی اسے یتیم بنایا جاتا ہے اور کبھی اس کے خاوند کو غائب کیا جاتا ہے۔ غرض کہ عورت ہر حیثیت میں چاہے بیٹی ہو، ماں ہو، بہن ہو یا بیوی حالات کی کٹھن زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے۔ درجہ ذیل جدول میں 1989 سے لیکر 2017 تک رونما ہوئے واقعات کے کچھ اعداد شمار پیش کئے گئے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کس طرح سے انسانی حقوق کی پامالی کشمیر میں اپنے بام عروج پر پہنچ چکا ہے۔

Table: 3.3 (a)

Jan 1989 to Sept 30, 2017	
Total Killings *	**94,826**
Custodial Killings	**7,098**
Civilians Arrested	**142,437**
Structures Arsoned/Destroyed	**108,362**
Women Widowed	**22,858**
Children Orphaned	**107,665**
Women gang-raped/Molested	**11,017**

Source: Kashmir Media Services

Graph: 8(a)
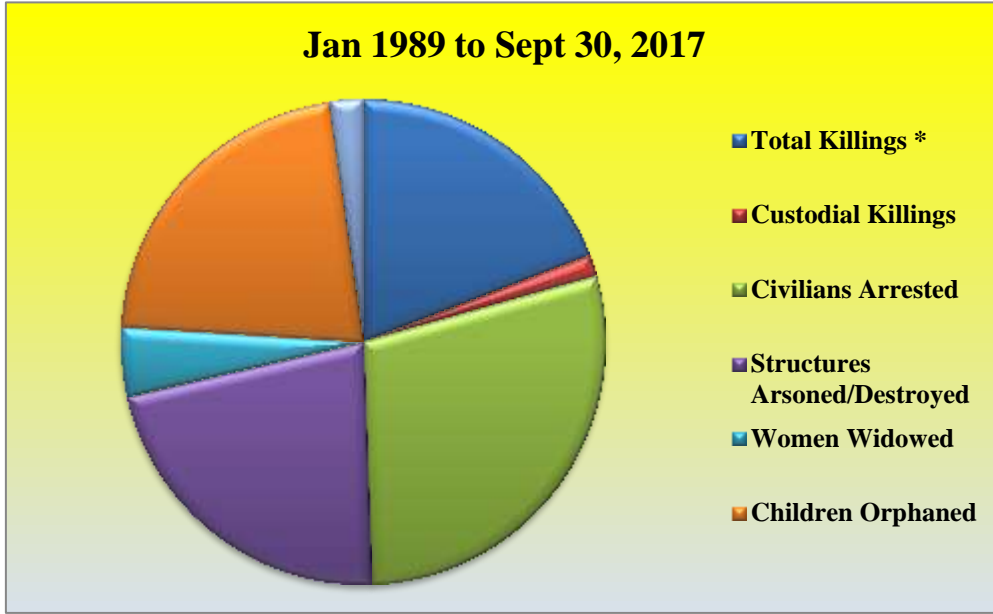
Table: 3.3(b)

	Aug. 2017	Sept. 2017
Total Killings *	**37**	**22**
Custodial Killings	**4**	**1**
Tortured/Critically Injured	**261**	**192**
Civilians Arrested	**115**	**143**
Structures Arsoned/Destroyed	**27**	**52**
Disappeared	**0**	**1**
Women Widowed	**4**	**4**
Children Orphaned	**2**	**9**

Source: Kashmir Media Services

https://www.kmsnews.org. Accessed on 12/10/17. 06:30 am

Graph: 8(b)
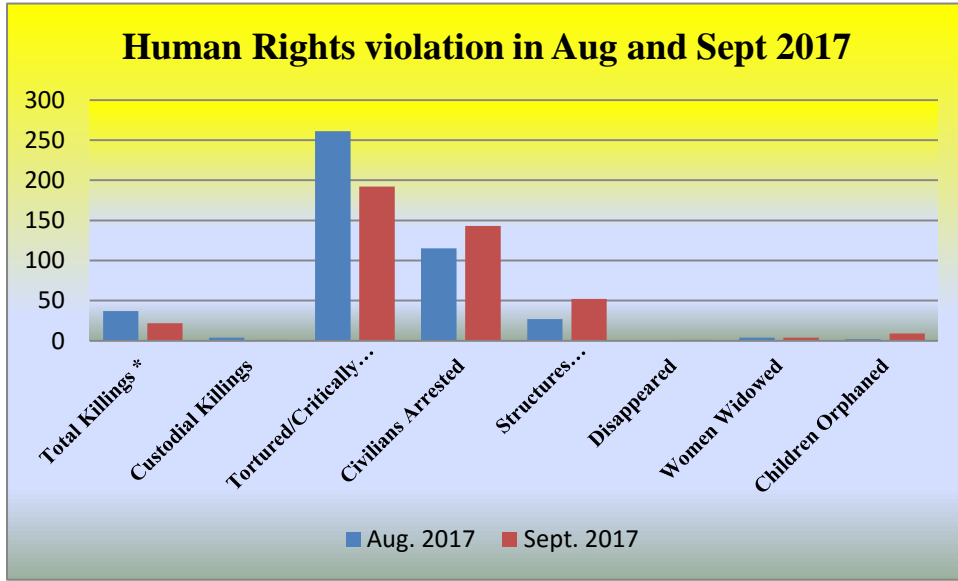
3.3.1. دوبارہ شادی کی خواہش اور عمر

Age and aspiration of remarriage

بظاہر ہمت سے سبھی کچھ سہنے والی یہ کشمیری نیم بیوہ خواتین ظاہری طور پر خوش وزہ پیرہن اوڑھے خوش اور مطمئن نظر تو آتی ہیں مگر اندر سے یہ کتنی پریشان حال اور خوفزدہ ہوتی ہیں اس کا کوئی اندازہ نہیں لگا یا جاسکتا۔ ان کی اپنی زندگی کے ساتھ جڑے بے شمار مسائل ہیں، تکالیف ہیں، مگر کون ہے جس کے سامنے وہ اپنے غموں کا اظہار کریں۔ شوہر کے غائب ہونے کے بعد یہ نیم بیوہ خواتین مختلف وسوسوں، خوف، تہی دامن اور اکیلے رہ جانے والے احساس کے ساتھ روز جیتی اور مرتی ہیں۔ زیادہ تر جواب دہندگان کا کہنا ہے کہ وہ اسی آس میں جی رہی ہیں کہ ان کے شریک حیات واپس آئیں گے اور کچھ خواتین تو ذہنی بیماریوں میں مبتلا ہو چکی ہیں۔ ظاہر ہے کہ کبھی نہ کبھی ان کے اندر سے یہ خواہش بھی جنم لیتی ہو گی کہ وہ دوبارہ ازدواجی زندگی

کے ساتھ منسلک ہو جائیں۔ لیکن سماجی بندشوں کے پیش نظر وہ ایسا نہیں کر پاتیں اور اس طرح ان کی یہ خواہش دب جاتی ہے۔ کیونکہ سماج میں نیم بیواوں کی دوباری شادی کو کہیں نہ کہیں معیوب سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ ایسی بات نہیں کہ وہ شادی کے قابل نہیں ہیں۔ لیکن سماج کا رجحان کچھ ایسا بن چکا ہے کہ وہ دوسری شادی کرنے سے کتراتی ہیں۔ چونکہ دوبارہ شادی کے خیال آنے سے پہلے انہیں اپنے بچوں کے مستقبل کی فکر لگی رہتی ہے۔ کیونکہ دوسری شادی پر ان کے بچوں کی صحیح تربیت اور پرورش شاید اچھے ڈھنگ سے نہ ہو پانے کی فکر انہیں ستاتی رہتی ہے۔ کہیں سوتیلا باپ بچوں کے ساتھ سوتیلا سلوک روا نہ رکھے۔

Table 3.3.1

% distribution of respondents age and aspiration of remarriage

Age	Yes	NO	Total	Percentage
26-35	25	31	56	18.66
36-45	5	120	125	41.66
46-55	0	74	74	24.66
56-65	0	45	45	15
Total	**30**	**270**	**300**	**100%**
Percentage	**10%**	**90%**	**100%**	

درجہ بالا جدول میں نیم بیواؤں کی دوبارہ شادی کی خواہش اور ان کی عمر کے بارے میں بتایا گیا ہے۔

اعداد شمار سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سب سے زیادہ شرح یعنی %90 ان خواتین کی ہے جو دوبارہ شادی کرنے کی خواہش نہیں رکھتی ہیں۔ %18.66 خواتین ایسی ہیں جن کی عمر 35-26 کے درمیان ہیں ان میں

سے 8.66٪ خواتین دوبارہ شادی کرنے کی خواہش رکھتی ہیں جبکہ 10.33٪ کا کہنا ہے کہ وہ دوبارہ شادی کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتی۔ اسی طرح 45-36 سال کی عمر کے خواتین کی شرح 42٪ ہیں۔ جن میں سے 1.66٪ خواتین دوبارہ شادی کرنے کی چاہت رکھتی ہیں جبکہ 40٪ خواتین دوبارہ شادی نہیں کرنا چاہتی ہیں۔ اسی طرح 65-46 کے عمر کی خواتین بالکل بھی دوبارہ شادی کی خواہش نہیں رکھتی جن کا کل تناسب 39.66٪ ہے۔

مذکورہ بالا تجزیہ کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ کم عمر والی خواتین میں دوبارہ شادی کرنے کی خواہش دوسری خواتین (زیادہ عمر والی) کے بہ نسبت زیادہ ہیں۔ حالانکہ یہ خواتین دوبارہ شادی کرنے کی خواہش نہ ہی اپنے گھر والوں سے اور نہ ہی رشتے داروں سے ظاہر کرتیں ہیں۔ کیونکہ ابھی تک اس بات کی تصدیق نہیں ہوئی کہ آیا ان کے شوہر زندہ ہے یا مردہ۔

Graph No: 9

Respondents age and aspiration of remarriage
Yes
No
25
31
5
120
0
74
0
45
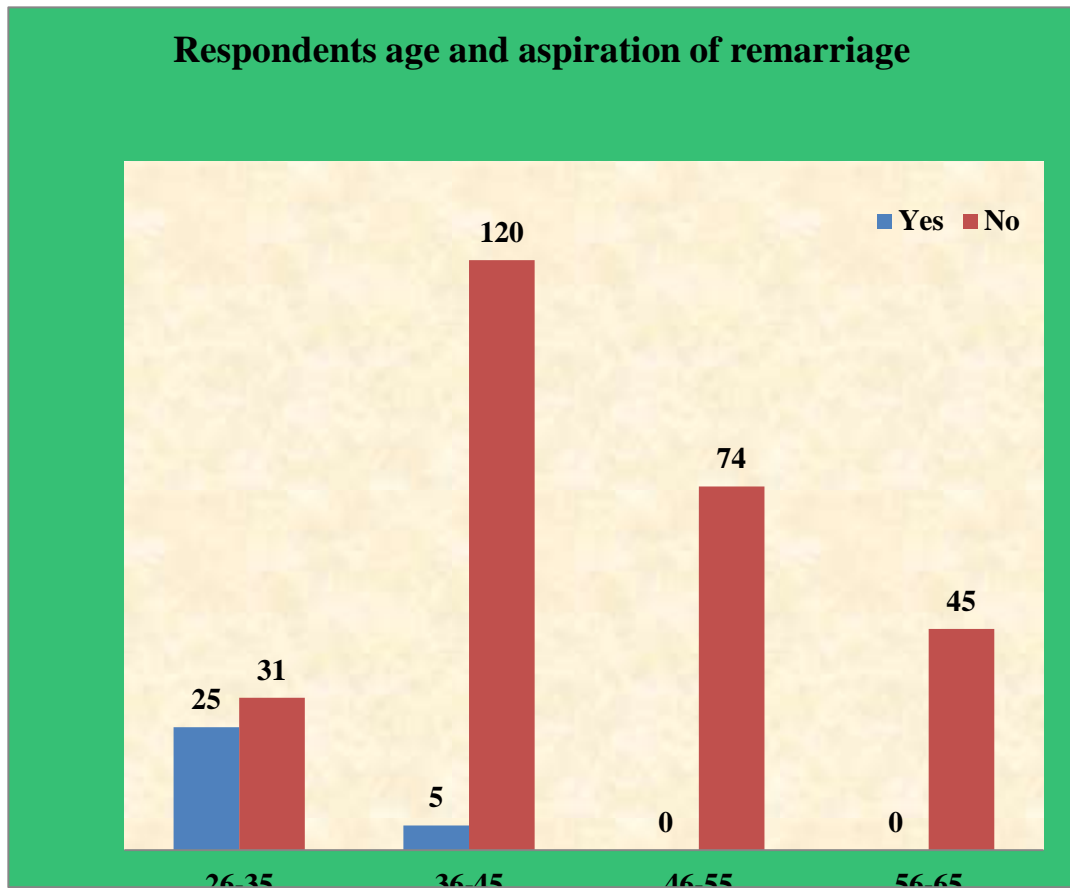
3.3.2۔ خواتین کی معاشی حیثیت اور دوسری شادی کی خواہش

Economic status and aspiration of remarriage

شادی قدرت کا انمول تحفہ ہے۔ اگر اس تقریب کا صحیح حق ادا ہو تو۔ ہر فرد کی زندگی میں یہ موقع ایک بار مرتبہ ہو تو مناسب ہے۔ لیکن مردوں کی اپنی خواہشات اور پدرانہ سماج کی غلط رسومات کی بنا پر ابتدا سے ہی خواتین کی زندگی میں اس رسم کا ایک بار ہونا افضل سمجھا گیا ہے اور عورت کی دوبارہ شادی کرنے کو معیوب سمجھا جاتا ہے۔ جس طرح مرد دوسری شادی اپنی مرضی سے غیر شادی شدہ لڑکی سے کرتا ہے۔ لیکن عورت کو مجبوراً شادی شدہ یا بے جوڑ شادی کرنی پڑی ہے۔ اسی لیے نیم بیوائیں دوسری شادی کو پسند نہیں کرتیں۔

شادی زندگی کا ایک اہم مرحلہ ہوتا ہے جس کے بعد لڑکی کی زندگی کا دارومدار اسکے شوہر پر منحصر ہوتا ہے۔ اگر یہ سہی سلامت رہا تو اُسکی زندگی جنت بن جاتی ہے۔ اگر خدانہ خواستہ اسکے ساتھ کوئی ایسا واقعہ پیش آئے جس کی وجہ سے یہ اپنے خاندان کی سرپرستی سے دور ہو جاتا ہے تو اس کا براہِ راست اثر عورت کی زندگی پر پڑتا ہے اور وہ جینے کا مقصد کھو بیٹھتی ہے۔ مذہبی بندشوں کی بنا پر بھی اکثر خواتین اپنے گھروں کے اندر ہی محصور ہوتی ہے۔ جبکہ اسکی کفالت کیلئے اسکا مرد حاضر ہوتا ہے اور اسکی ہر ضرورت کو پورا کرتا ہے۔ مگر جب کسی خاتون کا شوہر غائب ہو جاتا ہے تو یہ خواتین اپنی بندشوں کی فکر کئے بغیر باہر جاکر کام کرنے کیلئے مجبور ہو جاتی ہیں۔ راقم الحروف اپنی تحقیق کے دوران ایسی بہت سی خواتین سے ملا جن کے شوہروں کو یا تو آرمی والوں نے غائب کیا یا کسی اور تنظیم نے غائب کروایا۔ شوہروں کے غائب ہو جانے کے بعد اب یہ

خواتین اپنی روزی روٹی خود کما رہی ہیں۔ یہ نیم بیوہ عورتیں سرینگر کے لال چوک کی سڑک پر مچھلیاں، ندرو، کپڑے یا لکڑی بیچ کر اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پال رہی ہیں۔

اس صورتِ حال میں ان خواتین کی ہر خوشی اپنی اولاد کی نگہداشت اور والدین یا بھائیوں کی مہربانیوں پر منحصر ہوتی ہے اور ان مہربانیوں کا بدلہ ادا کرنا یہ خواتین اپنا مذہبی اور انسانی فریضہ سمجھتی ہیں۔

Table 3.3.2

% distribution of respondent's economic status & aspiration of remarriage.

Economic Status	Yes	No	Total	Percentage
Farm Labour	12	173	185	61.66%
Govt. Job	0	9	9	3%
Private job	3	10	13	4.33%
Shawl weaver	4	15	19	6.33%
Micro-Business	4	3	7	2.33%
Daily-Wages	0	18	18	6%
Home maker	7	42	49	16.33%
Total	**30**	**270**	**300**	**100%**
Percentage	**10%**	**90 %**	**100%**	

مندرجہ بالا جدول میں خواتین کی معاشی حیثیت اور ان کے دوبارہ شادی کرنے کی خواہش کے بارے میں معلومات فراہم کی گئی ہے۔ جس میں سب سے زیادہ شرح یعنی 90٪ ان خواتین کی ہیں جو کسی بھی حال میں دوسری شادی نہیں کرنا چاہتی ہیں جن میں 57.66٪ خواتین Farm Labour، 14٪

خواتینHomemaker،6٪خواتینDaily Wager،5٪خواتینshawl weaver، 3.33٪ خواتین Private job،3٪خواتینGovt. Jobاور 1٪ خواتینMicro-Businessسے وابستہ ہیں۔اسی طرح سب سے کم شرح یعنی 10٪ ان خواتین کی ہیں جو دوبارہ شادی کرنے کے خواہاں ہیں۔اس سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ بہت زیادہ خواتین دوبارہ شادی نہیں کرنا چاہتی ہیں کیونکہ وہ کسی نہ کسی کام میں مشغول ہیں۔ جو ان کو (Economically Empower) کر رہا ہے۔یہ خواتین اپنے کام میں اس قدر مشغول ہیں کہ اب وہ دوبارہ شادی کے بارے میں نہیں سوچتی ہیں۔

مذکورہ بالا تجزیہ کی روشنی میں یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے اکثر نیم بیوہ خواتین دوبارہ شادی نہیں کرنا چاہتی ہیں کیونکہ ان کو اس بات کا یقین ہیں کہ ان کے شوہر ایک دن ضرور واپس آئے گے۔

Graph No: 10
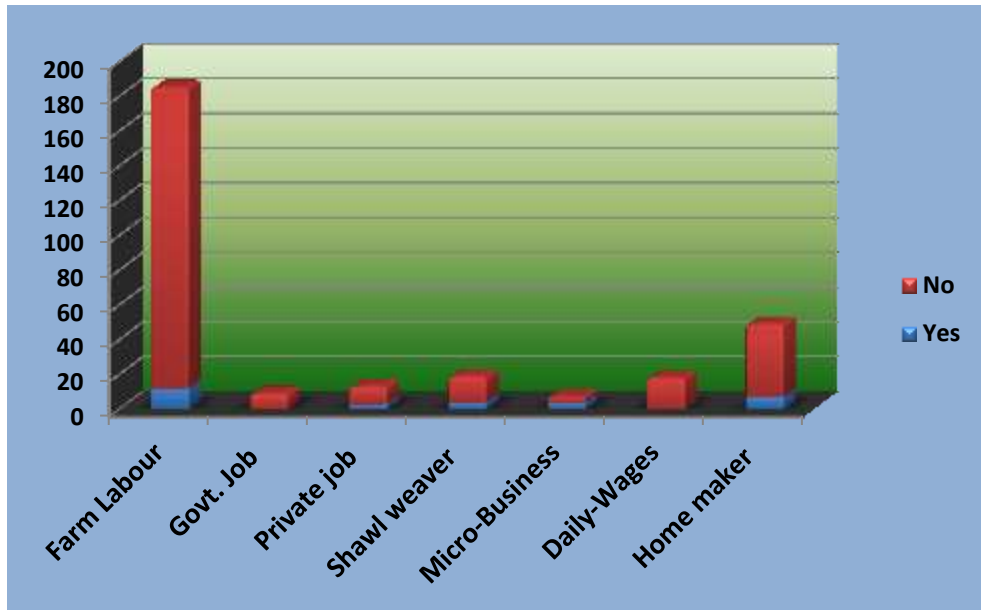
3.3.3۔ اقسام خاندان اور دوبارہ شادی کی خواہش

کشمیر کے اکثر مسلمان گھرانے مشترکہ ہیں۔اسی لیے ان کے مسائل بھی مشترکہ ہی ہوتے ہیں۔ چاہے سیاسی، سماجی، تعلیمی، اخلاقی ہو یا سماجی۔ بالخصوص نیم بیوہ جب واپس ماں باپ کے گھر لوٹتی ہیں تو چند دنوں بعد ان کی کفالت کے ساتھ ساتھ ان کی دوسری شادی پر توجہ مرکوز کی جاتی ہے تاکہ وہ بہتر سماجی زندگی گزار سکیں۔

دورانِ تحقیق یہ معلوم ہوا ہے کہ گھر واپس لوٹنے والی نیم بیوہ خواتین میں سے کسی نے دوسری شادی کے لیے اپنی خواہش ظاہر نہیں کی۔ کیونکہ ہمارے معاشرے میں دوسری شادی کو ممنوع (taboo) تصور کیا جاتا ہے اور اسے ایک سماج میں حقیر نظروں سے دیکھا جاتا ہے جس کی وجہ سے یہ خواتین حالات سے سمجھوتہ کر لیتی ہیں۔ کیوں کہ دوسری شادی کے لیے والدین یا بھائیوں کے لیے پھر سے خرچ کرنا بھی دشوار کن مسئلہ ہوتا ہے۔

ان خواتین کا باطن سفید نظر آتا ہے۔ سوائے ان کے والدین کے سب کا یہ گمان ہوتا ہے کہ لڑکی گھر واپس لوٹنے کے باوجود صحت پر کسی قسم کے مضر اثرت مرتب نہیں ہوئے۔ جب کہ حقیقت تو یہ ہوتی ہے۔ یہ خواتین دل ہی دل میں ہر لحمہ بیسیوں مرتبہ مرتی اور جیتی ہیں۔ کیوں کہ اگر یہ خواتین دوسری شادی کر بھی لیں تو رشتہ بے جوڑ ہوگا یا پھر ان کی اولاد کی بہتر پرورش نہیں ہوگی۔ اسی فکر میں کئی کئی امراض میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ خاص کر نفسیاتی بیماری کی شکار ہو جاتی ہیں۔

Table 3.3.3

Percentage distribution of respondents by type of family and aspiration for remarriage

S.No	Type of Family	Aspiration for Remarriage		Total
		Yes	**No**	
1.	Nuclear	14	172	186 (62%)
2.	Joint	2	15	17 (5.66%)
3.	Extended	3	12	15 (5%)
4.	Neo-Locality	6	56	62 (20.66%)
5.	Shifted back to parents house	5	15	20 (6.66%)
Total		**30**	**270**	**300(100%)**

درجہ بالا جدول میں خاندان کی نوعیت اور دوبارہ شادی کی خواہش کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ جس میں سب سے زیادہ شرح یعنی 62٪ خواتین Nuclear Family سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان میں سے 58.33٪ خواتین کا کہنا ہے کہ وہ دوبارہ شادی نہیں کرنا چاہتی۔ جب کہ 4.66٪ خواتین دوبارہ شادی کرنے کی چاہت رکھتی ہے۔ 20.66٪ خواتین نے اپنی الگ رہائش اختیار کی ہے، کیونکہ آئے دن ایک طرف سے پولیس اور دوسری طرف سے بھارتی فوج ان کے گھر آ کے ان کے شوہر کے بارے میں سختی سے پوچھ تاچھ کرتے رہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے یا وہ دوسرے ضلع میں یا کسی دور جگہ رہنے لگے جہاں پر ان کو کوئی پریشانی نہ ہو۔ ان میں سے 18.66٪ خواتین بالکل دوسری شادی سے انکار کرتی ہیں اور 2٪ خواتین دوسری شادی کرنے کی

چاہت رکھتی ہیں۔ اسی طرح 5.66٪ خواتین کا تعلق Joint Family سے ہیں جن میں 5٪ خواتین بالکل بھی دوبارہ شادی نہیں کرنا چاہتیں جبکہ 0.66٪ خواتین دوسری شادی کی چاہت رکھتی ہیں۔ 6.66٪ خواتین اپنے ماں باپ کے گھر واپس آئیں ہیں جن میں 5٪ خواتین دوسری شادی کرنے کی کوئی خواہش نہیں رکھتی جبکہ 1.66٪ خواتین دوبارہ شادی کرنا چاہتی ہیں۔ اور سب سے کم شرح یعنی 5٪ خواتین کا تعلق Extended Family سے ہیں۔ جن میں 4٪ خواتین دوبارہ شادی نہیں کرنا چاہتی جبکہ 1٪ خواتین کے دل میں دوسری شادی کی چاہت برقرار ہے۔

مذکورہ بالا تجزیہ کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ جواب دہندگان کو اپنے گھر سے یا تو باہر نیا گھر بنانا پڑا یا اپنے ماں باپ کے پاس جانا پڑا یا پھر علٰحیدہ زندگی بسر کرنی پڑی کیونکہ آئے دن پولیس، آرمی، نامعلوم بندوق بردار ان کو پریشان کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے میکے والے ان کو گھر سے نکالتے ہیں تا کہ باقی افراد خانہ ظلم و تشدد کا شکار نہ بنیں۔

Graph No: 11

Aspration of remarrige and family setup
14
172
186
2
15
17
3
12
15
6
56
62
5
15
20
Nuclear
Joint
Extended
Neo-Local
Shifted back to parents Home
Yes
No
Total
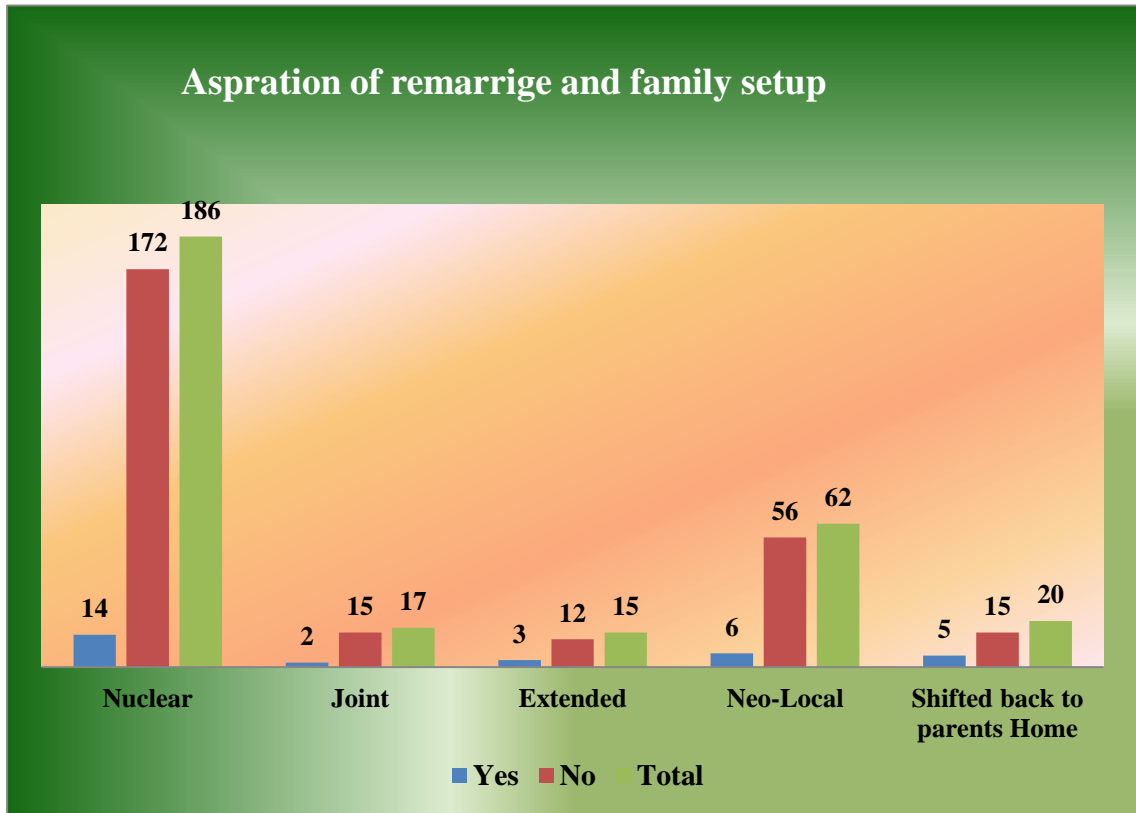
Case Study

یہ کہانی گڈولہ گاؤں جو بانہال ٹنل کے قریب واقع ہے کی ایک خاتون کی ہے۔ رفیقہ بیگم جن کی عمر 37 سال ہے۔ رفیقہ نے کہا کہ وہ 22 ستمبر 2002 سے نیم بیوہ کی زندگی گذار رہی ہیں۔ "میرے شوہر پیشے سے ایک بڑھئی تھے۔ حسب معمول میرے شوہر کام پر گئے اور شام تک واپس نہیں لوٹے۔ بہت تلاش کیا لیکن کوئی خاص ثبوت نہیں ملا۔ پھر میں نے مقامی پولیس اسٹیشن میں رپورٹ درج کرائی"، پولیس کی طرف سے جب کوئی خاص مدد نہیں ملی۔ 36RR کے سی او (commanding officer) نے جو کوکرناگ میں رہتے ہیں نے ہمیں 2003 میں یہ کہا تھا کہ دو لوگوں کو نوکری اور چھ لاکھ روپیہ نقدی ہم آپ کو فراہم کریں گے۔ مگر رفیقہ اور اس کے گھر والوں نے اس بات سے انکار کیا۔ '' رفیقہ نے کہا کہ مجھے اپنا شوہر چاہیے نہ کہ نوکری اور پیسہ۔'' جب کوئی صورت نہ بن پڑی تو آخر کار میں نے State Human Rights Commission کی طرف رجوع کیا۔ وہاں سے بھی میرے شوہر کا کچھ پتہ ہی نہیں چلا۔ لیکن کمیشن نے مجھے Ex-gratia relief کے تحت ایک لاکھ روپیہ امداد فراہم کی اور SRO-47 کے تحت نوکری دینے کا وعدہ کیا۔ جو آج تک نہیں ملی۔

اس دوران میں اپنے شوہر کو خود ریاست کے تمام قید خانوں میں تلاش کرتی رہی۔ کوئی فائدہ نہیں ملا۔ اپنے بچوں کے رونے کی سسکیاں میرے ضمیر کو جھنجوڑ کے رکھ دیتی جب وہ اپنے والد کے بارے میں پوچھتے ہیں تو میرا دل رونے سے باز نہیں آتا لیکن کیا کرے۔ اپنے تین بچوں کے حالت سدھارنے کے لئے انہیں بہتر مستقبل فراہم کرنے کے لئے میں گھر بار چھوڑ کر قاضی گنڈ کے پاس کرایہ پہ کمرہ لے کر محنت و

مزدوری شروع کی۔ اسی اثنا میں آرمی نے میرے بچوں کی پڑھائی کا خرچہ اپنے ذمہ لیا اور مجھے نوکری فراہم کی۔ اسے میری تکلیفیں تھوڑی مدت کے لئے کم تو ہو گئی لیکن شوہر کے انتظار میں اب بھی میری آنکھیں ترس رہی ہیں کہ کہیں نہ کہیں سے وہ ایک دن ضرور آئیں گے۔ اسی حسرت و یاس میں ہر روز جیتی اور مرتی ہوں۔

Source: Field survey 2017

Table 3.3.4

Received the share from Husband's Property

شوہروں کی جائداد سے حاصل شدہ حصہ

S. No.	receiving share in property	Frequency	%age
1	Yes	95	31.66
2	No	205	68.33
	Total	**300**	**100%**

اوپر دیئے گئے جدول سے یہ پتہ چلتا ہے کہ زیادہ تر یعنی 68.33% خواتین کے مطابق نہ ان کو اور نہ ہی ان کے بچوں کو جائداد میں حصہ ملا ہے۔ المیہ کی بات یہ ہے زیادہ تر خاندان یا تو الگ رہنے لگے یا ہجرت کر کے دوسری جگہ سکونت اختیار کر لی۔ اس لئے ان کو شوہر کی آمدنی میں سے کوئی حصہ نہیں ملا ہے۔ جبکہ صرف 31.66% ایسی خواتین ہے جنہیں ان کے اولاد سمیت شوہر کی جائداد میں حصہ ملا ہے۔ ان میں سے 26% جواب دہندگان کا اور کوئی وارث نہیں تھا۔

مذکورہ بالا تجزیہ کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اکثر و بیشتر بچوں اور خواتین کو ابھی بھی اپنے شوہر کی جائداد کے حصے سے محروم رکھا گیا ہے۔ کیونکہ اسلامی شریعت اور انڈین پینل کورڈ کے تحت ایسی خواتین کو جائداد میں حصہ نہیں ملنا چاہیے۔

Graph No: 12
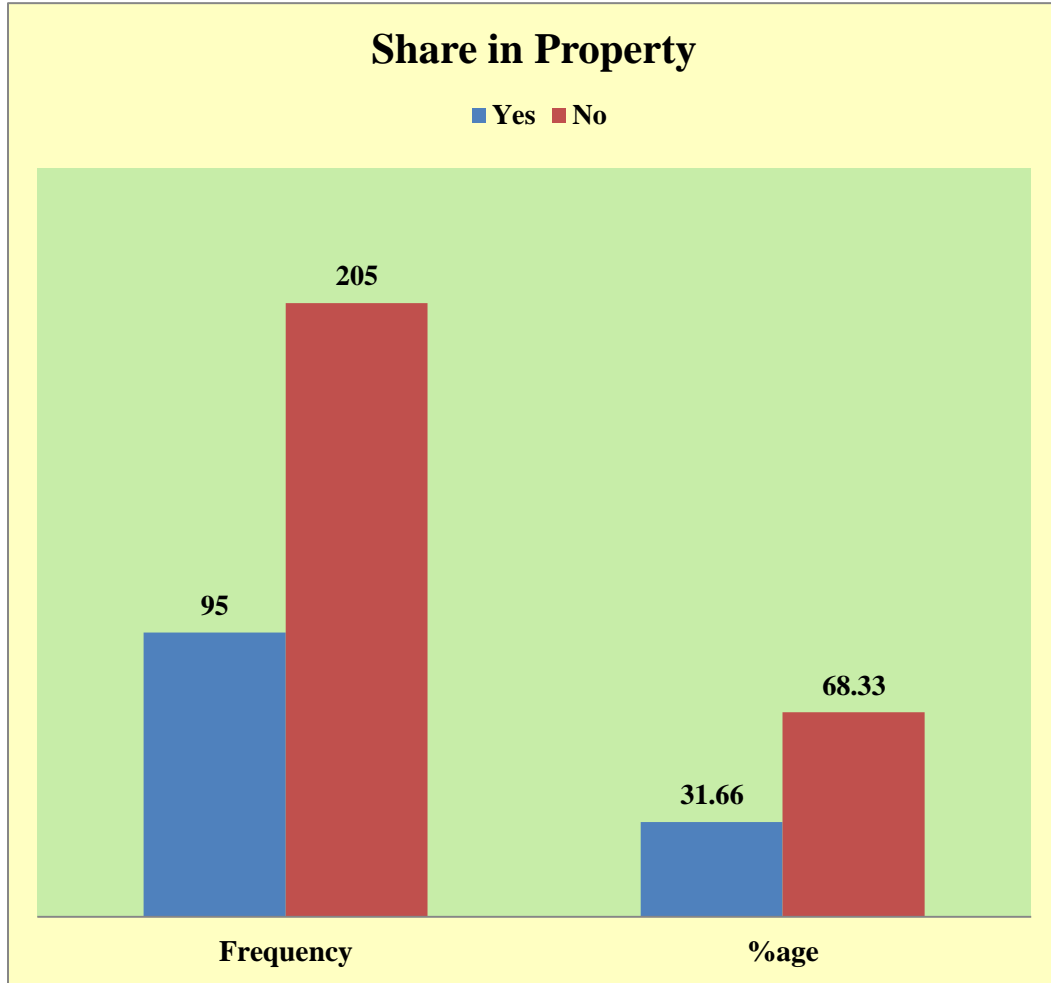
خلاصہ (Conclusion)

اس باب کو تین ذیلی حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ پہلے حصے میں Universe یعنی ان دس اضلاع کے اہم خصوصیات کو بیان کیا گیا جس پر یہ تحقیق محیط ہے۔ دوسرے ذیلی حصہ میں نیم بیوہ کے سماجی و معاشی موقف کا ذکر کیا گیا، جس میں نیم بیوہ خواتین کی عمر، شادی کے وقت ان کی عمر، شادی شدہ زندگی کی مدت، ان کی تعلیمی حیثیت ، خاندان کے سرپرست کے گمشدہ ہونے سے یہ خواتین اور ان کے بچے کن مسائل کا سامنا کرتے ہیں، آمدنی (شوہر کی گمشدگی سے پہلے اور گمشدگی کے بعد)، اور بچوں کی تعداد کے بارے میں پوری تفصیل پیش کی گئی۔ باب کے تیسرے ذیلی حصہ میں نیم بیوہ اور معاشرے کا ان کے تئیں رویّہ کے بارے میں بحث کی گئی جس میں نیم بیوہ خواتین کے دوبارہ شادی کی خواہش اور معاشی حیثیت کو ان کے عمر کے ساتھ منسلک کرنے کی کوشش کی گئی۔ اسی طرح آخر میں اقسام خاندان اور ان نیم بیوہ خواتین کو شوہر کی جائداد سے ملے حصے کا بھی ذکر کیا گیا۔ تحقیق مزید بہتر بنانے کے لئے کچھ case studies کی بھی مدد لی گئی۔ ان سارے حقائق کو تانیثی اور انسانی حقوق کے تناظر میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی۔

تمام سماجی، معاشی، تعلیمی اور رہائشی حالات کے مدِّ نظر متفقہ طور پر یہ حقیقت سامنے آئی ہے کہ غائب ہونے والے افراد کا تعلق سماج کے پچھڑے طبقے سے ہے۔ یہ حقیقت اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ سماج کا پچھڑا طبقہ کمزور اور بے آواز (mute) ہوتا ہے۔ اپنے حقوق کے لئے آواز نہیں اُٹھا سکتا اور باآسانی اس پر دوسرے عناصر اپنا قبضہ جما سکتے ہیں۔ اس کی سوچ، فکر، اور جذبات کا ناجائزہ فائدہ اُٹھا کر انھیں مستقل

طور پر اندھیرے میں ڈھکیل دیتے ہیں اور انہیں سماج کا ایک ''بیمار عضو'' بنا دیتے ہیں۔ Kramarae نے اپنے نظریہ میں muted group کا ذکر کرتے ہیں۔ یہاں اِس حقیقت کو ہم واضح طور پر دیکھ سکتے ہیں کہ کس طرح سماج کا subaltern سماج کے غالب عناصر سے متاثر ہو رہا ہے اور ظلم و ستم کا نشانہ بن رہا ہے۔ ایک طرف سے فوج اور دوسری طرف عسکریت پسندوں کے درمیان یہ لوگ پس رہے ہیں۔

اس تحقیق سے یہ حقیقت عیاں ہو رہی ہے کہ دیہی علاقے سے تعلق، ناخواندگی، معاشی پسماندگی جیسے امور یہاں کے افراد کو شر پسند عناصر کے مکاری کے جال میں پھنسنے کا وجہ بن رہے ہیں۔ جو انھیں غلط کاموں سے متعارف کر رہے ہیں۔ اکثریت اس طبقے سے تعلق رکھتی ہے جسے ہم سماج کا حاشیائی حصّہ مانتے ہیں۔ یہ لوگ مجبور، بے آواز اور کمزور ہوتے ہیں۔

مفروضات کی جانچ:

مفروضہ نمبر 1۔وادی کشمیر میں سیاسی عدم استحکام کی وجہ سے فوجی دستوں اور Militants کی موجودگی خواتین کے لئے ایک بہت بڑا مسئلہ ثابت ہو رہا ہے۔

تمام ابتدائی و ثانوی ذرائع سے معلوم ہوا کہ جموں و کشمیر میں 1989 سے کئی عسکریت پسند تنظیمیں سرگرم عمل ہیں۔ جو براہ است یا بالواسطہ طور پر نہ صرف عام شہریوں بلکہ خواتین اور بچوں کے لئے بہت بڑا مسئلہ ثابت ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ کشمیر میں مقیم فوجی دستے اس ضمن میں اور بھی زیادہ سرگرم نظر آرہے ہیں جس سے ایک عام عورت کی زندگی مفلوج الحال بن گئی جو طرح طرح کے مسائل سے جوجھ رہی ہیں۔ مواد سے معلوم ہوتا کہ 1989 سے لیکر اب تک کشمیری خواتین جس خوف وہراس اور زدوکوب کے ماحول میں گھٹ گھٹ کے زندگی جی رہی ہیں۔ اپنوں کے چلے جانے کے غم نے جس کے دل کو داغدار بنایا ہیں، بچوں کے تاریک مستقبل کو لے کر جس کا دل چور چور ہوا ہے۔ بیٹیوں کی حفاظت کے لئے جو اپنی عزت کی پرواہ نہیں کرتی۔ یہ سارے عوامل انسانی حقوق کی پامالی نہیں تو اور کیا ہیں اور اس بات کی تصدیق باب اول میں ریاستی سطح پر انسانی حقوق کی پاپالی کا ریکارڈ کے عنوان کے تحت Human Right Commission(1989-2005) کے رپورٹ اور اس میں دی گئی کچھ تصاویر کے ذریعہ سے ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ باب سوم میں پیش کئے گئے (Human Rights Watch: 1991) اور (Kashmir Media Service (1989-2017 رپورٹ کے اعداد و شمار جو کہ جدول نمبر (3.3(a اور (3.3(b میں درج کئے گئے ہیں۔ ان سب رپورٹوں سے صاف

طور پر ظاہر ہو رہا ہے کہ اس عام خاتون کے زندگی کو بد سے بد تر بننے کی ذمہ دار فوجی دستوں کے ساتھ ساتھ Militants بھی ہیں۔ **[ثابت شدہ]**

مفروضہ نمبر2۔ اکثر و بیشتر یہاں کے مرد حضرات لاپتہ ہو جاتے ہیں جس کا براہِ راست اثر خواتین کے سماجی موقف پر پڑ رہا ہے۔

جدول نمبر3.2.4 میں جوابدہندگان کی عمر اور شادی شدہ زندگی کی مدت کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ زیادہ تر خواتین نے بہت کم وقت اپنے شوہر کے ساتھ گذارا ہے جبکہ اس عمر میں فطری طور پر خواتین کے ساتھ شوہر کا ہونا بہت ضروری ہے۔ اور جب اس عمر میں شوہر غائب ہو جاتا تو یہ خواتین مختلف ذہنی و نفسیاتی پریشانیوں میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔

جدول نمبر3.2.6 میں جواب دہندگان کا ان کے گھر کی سرپرستی کے حوالے سے معلومات دی گئی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ سب سے زیادہ شرح یعنی 40٪ ان خواتین کی ہے جو اپنے گھروں میں سرپرست کی حیثیت سے خود ذمہ داریاں نبھا رہی ہیں۔ دوران تحقیق یہ بات سامنے آئی کہ شوہر کے گمشدہ ہونے کی وجہ سے اکثر خواتین کو گھریلوں ذمہ داریاں خود اٹھانی پڑتی ہیں۔

جدول نمبر3.2.7 میں یہ بات سامنے آئی کہ شوہر کی گمشدگی سے پہلے زیادہ تر خواتین کی معاشی حالت اوسط تھی اور ان کے شوہر ہی کمائی کا بنیادی ذریعہ تھے۔ لیکن شوہر کی گمشدگی کے بعد ان کی معاشی حالت میں اور بہتری آگئی وہ اس لئے کہ ان خواتین کو مختلف قسم کی امداد ملی اور ساتھ ہی ساتھ ان کے بچوں نے بھی گھر کی

معاشی حالت سدھارنے کے لئے تعلیم ترک کر دی۔ چونکہ تعلیم بچوں کا بنیادی حق ہے لیکن باپ کی گمشدگی کے بعد یہی بچے جن کے ہاتھ میں قلم اور کاپی ہونا چاہیے، محنت و مزدوری کرنے کے لئے مجبور ہو جاتے ہیں اور اپنے گھر کے لئے اپنی تعلیمی زندگی کو قربان کر دیتے ہیں۔

جدول نمبر 3.3.3 میں خاندان کی نوعیت اور دوبارہ شادی کی خواہش کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ اس جدول کے تجزیہ سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جواب دہندگان کو اپنے گھر سے یا تو باہر نیا گھر بنانا پڑا یا اپنے میکے جانا پڑا یا پھر علٰحیدہ زندگی بسر کرنی پڑی کیونکہ آئے دن پولیس، آرمی، نامعلوم بندوق بردار ان کو پریشان کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے سسرال والے ان کو گھر سے نکالتے ہیں تاکہ باقی افراد خانہ ظلم و تشدد کا شکار نہ بنیں

جدول نمبر 3.3.4 سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ زیادہ تر خواتین اوران کے بچوں کو جائداد میں حصہ نہیں ملا ہے۔ المیہ کی بات یہ ہے زیادہ تر خاندان یا تو الگ رہنے لگے یا ہجرت کر کے دوسری جگہ سکونت اختیار کر لی، چونکہ ابھی تک یہ تصدیق نہیں ہوئی کہ ان کے شوہر زندہ ہے یا نہیں اس لئے ان کو جائیداد میں سے کوئی حصہ نہیں ملا ہے۔ جس سے ان کے سماجی و معاشی موقف پر اثر پڑتا ہے۔۔ لہذا قائم کیا گیا مفروضہ اکثر و بیشتر یہاں کے مرد حضرات لاپتہ ہو جاتے ہیں جسکا براہِ راست اثر خواتین کے سماجی موقف پر پڑ رہا ہے تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس بات کا ثبوت تحقیق میں پیش کیا گیا ہے۔**[ثابت شدہ]**

باب چہارم

کشمیر کی نیم بیوہ خواتین۔ انسانی حقوق کے تناظر میں

تلخیص:

یہ باب سیاسی عدم استحکام سے ہونے والے نیم بیواؤں کے مسائل کو پیش کرتا ہے، اور ان کے شوہروں کی گمشدگی کے ذمہ دار عناصر کا بھی احاطہ کرتا ہے۔ نیز یہ باب ان خواتین کو درپیش مسائل، سرکاری اور غیر سرکاری تنظیموں سے موصول امداد وغیرہ پر تفصیل سے بحث کرتا ہے۔ علاوہ ازیں اس باب میں گمشدہ افراد کی تلاش کے لئے نیم بیوہ خواتین کی جدوجہد کو بھی شامل کیا گیا۔ کچھ Case Studies بھی رقم کی گئی ہیں تاکہ بات واضح ہوسکے۔

4.1۔سیاسی عدم استحکام اور نیم بیوہ کے مسائل:

اس حقیقت سے سب واقف ہیں کہ کشمیر دنیا کا سب سے خوبصورت اور اہم مقام ہے۔ یہاں کی اکثر آبادی متوسط طبقے سے تعلق رکھتی ہے اور بیشتر آبادی سیاحت سے وابستہ ہے۔ خوبصورت اور دلکش ہونے کے باعث یہاں پورے سال سیاحوں کی آمد و رفت ہوتی ہے۔ لیکن وادی کشمیر میں سیاسی عدم استحکام کی وجہ نہ صرف سیاحت بلکہ زندگی کا ہر شعبہ متاثر ہوا۔ آئے دن ہڑتالیں، کرفیو اور بم دھماکوں کے خوف سے سیاحوں کے آنے میں بھی کمی واقع ہوئی، سیاسی کشمکش کی وجہ سے اکثر و بیشتر یہاں کے تعلیمی ادارے بند رہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے یہاں کے طلبا کا مستقبل بری طرح متاثر ہوا اور ان حالات کی وجہ سے وہ ذہنی طور پر بھی منتشر ہوئے۔ پچھلے کئی دہائیوں کے نامساعد حالات پیدا ہونے کی وجہ سے یہاں لاکھوں کی تعداد میں لوگ مارے گئے، بچے یتیم ہو گئے، ہزاروں کی تعداد میں خواتین بیوہ اور نیم بیوہ ہو گئیں۔

آج ان خواتین کا کوئی پرسان حال نہیں اور مسائل کے انبار تلے دب چکے ہیں۔ آج یہ ذہنی، جسمانی بیماریوں اور نفسیاتی الجھنوں کی شکار ہیں۔ ان کے بیشمار مسائل کو آج تک سنجیدگی سے نہیں لیا گیا۔ جس کی وجہ سے سماجی، اخلاقی اور معاشرتی پیچیدگیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ لہذا ان مسائل کے حل اور ان مسائل سے متعلق لوگوں کے سماجی شعور کو بیدار کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ چونکہ ہم تمام ایک سماج و معاشرہ کی پیداوار ہیں یہاں ہم کو ایک دوسرے کی مدد کی ضرورت ہر وقت اور ہر لمحہ رہتی ہے۔ اسی لئے

ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ان مسائل کو جنہیں آج تک سنجیدگی کے ساتھ زیر بحث نہیں لایا گیا پر بحث و مباحثہ کر کے ان کا حل ڈھونڈ نکالنے کی کامیاب کوشش کریں تاکہ سماج کی نصف بہتر کو اندرونی طور پر کھوکھلا ہونے سے بچایا جاسکے۔

4.1.1 نیم بیواؤں کا اپنے شوہر سے جدائی کی مُدت:

شادی کے بعد میاں بیوی کے درمیان ایک ایسا رشتہ قائم ہوتا ہے جس کی مثال ملنا بہت مشکل ہے۔ کیونکہ انکا یہ رشتہ ہمیشہ ایک دوسرے کا ساتھ نبھانے کا ہوتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی ایسے مسائل پیدا ہوتے ہیں جن کی وجہ سے اس رشتے میں دراڑ پڑ جاتی ہے اور جانبین کو طرح طرح کی تکلیفیں جھیلنا پڑتی ہیں ان ستم رسیدہ خواتین میں نیم بیوائیں ایک ایسا طبقہ ہے جن کے شوہر غائب ہو چکے ہیں۔ جب کسی عورت کا شوہر غائب ہو جاتا ہے تو وہ مختلف پریشانیوں میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ شوہر کے انتظار میں اس کی پوری زندگی گزر جاتی ہے۔ نیز شوہر کی تلاش میں اسے مختلف مسائل اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس انتظار میں وہ کسی اور کے ساتھ اپنی زندگی بھی نہیں گزار سکتی۔ شوہر کی کھوج میں جہاں اس کی اپنی زندگی ضائع ہو جاتی ہے وہیں اس کے خاندان والے، خاص طور انکے بچے حد سے زیادہ متاثر ہو جاتے ہیں۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ انکی نجی زندگی پر بھی منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

اس تحقیق سے ثابت کیا جاتا ہے کہ نیم بیوائیں اپنے شوہروں سے کتنے عرصے تک جُدا رہی ہیں۔ ان کی جدائی کے بعد اُن کو کن مشکلات سے دوچار ہونا پڑا۔ جس کے سبب وہ نظر بد کی شکار ہوتی ہیں تو کبھی طرح

طرح کے مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اجتماعی محفلیں ہو یا گھریلو زندگی۔ جیسے گھر کے غیر محرم مردوں کے رکھ رکھاو وغیرہ۔

شوہر غائب ہونے کے بعد ان خواتین پر ہر طرف سے غلط نظریں اُٹھتی ہیں اور وہ اپنے آپ کو سماج میں غیر محفوظ محسوس کرنے لگتی ہیں۔ اسی تذبذب کی وجہ سے وہ ذہنی، جسمانی اور روحانی طور پر سخت الجھن میں گرفتار ہیں اور سماج کا ہر فرد ان کی طرف عدم توجہی برت رہا ہے۔

Table 4.1.1

Present age and Period of Separation

جواب دہندگان کا اپنے شوہروں سے علٰحیدگی کی مدت

Present Age	Year of Separation					Total
	1-4	5-9	10-14	15-19	20-24	
26-35	11	25	18	2	0	**56** (18.66)
36-45	3	7	30	58	27	**125** (41)
46-55	0	5	3	16	50	**74** (26.66)
56-65	0	0	4	10	31	**45** (15)
Total	**14 (4.66)**	**37 (12.33)**	**55 (18.33)**	**86 (28.66)**	**108 (36)**	**300**

مندرجہ بالا جدول میں جواب دہندگان کا اپنے شوہروں سے علٰحیدگی کی مدت کو بتایا گیا ہے۔ اس کے مطابق جواب دہندگان میں 36٪ نیم بیوہ خواتین اپنے شوہروں سے 20-24 سال کے عرصے تک جدا رہی ہیں۔ جبکہ 28.66٪ خواتین 15-19 سال تک اپنے شوہروں کے انتظار میں رہیں ۔ اسی طرح 18.33٪ خواتین ایسی ہیں جو 10-14 سالوں سے شوہروں کے انتظار میں ہیں۔ علاوہ ازیں 12.33٪ نیم

بیوہ خواتین 9-5 سال تک اپنے شوہروں سے الگ رہیں۔ اور 4.66٪ نیم بیوہ خواتین کی تعداد 4-1 سال تک اپنے شوہروں سے جدا رہیں۔ ایسے میں نیم بیوہ خواتین کو سخت مشکلات اور پیچیدہ مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے ان کی زندگی ان کے لئے عذاب بن کر رہ گئی ہے۔ قدم قدم اور ڈگر ڈگر پر انہیں خاردار راہوں سے گزرنا پڑتا ہے اور نتیجے میں ان کی صحت پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں اور آہستہ آہستہ یہ لاچار اور بے سہارا خواتین ذہنی بیماریوں میں مبتلا ہو کر اپنا دماغی توازن کھو بیٹھتی ہیں۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اپنے شوہروں سے دوری کی وجہ سیکورٹی فورسز اور عسکریت پسندوں کی عسکری کارویئاں ہیں جو ان کے اپنوں سے جدا کر دیتی ہیں اور بعد میں انسانی حقوق کی پامالی کا سبب بنتی ہیں۔

مندرجہ بالا تجزیہ کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ جن جواب دہندگان کی موجودہ عمر 36-45 کے درمیان ہیں وہ اپنے شوہروں سے زیادہ عرصے تک علحیٰدہ رہیں اور ان کا تناسب 41.66٪ ہیں۔ اور جن جواب دہندگان کی موجودہ عمر 65-56 کے درمیان ہیں وہ اپنے شوہروں سے کم عرصے تک علحیٰدہ رہیں اور ان کا تناسب 15٪ ہیں جو کہ سب سے کم ہے جس کی وجہ اس دہائی کے پُرامن حالات ہیں جب ریاست میں دہشت گردی ناپید تھی۔ شوہر کی محبت و الفت میں یہ نیم بیوائیں بڑی مدت سے دن رات اپنے شوہر کے انتظار میں بیٹھی ہیں۔ کہیں نہ کہیں ان کو لگتا ہے کہ وہ ایک دن ضرور واپس آئیں گے۔ اور اسی تنہائی و انتظار کے عالم میں وہ اپنی زندگی جی رہی ہیں۔

Graph No: 1

Period of Seperation
Respondents
Frequency
14
37
55
194
1-4 years
5-9 years
10-14 years
Above 14 years
Year of Seperation
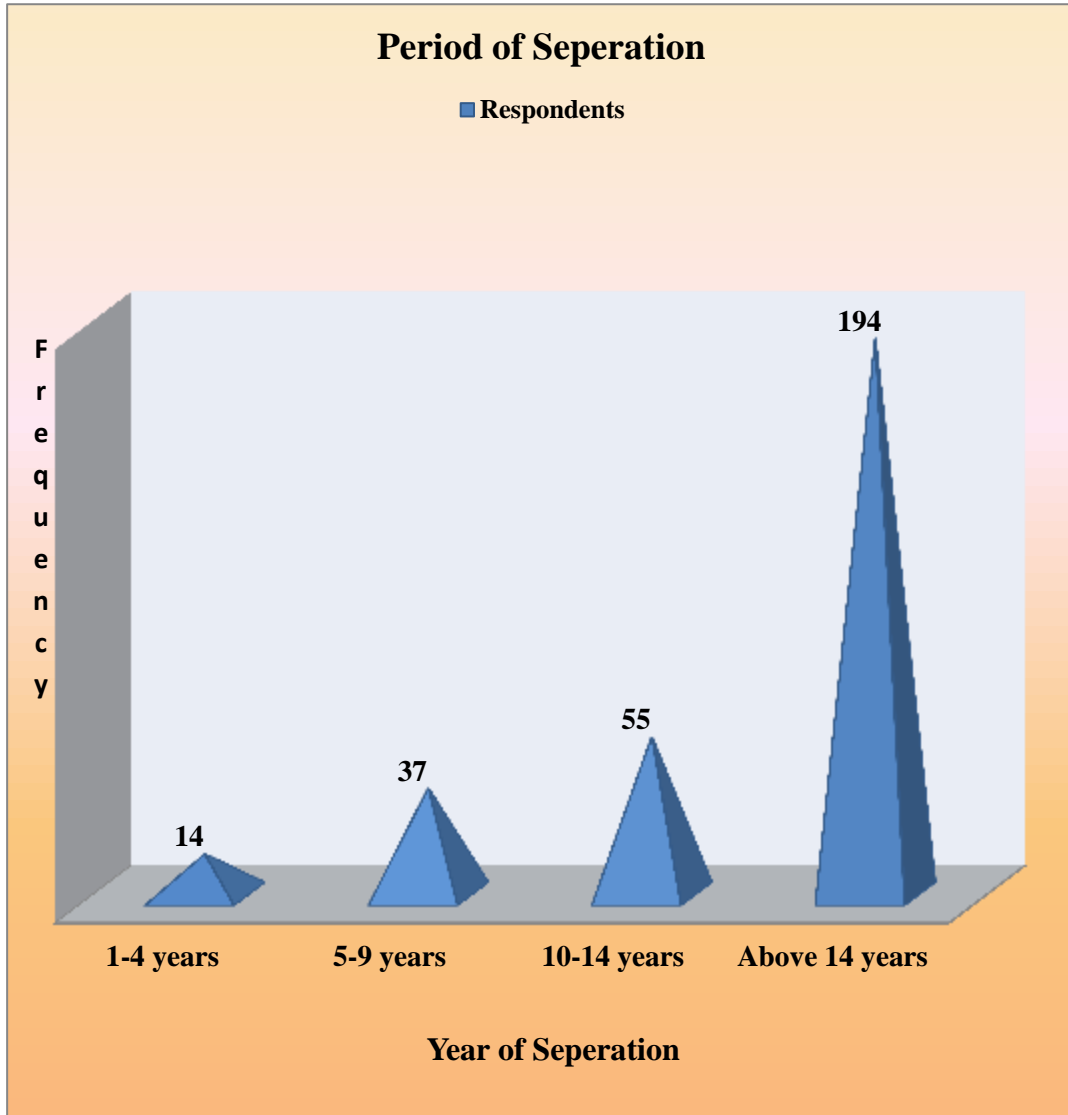
Case Study

یہ کہانی شفیقہ نامی ایسی خاتون کے مصائب سے متعلق ہے جس کے شوہر کو 8 اگست 1996 کے دن جنگل سے لکڑی کاٹتے وقت غائب کر دیا گیا۔ شفیقہ کی عمر اس وقت صرف 22 سال کی تھی جب یہ واقعہ پیش آیا۔ شفیقہ کی دو اولاد تھیں۔ لیکن اس حادثے کے صرف ایک سال بعد اس کا بیٹا بھی اپنی ماں اور بہن کو اس دنیا میں اکیلے چھوڑ کر ابدی نیند سو گیا۔ تین سال بعد شفیقہ اور اس کی بیٹی کو اس کے دیور نے جائیداد میں بغیر کوئی حصہ دیے گھر سے نکال باہر کر دیا۔ شفیقہ اپنی اکلوتی بیٹی سمیت میکے چلی آئی۔ دن بدن گھر کی بگڑتی حالت سے اس کی بیٹی کی تعلیم بہت متاثر ہوئی۔ شفیقہ نے اپنے شوہر کو بہت تلاش کیا لیکن اس کا کوئی اتہ پتہ نہ چل سکا۔ پولیس کافی عرصے تک FIR درج کرنے کے سلسلے میں ٹال مٹول کرتی رہی۔ بالآخر چار سال بعد FIR درج کر کے پولیس ایک رپورٹ پیش کی جس میں صاف لکھا تھا کہ شفیقہ کے شوہر سے ہتھیار ضبط کر کے اسے ہلاک کر دیا گیا۔ شفیقہ بار بار حکومت اور پولیس سے صرف یہ سوال کرتی رہتی ہے کہ اگر اس کا شوہر ہلاک کر دیا گیا ہے تو مجھے اس کی لاش دی جائے۔ سال 2017 میں شفیقہ نے اسٹیٹ ہیومن رائٹس کمیشن سرینگر میں کیس درج کیا جبکہ اسے وہاں سے بھی کوئی تشفی بخش جواب بر آمد نہیں ہوا۔

المیہ کی بات تو یہ ہے کہ 28 جون 2017 کو شفیقہ کا بھائی بھی غائب کر دیا گیا۔ غائب ہو جانے کے اکیس دن بعد اس کی لاش کو جنگل سے بر آمد کیا گیا۔ اسے کئی انٹراگیشن کیے گئے تھے اور اس کے جسم پر Acid بھی چھڑکا گیا تھا۔ FIR درج کرنے کے بعد پولیس اس کی ہلاکت میں ملوث افراد کا پتہ لگانے میں آج تک ناکام رہی ہے۔

Source: Field survey 2017

4.1.2۔رہائش

شادی کے بعد ایک عورت کو دوسرے گھر منتقل ہونا پڑتا ہے ۔ وہاں کے ماحول کے ساتھ موافقت پیدا ہونے میں بہت وقت لگتا ہے۔ آخر وہ سسرال کو ہی دل سے اپنا گھر سمجھتی ہے اور اُس گھر کے تمام افراد کی خدمات کرنے کو اپنا اہم فریضہ سمجھتی ہے۔ لیکن نیم بیواؤں کے لئے یہی گھر عذاب کا سبب بن جاتا ہے۔ کیوں کہ جب انکے شوہر غائب ہو جاتے ہیں تو سب سے پہلے وہ اپنے آپ کو اس گھر میں غیر محفوظ محسوس کرتی ہیں اور وہ مختلف ذہنی پریشانیوں میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ اس کے درد کا مداوا کرنے والا کوئی نہیں ہوتا ہے۔ اور وہ سارے درد و غم اپنے سینے میں رکھ کر گھٹ گھٹ کر جی رہی ہوتی ہے۔ دوسری طرف جب کسی عورت کا شوہر غائب ہوتا ہے۔ تو وہ سیاسی عتاب کا شکار ہو جاتی ہے۔ کبھی پولیس آکے رپورٹ لیتی ہے۔ تو کبھی آرمی شوہر کے غائب ہونے کے وجوہات پوچھ لیتی ہے۔ اس کشمکش کے ماحول میں اُن کا اس سماج میں رہنا

محال ہو جاتا ہے۔ اس طرح وہ مجبوراً کسی دوسری جگہ رہنے کو ترجیح دیتی ہے۔ وہ اپنے والدین یا ساس سُسر کے پاس بھی نہیں رہ سکتی کیوں کہ وہ بھی اُن کی پریشانی کا باعث بن جاتے ہیں۔ اس لیے زیادہ تر خواتین دوسری جگہ رہنے کو ترجیح دیتی ہیں۔ دوسری جگہ منتقل ہو جانے کی وجہ سے وہاں بھی settle ہونے میں اُنہیں پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ پریشانیاں ذہنی بھی ہوتی ہیں اور جسمانی بھی۔ جس کی وجہ سے ان کے بچوں کا مستقبل بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ المیہ تو یہ ہے کہ ماں باپ کے گھر میں زندگی بسر کرنے والی نیم بیوہ خواتین نے اپنی جوانی کی حدیں بھی ابھی پار نہیں کیں ہیں۔

Table 4.1.2

% distribution of respondents by their age and domicile.

Age	Nuclear	Joint	Extended	Neo-Locality	Parental Home	Total
26-35	28	3	6	12	7	**56 (18.66%)**
36-45	95	8	6	06	10	**125 (41%)**
46-55	51	0	0	20	3	**74 (24.66%)**
56-65	12	6	3	24	0	**45 (15%)**
Total	**186 (62%)**	**17 (5.66%)**	**15 (5%)**	**62 (20.66%)**	**20 (6.66%)**	**300 (100%)**

جدول نمبر 4.1.2 سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ 62٪ خواتین محدود کنبہ (Nuclear Family) میں زندگی بسر کر رہی ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ تعداد 45-36 سال کی عمر کی خواتین کی ہیں۔ جن کا شرح تناسب 31.66٪ ہے۔ 5.66٪ خواتین ایسی ہیں جو مشترکہ خاندان (Joint Family) میں زندگی بسر کرتی ہیں جن میں سب سے زیادہ 45-36 سال کیعمر کی بیوہ خواتین شامل ہیں جن کا شرح تناسب 2.66٪ ہیں۔ 20.66٪ خواتین اصلِ مقام سے منتقل ہو کر Neo-Locality میں زندگی بسر کرنے لگی ہیں اِن میں سے 2٪ خواتین کی عمر 36-45 کے درمیان ہیں۔ 6.6٪ نیم بیوہ خواتین اپنے سسرال سے واپس لوٹ کر ماں باپ (Parental-House) کے گھر میں ہی زندگی کے ایام گزار رہی ہیں۔ اسی طرح 5٪ خواتین Extended family میں زندگی گذر بسر کر رہی ہیں۔ جن میں سب سے زیادہ 35-26 اور 45-36 سال کی عمر کی خواتین شامل ہیں جن کی شرح مشترکہ طور پر 2٪ پائی گئی۔

مندرجہ بالا تجزیہ کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ جن جواب دہندگان کی موجودہ عمر 36 تا 45 کے درمیان ہیں ان میں 51.07٪ خواتین محدود کنبے میں زندگی گزر بسر کر رہی ہیں۔ جس کے بہت سارے وجوہات ہیں جیسے سماج کا رویہ، مذہبی قائدین کے فتوے، گھریلو زیادتیاں وغیرہ وغیرہ۔ پولیس، آرمی، اسپیشل ٹاسک فورسز کے ظلم و تشدد اور رات میں گھر کے اندر آ کے پوچھ تاچھ کرنے کی وجہ سے یہ نیم بیوہ یا تو وہ گاؤں چھوڑ کر دوسری جگہ رہتی ہیں یا اپنے میکے واپس جاتی ہیں یا اپنا گھر الگ بسا لیتی ہیں تاکہ وہ ظلم و تشدد کی شکار نہ ہو جائیں۔

Graph No: 2

Distribution of respondents by their age and domicile
Age group
26-35
36-45
46-55
56-65
28
95
51
12
3
8
0
6
6
6
0
3
12
6
20
24
7
10
3
0
Nuclear
Joint
Extended
Neo-Local
Parental Home
Domicile of respondents
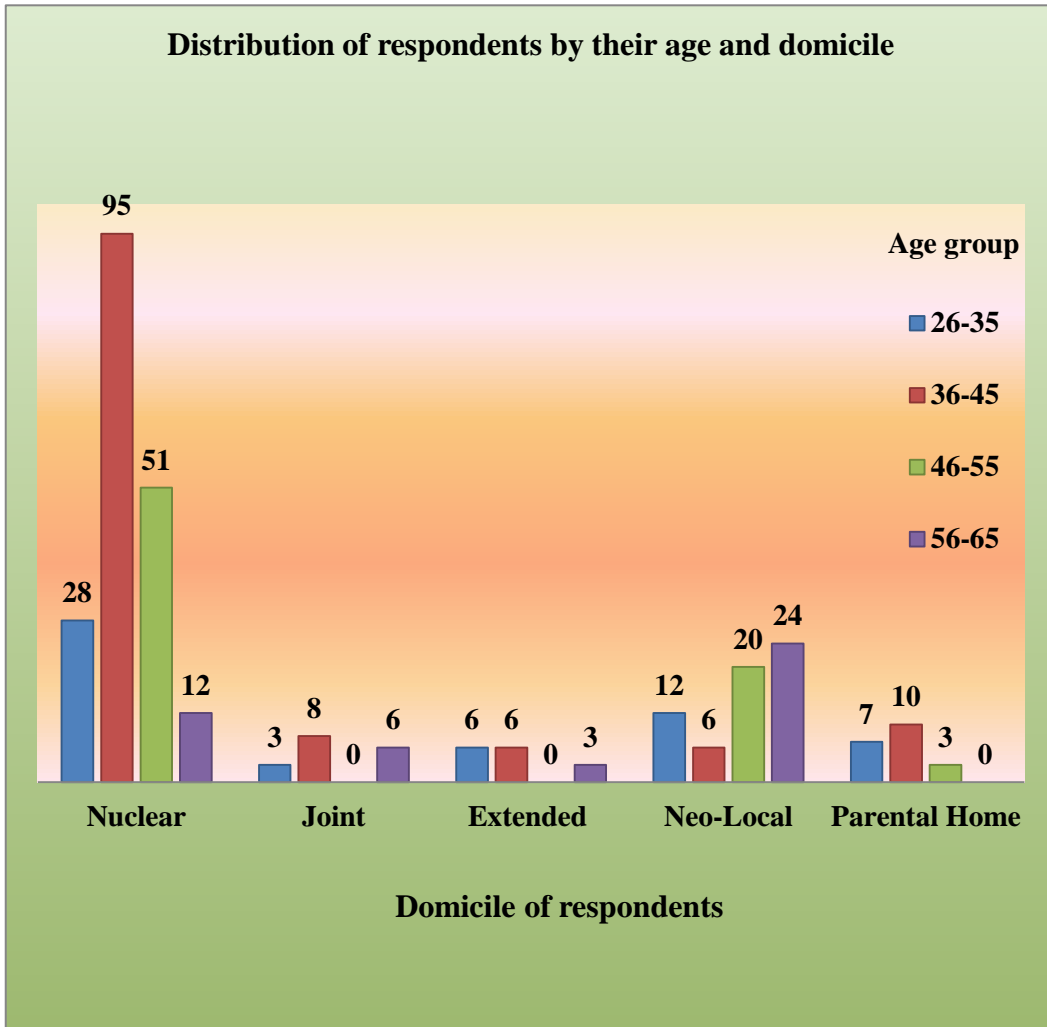
Case Study

گلشن بانو 2005 سے نیم بیوہ کی زندگی گذار رہی ہیں۔ ان کے تین بچے ہیں دو لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے۔ اس وقت یہ دسویں، نویں اور آٹھویں جماعت میں زیر تعلیم تھے جب ان کے والد کو غائب کر دیا گیا اور بدقسمتی کی وجہ سے آج ان میں کوئی بھی بچہ کالج نہیں جارہا ہے۔ گلشن کے مطابق وہ ایک خوشحال اور پرسکون زندگی بسر کر رہے تھے۔ اچانک 25 جون 2005 کو رات کے دو بجے زور زور سے دروازہ کھٹکٹانے کی آوزیں آرہی تھی۔ ہم ڈر کے مارے کانپے لگے کہ ان لوگوں نے آواز دی اگر دروازہ نہیں کھولا تو سب کے سب گھر کے اندر ہی مار دیے جاؤ گے۔ جوں ہی دروازہ کھولا آرمی والوں کو کمرے کے اندر پایا اور میرے شوہر کو میری آنکھوں کے سامنے بہت مارنے لگے، میرے بچانے پر مجھے بھی بندوق کی نلی سے مارا جس کی وجہ سے میں بیہوش ہو گئی۔ ہوش آیا تو میرے شوہر کو وہ ساتھ لے کے گئے تھے۔ صبح پولیس اسٹیشن جا کر رپورٹ لکھوانے گئے تب پولیس نے کہا کہ وہ کہیں گئے ہے آجائے گے ابھی رپورٹ درج نہیں کر سکتے۔ گلشن بانو ہچکیاں لیتی ہوئی کہتی ہے ایک طرف ان کی مارپیٹ دوسری طرف شوہر کے غائب ہو جانے سے میں ذہنی طور پر بہت پریشان تھی۔ اسی اثنا میں ہم گاؤں والے سرپنچ کے ساتھ آرمی کیمپ میں چلے گئے۔ وہاں ان لوگوں نے کہا کہ تم لوگ گھر جاؤ ہم اس کو چھوڑ دے گے لیکن ابھی تک میں اپنے شوہر کی راہ دیکھ رہی ہوں۔ گلشن بانو مزید کہتی ہے کہ آئے دن آرمی والے یہ کہہ کر مجھے پریشان کرتے ہیں کہ آپ کے شوہر پاکستان چلے گئے اور کافی تعداد میں سامان لائے ہیں۔ تلاشی کے دوران میرے گھر میں بہت توڑ پھوڑ کی اور ڈرایا دھمکایا۔ ہر روز کی تکلیف سے بچنے کے لئے میں نے اپنا مکان اور زمین بیچ کے دوسری جگہ سکونت اختیار کی۔

آٹھ سال سے میرا کیس State human Rights Commission میں زیر سماعت ہے لیکن ابھی تک کوئی فیصلہ آیا۔ سرکار کی طرف سے بھی کوئی معاوضہ ملا۔ لیکن ایک غیر سرکاری تنظیم جس کا نام APDP ہمیں ماہناہ ہزار روپیہ بطور امداد فراہم کرتی ہے۔

ہر مہینے کے دس تاریخ کو ساری نیم بیوایئں جبری گمشدگیوں کے خلاف ایک پرُامن احتجاج کرتے ہیں۔ ہر دن میں اسی گھٹن میں جیتی ہوں کہ میرے بے قصور شوہر کو کس خطا کی بنا پر غائب کر دیا گیا۔ نم آنکھوں کے ساتھ گلشن بانو کہتی ہے کہ ان کے بچوں کا مستقبل تاریک ہو گیا۔

4.1.3۔ صحتی اور نفسیاتی مسائل:

ایک انسان کو دوسرے مخلوقات پر فوقیت اسی بناء پر حاصل ہے کیونکہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے سوچنے، سمجھنے کی صلاحیت عطا کی ہے اور اسی دولت کی بناء پر وہ باقی ساری مخلوقات پر حکومت کرتا ہے۔ اس لحاظ سے انسانی دماغ خدا کی عظیم نعمت ہے۔ لیکن کبھی کبھی انسان پر ایسے حالات بھی رونما ہوتے ہیں جو اس کے دماغ کو متاثر کرتے ہیں۔ اس کی بہترین مثال جموں وکشمیر ہے جہاں کے عوام کو تشدد نے ہر لحاظ سے گھیر رکھا ہے اور اس تشدد کا سب سے زیادہ متاثر ہونے والا طبقہ نیم بیواؤں کا ہے۔ ایک عورت کی زندگی کا دارو مدار اس کے شوہر پر ہوتا ہے۔ عملی تحقیق سے پتہ چلا کہ پدر سری نظام میں عام طور پر عورتوں کے ساتھ ناروا سلوک کیا جاتا ہے اس نظام میں کھانا سب سے پہلے مردوں کو دیا جاتا ہے اور بچا کھچا کھانا عورتیں کھاتی ہیں اسی طرح اگر گھر میں لڑکا بیمار ہو جاتا ہے تو اس کا کسی بڑے اسپتال میں علاج کیا جاتا ہے لیکن اگر لڑکی بیمار ہو جائے تو انہیں گھر میں ہی کچھ دوائی کھلائی جاتی ہے۔ اس طرح کا فرق عورت کے ذہن کو جھنجوڑ کر رکھ دیتا ہے۔ جب اس کی شادی ہوتی ہے تو سسرال میں بھی اس کے ساتھ یہی سلوک روا رکھا جاتا ہے اور ہر معاملے میں ثانوی درجہ دیا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کی صحت اور ذہنی پرورش بہت متاثر ہوتی ہے اور جب اس کا شوہر ہی نہ ہو تو یہ اور بھی مصیبت کا باعث بنتا ہے۔

نیم بیوائیں اس لحاظ سے سب سے زیادہ متاثر ہیں۔ ایک تو ان کا اپنا ذہنی دباؤ ہوتا ہے۔ دوسری طرف ان کے شوہر کے غائب ہو جانے کی وجہ سے ان کی صحت پر بھی بُرا اور منفی اثر پڑتا ہے۔ وہ پوری

زندگی تباہی کے دہانے پر کھڑی ہوتی ہے۔ پریشانی، غم، دکھ درد یہ ایسی کیفیات ہیں جو ایک انسان کی زندگی کو تحت السرا میں پہنچا دیتے ہیں۔ تکلیف، پریشانی اور ذہنی تناؤ کی وجہ ایک انسان کی صحت پر ایسے مضر اثرات پڑتے ہیں کہ وہ زندہ رہتا ہے لیکن جیتا نہیں ہے۔ تنازعہ کشمیر سے متاثرہ نیم بیوائیں انہیں مسائل سے دوچار ہیں۔ ان نیم بیواؤں کی زندگی جیسے ان کے لئے عذاب بن کر رہ گئی ہے۔ لمحہ لمحہ گزارنا ان کے لئے سخت اور دشوار طلب ثابت ہو رہا ہے۔ غرض کہ یہ نیم بیوائیں ایسی تکالیف اور ذہنی امراض میں مبتلا ہیں کہ ان کے لیے خالی جینا بھی اب محال ہو گیا ہے۔

Table 4.1.3

Age group of respondents and their Health Problems

Age	PTSD	Depression	Hypertension	UTI	Osteoporosis	None	Total
26-35	32	7	5	6	2	4	56 (18.66)
36-45	59	24	14	11	5	12	125 (41)
46-55	22	14	17	10	7	4	74 (24.66)
56-66	15	8	12	7	3	0	45 (15)
Total %	**128 (42 .66)**	**53 (17.66)**	**48 (16)**	**34 (11.33)**	**17 (5.66)**	**20 (6.66)**	**300 (100)**

Source: Field survey 2017

جدول نمبر 4.1.3 سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ زیادہ تر خواتین Post-Traumatic Stress Disorder کے عارضے میں مبتلا ہیں جن کا تناسب 42.66٪ ہے۔ اس عارضے میں سب سے زیادہ 36-

45سال کی عمر کی خواتین ہیں جن کا تناسب 19.66٪ ہے۔ نامساعد حالات کی وجہ سے کشمیریوں کو ایک عام بیماری Hypertension لاحق ہو گئی ہے جس نے ہر ایک کو متاثر کر کے رکھ دیا ہے۔ خاص طور سے یہاں کی خواتین اس بیماری کی وجہ سے متاثر ہوئی ہیں۔ Hypertension کے عارضے میں 16٪ خواتین مبتلا ہیں جن میں 4.66٪ خواتین ایسی ہیں جن کی عمر 45-36 سال کے درمیان ہیں۔ 11.33٪ خواتین کا کہنا ہے کہ وہ Urinary Tract Infection کی بیماری میں مبتلا ہیں۔ اس میں 3.66٪ خواتین ایسی ہیں جن کی عمر 36-45 سال کے درمیان ہے جو اس میں سب سے بڑا تناسب ہے۔ Depression میں مبتلا خواتین کا شرح تناسب 17.66٪ ہے۔ اس بیماری میں بھی 45-36 سال کی عمر کی خواتین سب سے زیادہ متاثر ہے۔ ان کا تناسب 8٪ ہے۔ Osteoporosis بیماری نے 5.66٪ خواتین کو اپنا شکار بنایا ہے۔ اس میں 55-45 سال کی عمر کی خواتین کا شرح تناسب 2.33٪ ہے جو کہ سب سے زیادہ ہے۔ تحقیق اور مشاہدے کے دوران یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ صرف 6.66٪ خواتین کسی بیماری کی شکار نہیں ہیں۔

مذکورہ بالا تجزیہ کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ جواب دہندگان کی اکثریت PTSD کے عارضے میں مبتلا ہیں جس کی بہت ساری وجوہات ہیں جیسے بچوں کی دیکھ بھال، گھریلو ذمہ داریاں، بڑھتی عمر سے متعلق درپیش مسائل، وغیرہ ہے۔ غیر مقوی غذا، کم پانی پینا اور پوری نیند نہ آنے کی وجہ سے خواتین بہت سارے بیماریوں میں مبتلا ہوتی ہیں۔ مختلف قسم کی پریشانیوں میں مبتلا یہ خواتین اپنی صحت وصفائی کا خیال نہیں رکھ پاتی جو بعد میں بہت ساری بیماریوں کی بنیاد بن جاتی ہیں۔

Graph No: 3

Age and Health Problems
PTSD
Depression
Hypertension
UTI
Osteoporosis
None
32
7
5
6
2
4
59
24
14
11
5
12
22
14
17
10
7
4
15
8
12
7
3
0
26-35
36-45
46-55
56-66
Age group of the respondents
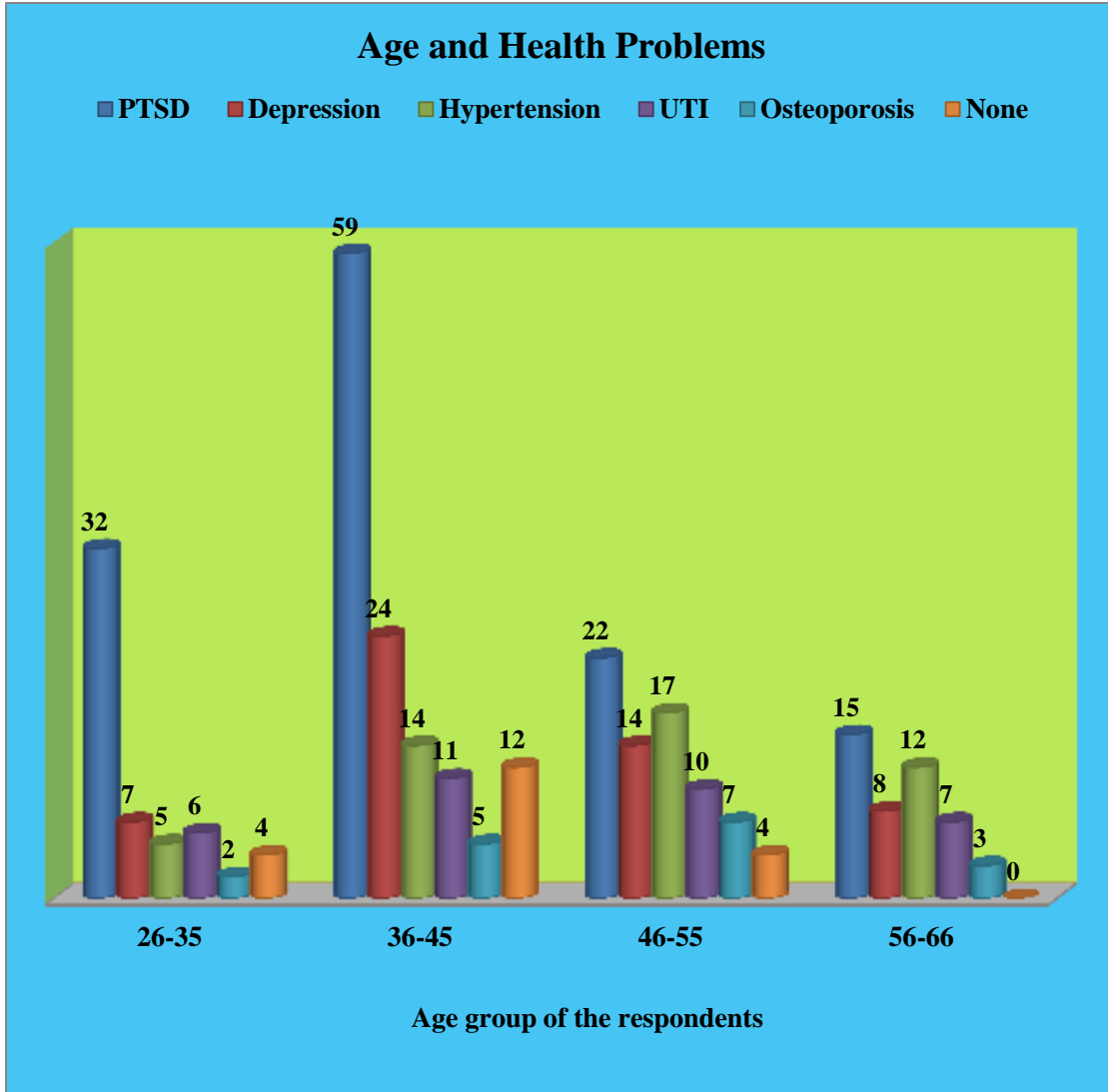
Table 4.1.4

Aid received by the respondent from different agencies.

S.No.	**Aid received from**	**Respondent**	**Percentage**
1.	Govt.	87	29
2.	NGO’s	69	23
3.	Community	34	11.33
4.	None	110	36.66
	Total	**300**	**100**

مندرجہ بالا جدول میں جواب دہندگان کا مختلف تنظیموں سے لئے گئے امداد کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ 36.66٪ جواب دہندگان ایسے ہیں جنہوں نے کوئی بھی امداد حاصل نہیں کی ہے۔ سرکار کی طرف سے صرف 29٪ خواتین نے امداد حاصل کی ہیں ۔ اسی طرح غیر سرکاری تنظیموں کی طرف سے کل 23٪ خواتین نے امداد لی ہے ساتھ ہی ان خواتین کا کہنا ہے کہ اس امداد سے ان کی ضروریات زندگی پوری نہیں ہو پاتی۔ جبکہ 11.33٪ خواتین نے کمیونٹی کی طرف سے امداد حاصل کی ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہیں کہ زیادہ تر جواب دہندگان ایسے ہیں جنہیں کوئی امداد نہیں ملا جس کی وجہ سے ان کو بہت سارے مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

Graph No: 4
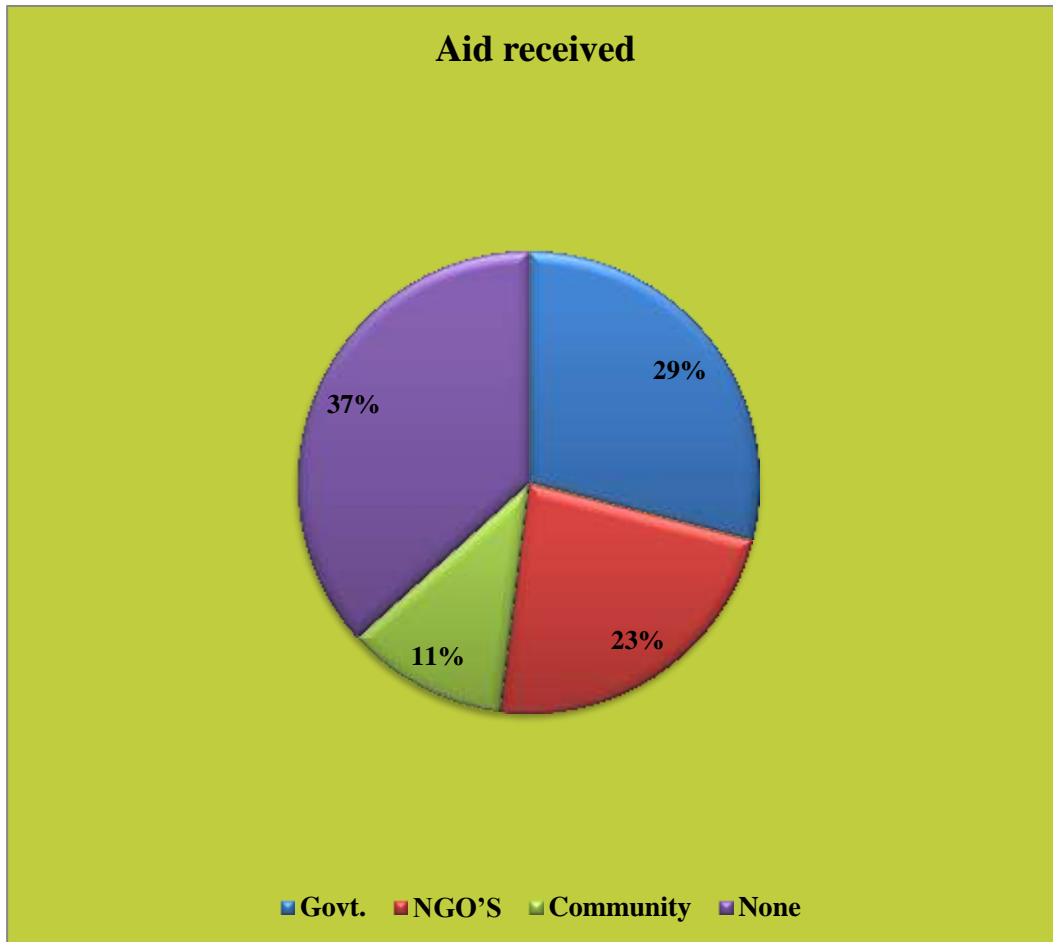
Table 4.1.5

Types of aid received and satisfaction

Satisfied	Type of aid received			Total
	Cash	Kind	Job	
Yes	6	2	11	19(10)
No	45	80	46	171(90)
Total	51(26.84)	82(43.16)	57(30)	190(100)

درجہ بالا جدول میں جواب دہندگان کی طرف لی گئی مختلف قسم کے امداد اوراس امداد سے کتنے مطمئن ہیں اور کتنے غیر مطمئن کے بارے میں بتایا گیا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ 43.16٪خواتین نےKindیعنی(مختلف قسم کے اجناس جیسے کپڑے، چاول، بچوں کے لئے کاپی، قلم، کتابیں وغیرہ) کی صورت میں امداد حاصل کی۔ 30٪خواتین کو سرکاری نوکری کی صورت میں امداد دی گئی اور 26.84٪خواتین نے نقدرقم کی صورت میں امداد حاصل کی ہے۔ APDPنے کچھ خواتین کو ماہانہ ایک ایک ہزار روپیہ بہ ذریعہ چیک فراہم کیاہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بہت ہی کم جواب دہندگان کو نقدررقم ملی۔ اس کے برعکس اگر سب کو نقدرقم ہی فراہم کی جاتی تو وہ اپنی زندگی بہتر اور اپنی مرضی سے گذار سکتی ہیں۔ شوہر غائب ہونے کے بعد جواب دہندگان کو پولیس اسٹیشن، کورٹ، ڈی۔ سی آفیس، اسٹیٹ ہیومن رائٹس کمیشن، سی۔ آئی۔ ڈی آفیس، اے۔ پی۔ ڈی۔ پی آفیس وغیرہ کے چکر لگانے کے بہت عرصے بعد امداد ملی ہے۔ ان میں سے کچھ جواب دہندگان کا کہنا ہے کہ ملنے والی امداد سے زیادہ شوہر کے ڈھونڈنے میں خرچہ

آیا۔ اسی طرح جبجواب دہندگان کی طرف سے لئے گئے امداد کی طمانیت کو دیکھا گیا اس سے یہ بات سامنے آئی کہ کل 190 جواب دہندگان میں سے 19 یعنی 10٪ خواتین لئے گئے امداد سے مطمئن ہیں اور 171 جواب دہندگان یعنی 90٪ خواتین بالکل بھی لئے گئے امداد سے مطمئن نہیں ہیں۔

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اکثر و بیشتر جواب دہندگان حاصل شدہ امداد سے خوش نہیں ہے اس کی بہت ساری وجوہات ہو سکتی ہیں جیسے کہ یہ امداد ان کی ضرویات زندگی کے لئے ناکافی ہے۔ یا اس امداد سے صرف کچھ ہی ضروریات مکمل ہو پاتی ہو۔ اگر شوہر غائب ہونے کے فوراًبعد ہی ان کو امداد ملتی تو ان کے بچوں کی تعلیم متاثر نہیں ہوتی اور نہ ہی ان کو مختلف دفاتر کے چکر لگانے پڑتے۔

Graph No: 5
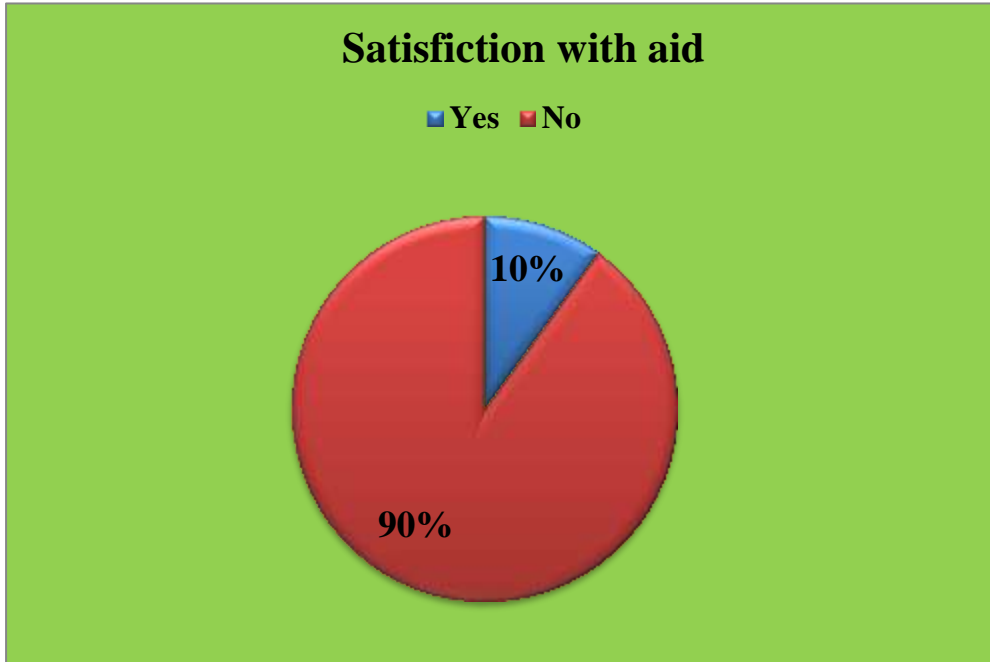
Table: 4.1.6

Reason for not satisfied with aid received

S.No	Reason for Dissatisfaction	No- of Respondents	Percentage
1.	Not on time when needed most	44	23.15
2.	Not as per our needs	31	16.31
3.	Very less	104	54.73
4.	Others	11	5.78
Total		**190**	**100**

مندرجہ بالا جدول میں ان وجوہات کو دکھایا گیا جن کی وجہ سے جواب دہندگان حاصل شدہ امداد سے مطمئن نہیں تھے۔ ان میں سے سب سے زیادہ شرح یعنی 54.73٪ خواتین کا کہنا ہے کہ دی گئی امداد بہت ہی کم تھی جس کی وجہ ان کے روزمرہ زندگی کے اہم اخراجات پورے نہیں ہو پاتے تھے۔ اسی طرح 23.15٪ خواتین کا ماننا ہے کہ حاصل شدہ امداد ان کی ضروریات کے حساب سے نہیں ملی جیسے کہ مل جانی چاہیے۔ 16.31٪ خواتین کے مطابق حاصل شدہ امداد ان کو اس وقت نہیں مل پایا جب کہ اس کی سخت ضرورت تھی۔ 5.78٪ خواتین نے دوسرے وجوہات جیسے ان کو وہ چیزیں امداد کی صورت میں دی گئی جن کی ان کو ضرورت نہیں تھی (جیسے کہ کتابیں، قلم، کپڑے وغیرہ جن کی اس مرحلے پر ضرورت نہیں تھی)۔ مذکورہ تجریہ کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اگر ان کو یہ امداد وقت پر ملتی تو وہ ذہنی پریشانیوں میں مبتلا نہیں ہوتی اور ان کے بچوں کا مستقبل بہتر اور خوشحال ہوتا۔

Graph No: 6

Reasons for Dissatisfaction
54.73
23.15
16.31
5.78
Not on time when needed most
Not as per our needs
Very less
Others
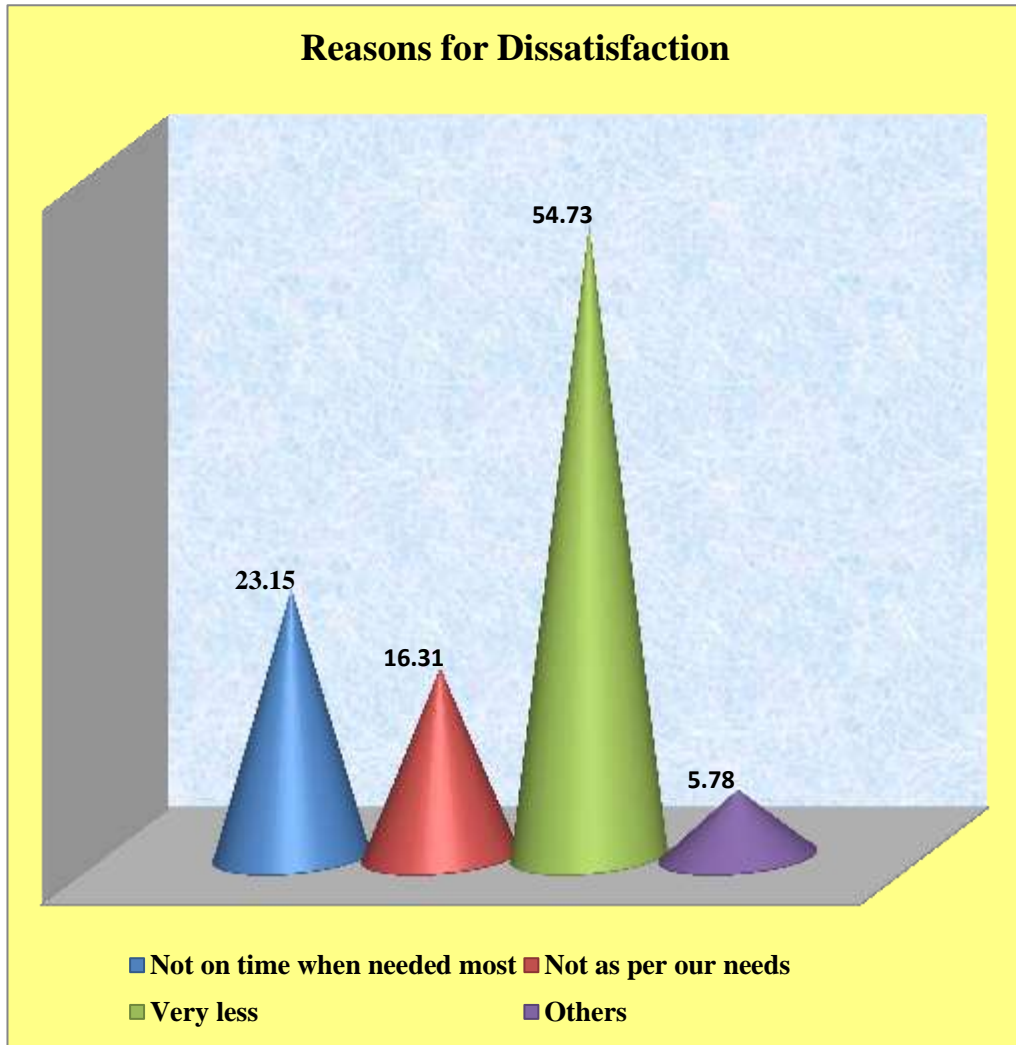
Table 4.1.7

S. No.	Filed an FIR	Frequency	%age
1	Yes	234	78
2	No	66	22
	Total	300	100%

اس جدول سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ٪78 خواتین نے اپنے شوہروں کی گمشدگی کے بارے میں FIRرپورٹ درج کی ہے۔ جبکہ ٪22 خواتین نے اپنے شوہروں کی گمشدگی کے بارے میں کوئی بھی رپورٹ درج نہیں کی ہیں۔ مجملہ کہا جاسکتا ہے کہ جواب دہندگان کی اکثریت نے FIRرپورٹ درج کی ہے اور بہت ہی کم افراد نے اس سے صرف نظر کیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ جواب دہندگان اور ان کے افراد خانہ کو دھمکایاں اور ڈرایا جاتا تھا جب یہ پولیس میں شکایت درج کرنے کے لئے جاتے تھے۔ پہلے تو ان کی شکایت ہی درج نہیں ہوتی اور بدلے میں ان کے ساتھ مار پیٹ جیسے واقعات پیش آتے تھے۔ ایک یا دو سال بعد ان کی شکایت درج ہوتی ہیں اس لئے بہت سارے جواب دہندگان ناامید ہو کے رہ جاتے ہیں اور شکایت درج کرنے نہیں جاتے۔ المیہ تو یہ ہے کہ کئی کئی پولیس والے مثبت چھان بین (Positive Verification) دیتے ہیں جبکہ CIDوالے اپنی رپورٹ میں یہ تصدیق کرتے ہیں کہ وہ سرحد پار گئے ہیں۔

Graph No: 7
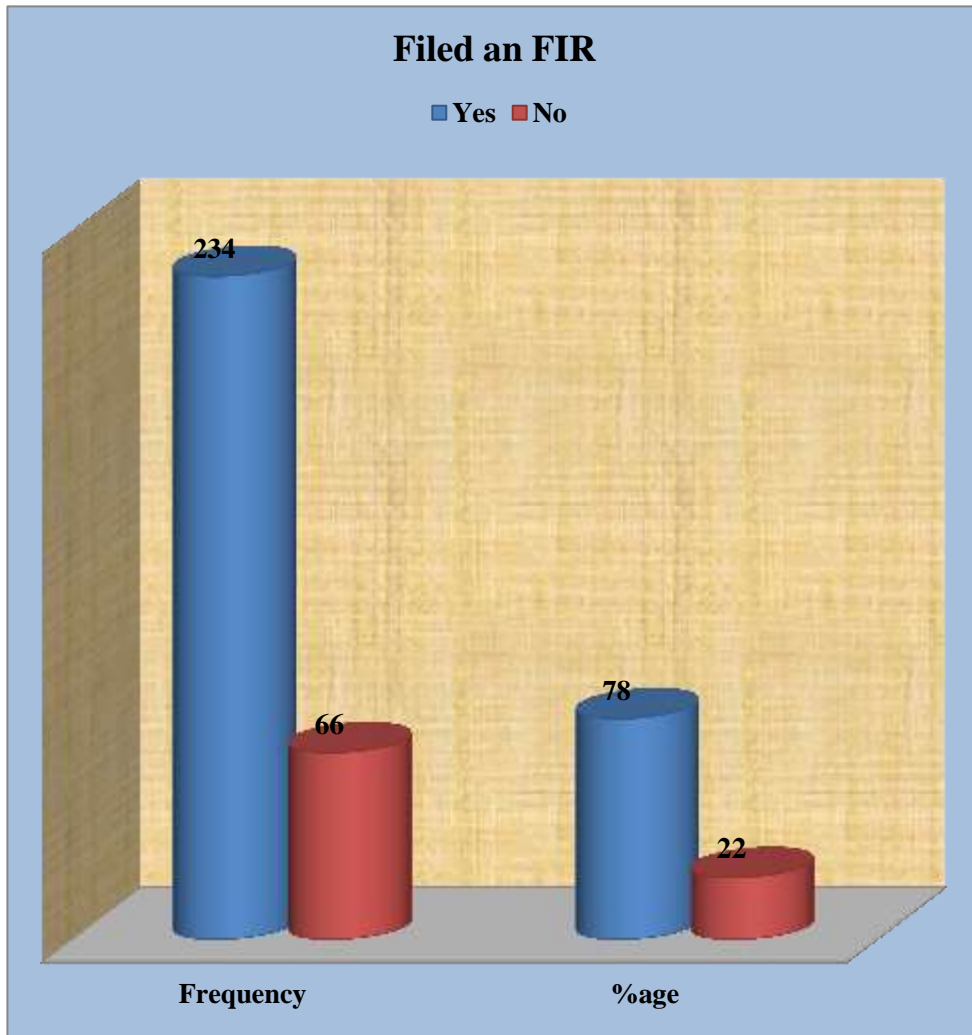
Table: 4.1.8

Assistance received after FIR

S.No	Assistance	Respondents	Percent
1.	Yes	83	35.47
2.	No	151	64.52
Total		**234**	**100**

اس جدول میں جواب دہندگان کی طرف سے درج کئے گئے FIR رپورٹ کے نتائج کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ 234 میں سے 83 یعنی ٪35.47 خواتین کے مطابق FIR رپورٹ درج کرنے سے اچھے نتائج بر آمد ہوئے ہیں یعنی کہ ان کو قانونی طور پر مدد ملی ہے۔ جبکہ 234 میں سے 151 یعنی ٪64.52 خواتین کو FIR رپورٹ درج کرنے سے کوئی خاص نتیجہ بر آمد نہیں ہوا یعنی کہ ان کو حکومت سے کوئی مدد نہیں ملی۔

مذکورہ تجزیہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ جن جواب دہندگان کی شکاتیں درج ہوئی ہیں ان کو چھ مہینے یا سال میں نئی چھان بین کے لئے دفتروں میں بلایا جاتا ہے۔ کبھی ان کو پولیس ڈپارٹمنٹ یا دوسرے ڈپارٹمنٹ جیسے ڈی۔ سی آفیس میں پورے دستاویز جمع کرنے پر بھی کوئی خاص نتیجہ موصول نہیں ہو پاتا۔ ان کے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا جیسے کہ وہ انسان ہی نہیں ہو۔

Graph No: 8

Assistance received after FIR
Respondents
Percent
35.47
83
64.52
151
Yes
No
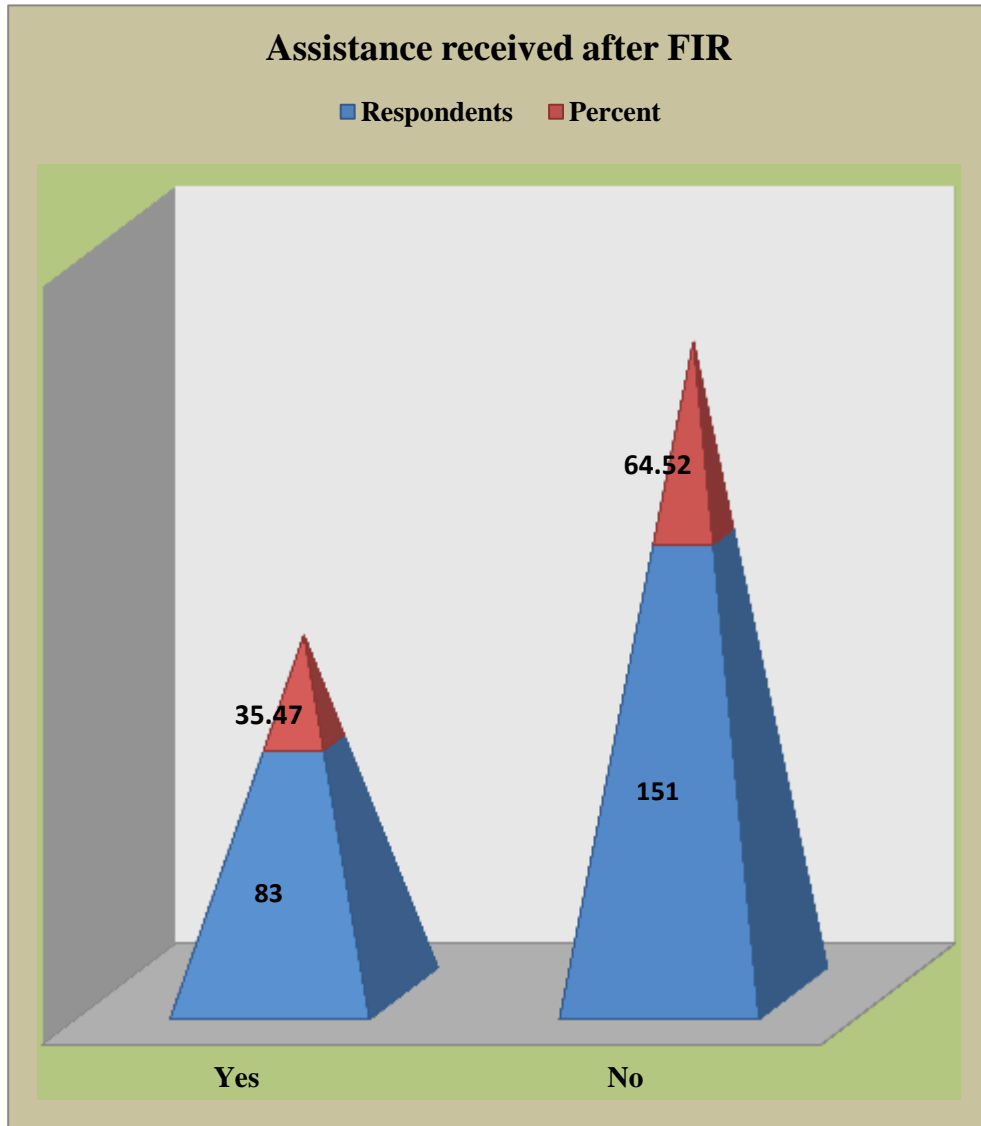
Case Study

یہ کہانی شمالی کشمیر کے درد پورہ گاؤں میں ایک غریب خاندان کی ہے۔ اس خاندان کے سرپرست کو اپنے ہمسائیوں نے کام کا جھانسہ دے کر غائب کر دیا۔ یہ خاندان بارہ افراد (جس میں ۹ لڑکیاں اور الڑکا بھی شامل ہیں) پر مشتمل ہے۔ والد کے غائب ہو جانے کے بعد اس خاندان کے تمام افراد نہایت ہی کسمپرسی کی زندگی گذار رہے ہیں۔ والد کے غائب ہو جانے کے بعد یہ لگاتار تھانے کے چکر کاٹتے تھے۔ لیکن وہاں ان کے ساتھ جانوروں جیسا سلوک کیا جاتا تھا۔

Source: Field survey 2017

بہت منت و سماجت کے بعد آخر کار FIR درج ہوا لیکن اس سے ایک اور پریشانی یہ بڑھ گئی کہ FIR درج ہونے سے پہلے ان کو فوج کی طرف سے ہر مہینے دس ہزار روپیے ملتے تھے کیس درج ہونے کے بعد یہ امداد بھی بند ہو گئی۔ انہیں بار بار فون پر دھمکیاں دی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ فوجی کیمپ کے نزدیک

ہونے کی وجہ سے ہر روز ان کے گھر کی تلاشی لی جاتی ہے اور نہایت باریک بینے سے چیکینگ بھی ہوتی ہے۔اس واقعہ سے پورا کنبہ متاثر ہوا۔ یہاں تک کہ ایک لڑکی اس حادثے کی وجہ سے جسمانی اور ذہنی طور پر بیمار ہوگئی ہے۔ بار باررونے کی وجہ سے اس کی آنکھوں کی بینائی بھی کسی حد تک کم ہوگئی ہے۔وہ جسمانی طور پر بھی اپاہج ہوچکی ہے ۔اگر چہ انہوں نے پھر SHO سے رجوع بھی کیاہے۔لیکن وہاں انہیں چندی گڈھ جانے کا مشورہ ملا،ساتھ ساتھ ان کو جان سے مارنے کی دھمکیاں بھی ملتی ہیں۔علاوہ ازیں انہیں معاملہ کو ختم کرنے کی صلاح دی جاتی ہے۔اب اس کنبے کی یہ حالت ہوگئی ہے کہ ان پریشانیوں کو مدِ نظر رکھ کر انہوں نے آرمی کیمپ اور تھانہ جانے سے ہی گریز کیاہے۔ تاکہ مزید پریشانی نہ اٹھانی پڑے اور بچوں پر مزید دباؤ نہ آنے پائے۔

Table: 4.1.9

Status of Legal assistance received after FIR

S.No	Legal assistance fruitful	Respondents	Percent
1.	Yes	45	54.21
2.	No	38	45.78
Total		**83**	**100**

اوپر دیئے گئے جدول میں FIRررج کرنے کے بعد ملنے والی معاونت مفید ہے یا نہیں کو دکھایا گیا ہے۔اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ 83 جواب دہندگان میں سے 45یعنی ٪54.21 کا کہنا ہے کہ درج کی گئیFIR رپورٹ ان کے لئے مفید ثابت ہوئی کیونکہ FIR درج کرنے سے ان کو اچھے نتائج سامنے آئے۔اسی

طرح 83 میں سے 38 یعنی 45.78٪ جواب دہندگان کا کہنا ہے کہ درج کی گئی FIR رپورٹ ان کے لئے مفید نہیں ثابت ہوئی۔

محقق نے مذکورہ بالا تجزیہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ جواب دہندگان کے پاس ایسے ذرائع میسر نہیں تھے جس سے اپنے کیس کو آگے بڑھا سکے اور ان کے کیس پر توجہ مرکوز کی جائے۔ علاوہ ازیں اعلیٰ انتظامیہ کے دباؤ میں آکر پولیس ان کیسز پر زیادہ توجہ نہیں دیتے تھے جس سے جواب دہندگان کو FIR درج کرنے کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہوتا ہے۔

Graph No: 9
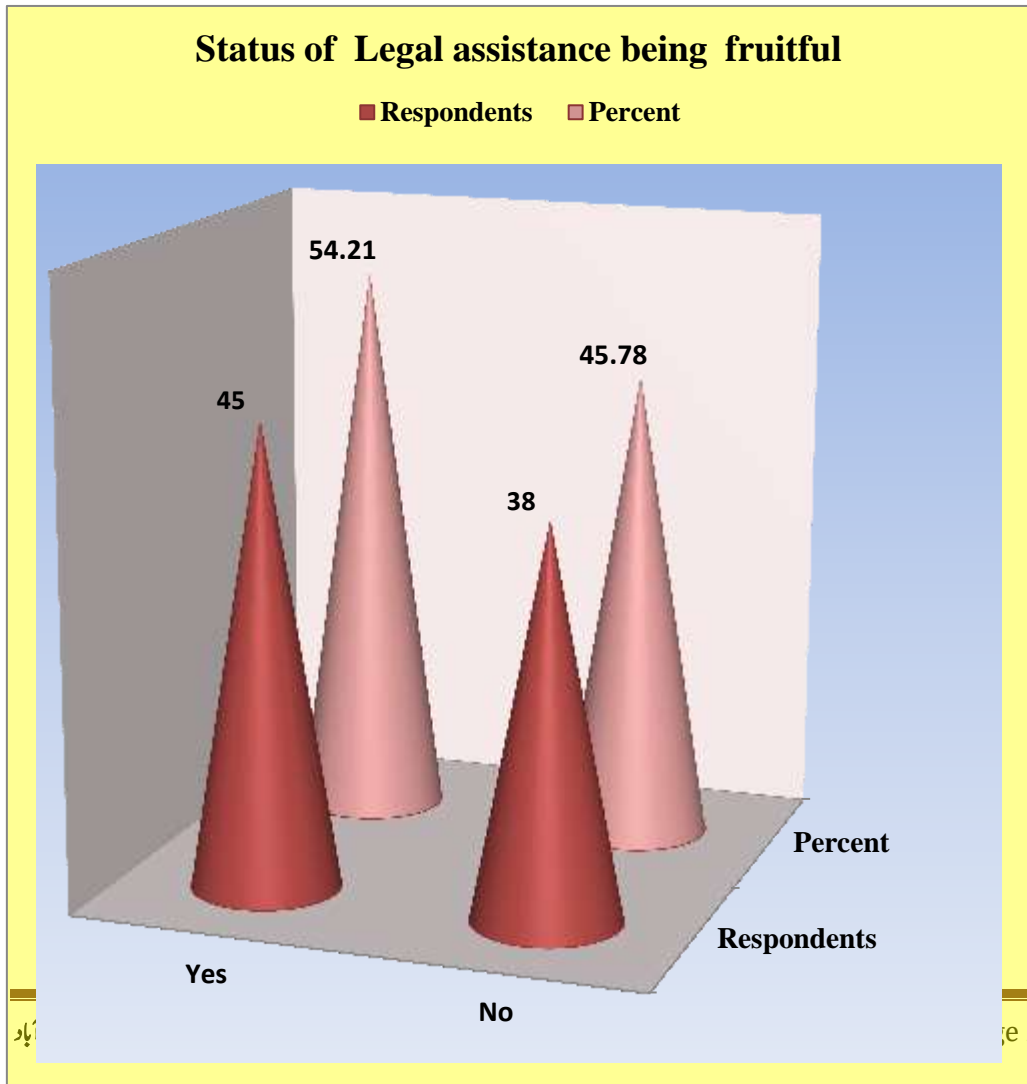
Table: 4.1.10

Reasons for Legal assistance not being fruitful

S.No	Reason not fruitful	Respondents	Percent
1.	No proper investigation took place	22	57.89
2.	Case is under investigation	10	26.31
5.	Conflict in police and CID verification	6	15.78
Total		**38**	**100**

اوپر دیئے گئے جدول میں حکومتی امداد کیوں فائدہ مند نہیں رہی کو دکھایا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ 57.89٪ جواب دہندگان کے مطابق کیس کی صحیح اور مکمل چھان بین نہ ہو پانے کی وجہ سے کی گئی شکایت مفید نہیں رہی۔ اسی طرح 26.31٪ جواب دہندگان کا کہنا ہے کہ کیس ابھی زیر تحقیق ہونے کی وجہ سے FIR کے اندراج کرنے سے کوئی معقول فائدہ نہیں ملا اور 15.78٪ جواب دہندگان کے مطابق پولیس اور CID کے جانچ (Verification) میں تضاد ہونے کے وجہ سے درج کی رپورٹ کا کوئی فائدہ نہیں ملا۔ کچھ جواب دہندگان کا کہنا ہے کہ پولیس نے صحیح تصدیق دے کے ان کو بے قصور ثابت کیا جبکہ CID نے ان کو قصوروار ٹھہرا کے یہ کہاوہ سرحد پار گئے ہیں۔

Graph No: 10

Reasons for Legal assistance not being fruitful
Respondents
Percent
57.89
22
26.31
10
15.78
6
No proper investigation took place
Case is under investigation
Conflict in police and cid verification
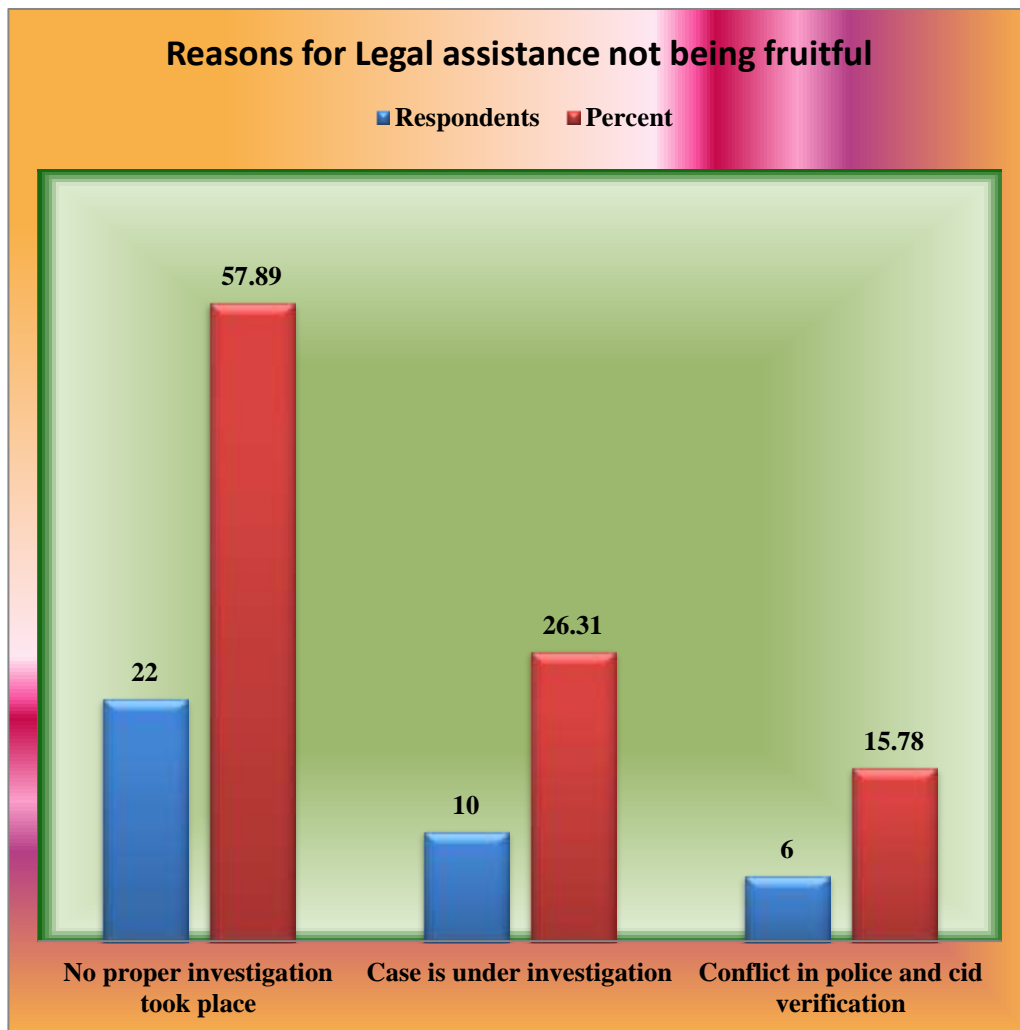
Table 4.1.11

Total expenditure towards search of disappeared person

S. No.	Total Expenses	Frequency	%age
1	Less than 50,000	27	9
2	50,000- 1,00,000	133	44.33
3	1,00,000-1,50,000	90	30
4	1,50,000-2,00,000	26	8.6
5	Above 2 lakh	24	8
Total		300	100

اوپر دیئے گئے جدول میں محقق نے یہ جاننے کی کوشش کی ہے کہ جواب دہندگان کو آج تک اپنے شوہروں کو ڈھونڈنے کی کوشش میں کتنی رقم خرچ ہوئی ہیں۔ ان میں سے کچھ جواب دہندگان اپنے شوہروں کی کھوج میں کشمیر کے علاوہ ہندوستان کے دیگر ریاستوں کے قید خانوں میں بھی گئے۔

44.33٪ جواب دہندگان کا کہنا ہے کہ ان کو اپنے شوہروں کو ڈھونڈنے کے لئے اب تک 50,000- 1,00,000 تک روپیہ خرچ ہوئے۔ اسی طرح 30٪ جواب دہندگان کے مطابق ان کو 1,00,000-1,50,000 تک، 9٪ جواب دہندگان کو 50,000 تک، 8.6٪ جواب دہندگان کو اپنے 1,50,000-2,00,000 تک، اور 8٪ جواب دہندگان کو 2,00,000 روپیہ سے زائد روپے اپنے شوہروں کو ڈھونڈنے کے لئے اب تک خرچ ہو چکے ہیں۔ اوپر دیئے گئے تجزیہ سے محقق اس نتیجہ پر پہنچا کہ جواب دہندگان کی اکثریت نے اپنے شوہروں کو ڈھونڈنے کے لئے پچاس ہزار سے زائد رقم خرچ کی ہے۔ ایک

طرف یہ خواتین محنت مزدوری کر کے اپنا اور اپنے بچوں کا بہت مشکل سے پیٹ پال رہی ہیں وہی دوسری طرف اسی محنت کی رقم کو بچا کے اپنے شوہروں کو ڈھونڈنے کے لئے بھی خرچ کر رہی ہیں۔

Graph No: 11
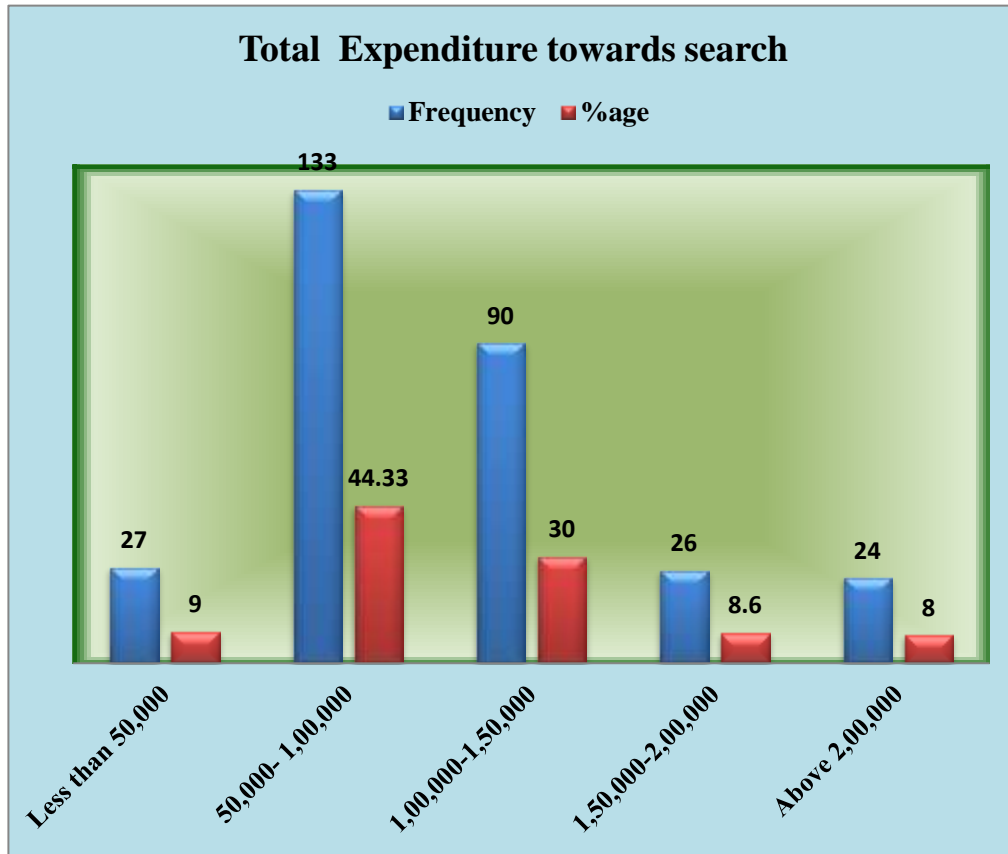
Table 4.1.12

Means adopted to arrange money for searching the disappeared person

S. No.	Means adopted	Frequency	%age
1	Sold Property	104	34.66
2	Sold ornaments	24	8
3.	Withdrew Mehar from bank	97	32.33
4.	Assisted by parents/relatives	75	25
Total		300	100

اوپر دئے گئے جدول سے اس بات کا پتہ لگانے کی کوشش کی گئی ہے کہ آخر کار جواب دہندگان نے کہاں سے رقم کا انتظام کیا جو انہوں اپنے شوہروں کو ڈھونڈنے کے لئے خرچ کیا ہے۔ 34.66٪ کا کہنا ہے کہ انہوں نے اپنی جائداد مثلاً زمین، پیڑ پودے، اناج وغیرہ بیچ کر یہ رقم حاصل کی۔ 32.33٪ جواب دہندگان کے مطابق انہوں نے مہر کی رقم اور جو بچی رقم بنکوں میں جمع کئے تھے ان سب کو نکال کے اپنے شوہر کی تلاش میں خرچ کئے۔ اسی طرح 25٪ جواب دہندگان کا کہنا ہے کہ انہوں نے اپنے والدین اور رشتہ داروں سے پیسے مانگے۔ جبکہ 8٪ جواب دہندگان نے رقم حاصل کرنے کے لئے اپنے زیور بیچ ڈالے تاکہ وہ اپنے شوہر کو واپس لا سکے۔

اوپر دیے گئے تجزیہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ ایک طرف سے وہ اپنے شوہروں سے جدا ہو گئے اور دوسری جانب انھیں تلاش کرتے کرتے معاشی و اقتصادی زبوں حالی کی شکار ہو گئیں۔

Graph No: 12

Means adopted to arrange money for searching the disappeared person
Frequency
%age
104
34.66
24
8
97
32.33
75
25
Sold Property
Sold ornaments
Withdraw mehar from bank
Help by parents/relatives
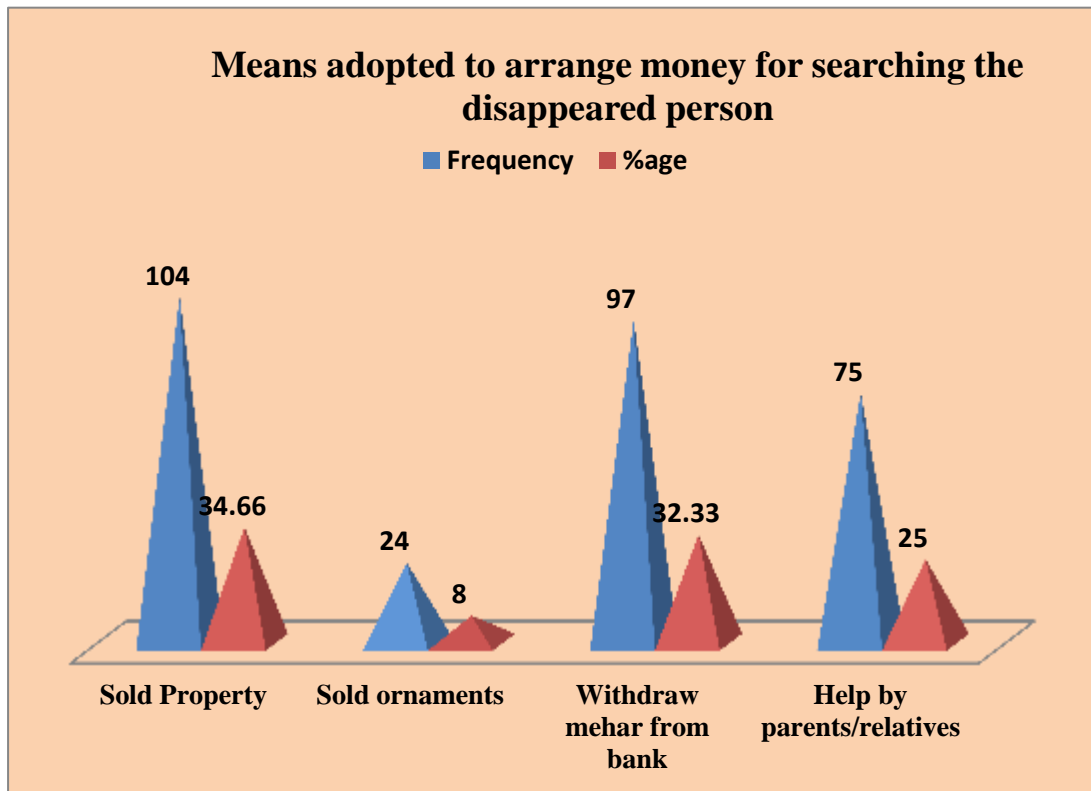
Table No: 4.1.13

Trauma Symptom Checklist -40

(Briere & Runtz, 1989)

How often have you experienced each of the following in the last two months?
0 = Never 3 = Often

1. Headaches 0 1 2 3
2. Insomnia (trouble getting to sleep) 0 1 2 3
3. Weight loss (without dieting) 0 1 2 3
4. Stomach problems 0 1 2 3
5. Sexual problems 0 1 2 3
6. Feeling isolated from others 0 1 2 3
7. "Flashbacks" (sudden, vivid, distracting memories) 0 1 2 3
8. Restless sleep 0 1 2 3
9. Low sex drive 0 1 2 3
10. Anxiety attacks 0 1 2 3
11. Sexual over activity 0 1 2 3
12. Loneliness 0 1 2 3
13. Nightmares 0 1 2 3
14. "Spacing out" (going away in your mind) 0 1 2 3
15. Sadness 0 1 2 3
16. Dizziness 0 1 2 3
17. Not feeling satisfied with your sex life 0 1 2 3
18. Trouble controlling your temper 0 1 2 3
19. Waking up early in the morning and can't get back sleep
20. Uncontrollable crying 0 1 2 3
21. Fear of men 0 1 2 3
22. Not feeling rested in the morning 0 1 2 3
23. Having sex that you didn't enjoy 0 1 2 3
24. Trouble getting along with others 0 1 2 3
25. Memory problems 0 1 2 3
26. Desire to physically hurt yourself 0 1 2 3
27. Fear of women 0 1 2 3
28. Waking up in the middle of the night 0 1 2 3
29. Bad thoughts or feelings during sex 0 1 2 3
30. Passing out 0 1 2 3
31. Feeling that things are "unreal" 0 1 2 3
32. Unnecessary or over-frequent washing 0 1 2 3
33. Feelings of inferiority 0 1 2 3
34. Feeling tense all the time 0 1 2 3
35. Being confused about your sexual feelings 0 1 2 3
36. Desire to physically hurt others 0 1 2 3
37. Feelings of guilt 0 1 2 3
38. Feelings that you are not always in your body 0 1 2 3
39. Having trouble breathing 0 1 2 3
40. Sexual feelings when you shouldn't have them 0 1 2 3

1	53
2	47
3	17
4	98
5	0
6	221
7	6
8	66
9	10
10	26
11	0
12	237
13	09
14	13
15	31
16	14
17	0
18	0
19	78
20	18
21	06
22	52
23	0
24	38
25	2
26	3
27	0
28	29
29	0
30	0
31	5
32	5
33	24
34	40
35	6
36	6
37	19
38	7
39	19
40	5

Trauma Symptom Checklist - 40 (TSC-40)
Subscale composition and scoring for the TSC-40 the score for each subscales the sum of the relevant items, listed below:
Dissociation: 7,14,16,25,31,38
Anxiety: 1,4,10,16,21,27,32,34,39
Depression: 2,3,9,15,19,20,26,33,37
SATI (Sexual Abuse Trauma Index): 5, 7,13,21,25,29,31
Sleep Disturbance 2,8,13,19,22,28
Sexual Problems 5,9,11,17,23,29,35,40

TSC-40 total score: 1-40

S.No	Variables	Scores	% tage
1	Dissociation	47	15.66
2	Anxiety	261	87
3	Depression	247	82.33
4	SATI (Sexual Abuse Trauma Index)	28	9.33
5	Sleep Disturbance	281	93.66
6	Sexual Problems	21	7

اوپر دیئے گئے Trauma check list میں جواب دہندگان کے پچھلے دو مہینے سے سابقہ پڑرہے مختلف بیماریوں کے بارے میں بتایا گیا۔ یہ Trauma check list، Briere اور Runtz نے 1989 میں تیار کیا۔ یہ چیک لسٹ 40 بیانات (items) پر مشتمل ہیں جس کو کل چھ زمروں میں منقسم کیا گیا۔ اس چیک لسٹ میں خواتین سے متعلق مختلف مسائل کو شامل کیا گیا ہے اور ان ہی کی بنیاد پر ان کی اسکورنگ کی گئی۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جواب دہندگان کی سب سے زیادہ شرح یعنی 93.66٪، Sleep Disturbance کی شکار ہیں۔ اسی طرح جواب دہندگان کی 87٪ تعداد Anxiety کے عارضے میں مبتلا ہے، 82.33٪، جواب دہندگان Depression کے عارضے کے شکار ہیں۔ 15.66٪ جواب دہندگان Dissociation میں مبتلا

ہیں۔ 9.33٪ جواب دہندگان SATI (Sexual Abuse Trauma) کے شکار ہیں اور جواب دہندگان کی بہت ہی کم تعداد یعنی 7٪، Sexual Problems کے مسائل سے دوچار ہیں۔ مذکورہ بالا تجزیہ کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ حادثے ہونے کے اتنے سال بعد بھی یہ خواتین کسی نہ کسی بیماری جیسے جسمانی، ذہنی اور نفسیاتی میں مبتلا ہیں۔ جس کا اثر نہ صرف خود ان پر بلکہ ان کے بچوں پر بھی براہ راست یا بلاواسطہ طور پر پڑتا ہے۔

4.2۔ کشمیر کی نیم بیوہ خواتین اور انسانی حقوق کی پامالی:

اہلِ کشمیر ایک طویل مدت سے ظلم و جبر، انسانیت سوز مظالم اور انسانی حقوق کی بے دردی سے پامالی کا سامنا کر رہے ہیں۔ جسمانی اذیتوں، معاشی مصائب کے ساتھ ساتھ نفسیاتی ٹارچر بھی سہ رہے ہیں۔ خاص طور پر بھارتی فوج کے ہاتھوں مسلمان خواتین کی تذلیل اور بے حُرمتی کا سامنا کرنا انتہائی اذیت ناک عمل ہے۔ کشمیری خواتین آج کن مصائب سے دوچار ہیں، خاوندوں کے مر جانے یا لاپتا ہو جانے کے نتیجے میں بیوگی اور نیم بیوگی کی جس کیفیت سے وہ دوچار ہیں، کن معاشی مسائل کا سامنا کر رہی ہیں، لاپتا افراد کی تلاش میں بھارتی انتظامیہ کے ظالمانہ رویوں اور انسانیت سے گری ہوئی حرکات کا کیسے سامنا کر رہی ہیں، نیز کمانے والے افراد کے فوت ہونے یا لاپتا ہو جانے کے نتیجے میں گھروں کو چلانے اور بچوں کی پرورش اور تربیت کے لیے کن مشکلات اور کیسے کیسے ذہنی و نفسیاتی مسائل سے دوچار ہیں۔ ان گرفتاریوں، ہلاکتوں اور کشمیر کی مظلوم عورت کو درپیش مسائل کی یہ دکھ بھری داستان دیکھ انسان خون کے آنسو بہانے لگتا ہے۔

بھارت کے اس سفاکانہ ظلم و ستم کے نتیجے میں ایک اندازے کے مطابق ۱۹۸۹ء سے اب تک ایک لاکھ سے زائد مرد، جب کہ ۲ ہزار سے زائد خواتین شہید ہو چکی ہیں۔ ایک لاکھ سے زائد افراد گرفتار ہیں، ۳۲ ہزار سے زیادہ خواتین بیوہ اور تقریباً ۲ لاکھ بچے یتیم ہو چکے ہیں۔ ان حالات میں خواتین کی ایک بڑی تعداد ذہنی دباؤ اور ذہنی امراض سے دوچار ہے۔ خاص طور پر اُن خواتین کو شدید ذہنی اضطراب کا سامنا ہے جن کے خاوند خفیہ ایجنسیوں کے ہاتھوں طویل عرصے سے لاپتا ہیں اور نہیں معلوم کہ وہ زندہ بھی ہیں یا نہیں؟ گویا ان کی حالت 'نیم بیوہ' کی سی ہے! وہ اپنے خاوندوں کی پنشن بھی نہیں لے سکتیں کہ خاوند کا تصدیق نامۂ وفات (death certificate) نہیں پیش کر سکتی ہیں۔ وہ اس اُمید پر جی رہی ہیں کہ ان کے خاوند زندہ ہیں۔ وہ دوسری شادی بھی نہیں کر سکتی ہیں کہ اس طرح مصیبت زدہ خاندان ان کی معاشی کفالت سے محروم ہو جاتی ہیں۔ بچے کس خوف و ہراس سے دوچار ہیں اور جوان بچیوں کے تحفظ کے لیے مائیں کس طرح پریشان ہیں۔ اس باب میں نیم بیوہ خواتین اور کشمیر میں ہو رہی انسانی حقوق کی پامالیوں کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی۔

4.2.1 ایجنسیاں جنہوں نے نیم بیواؤں کے شریک حیات کو غائب کیا۔

کشمیر میں بے قصور لوگوں کو مارنا عام بات بن گئی ہے مگر المیہ اب یہ ہے کہ خواتین کے شریک حیات کو غائب کر دیا جاتا ہے۔ جس کی زندہ مثال ایک واقعہ کی صورت میں پیش کی جا رہی ہے۔ کہ زینب نامی ایک نیم بیوہ کے شوہر (پیر زادہ محمد شفیع جیلانی) کو 22 اگست 1990 میں CRPF 46 کے Vijay Kumar Pandey

Major نے کریک ڈاؤن کے دوران حراست میں لیا۔ جب گھر والوں نے ان سے رجوع کیا تو کیمپ والوں نے جواباً کہا کہ ہم دو تین دن میں اُن کو رہا کر دیں گے۔ لیکن جب انھیں رہا نہیں کیا گیا تو گھر والوں نے FIR درج کیا۔ بہت کوششوں کے بعد بھی کچھ نہ ہو سکا۔ بعد میں اس میجر نے وہاں سے دلی ٹرانسفر کروالی۔ جہاں وہ ڈی ایس پی گل کے اسٹاف آفیسر تھے۔ بہت اثر ورسوخ کے بعد اس میجر سے بات ہوئی تو انہوں نے یوں کہا "**کیا وہ کوئی میوے کا ڈبہ تھا جو میں اسکو یہاں تحفے کے طور پر ساتھ لاتا۔ جاؤ کہیں پر دیکھو ویسے جھیل ڈل کی لہروں میں اُ**ن کی لاش کہیں پر تیرتی ہوئی ملے گی"۔ اسی طرح بہت سے لوگوں کو یہاں کی فوج نے اپنے عہدہ کو بڑھانے کی خاطر غائب کی اور آج تک ان کا کوئی اتہ پتہ نہیں ہے۔ اسی طرح بہت سی ایجنسیاں اس میں ملوث ہیں جن کی تفصیل یہاں ممکن نہیں۔

محقق اس جدول میں یہ بات ثابت کرنا چاہتا ہے کہ کون کونسی ایجنسیاں ایسی ہیں جو ان مردوں کو غائب کر دیتی ہیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق تقریباً آٹھ ہزار غیر شادی شدہ مردوں کو غائب کیا گیا ہے اور تقریباً 2500–2000 شادی شدہ افراد ایسے جن کا کوئی پتہ نہیں۔

Table 4.2.1

% distribution of respondents by the agencies responsible for their husband's disappearance and the reasons

Picked up by whom	Working with Army	Active Militant	Surrend ered Militant	Working in Police dept.	Religious teacher	Innocent	**Total %**
Army	02	2	7	01	16	198	**226** (75.33)
Militant	0	0	0	2	3	03	**8** (2.66)
Unknown Persons	0	01	2	3	6	28	**40** (13.33)
Do not know	1	0	3	3	4	15	**26** (8.66)
Total %	**3** (1)	**3** (1)	**12** (4)	**9** (3)	**29** (9.66)	**244** (81.33)	**300** (100)

جدول 4.2.1 سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ 75.33٪ خواتین نے کہا کہ ان کے شریک حیات کو فوج نے غائب کر دیا ہے۔ اسکی ایک زندہ مثال یہ ہے کہ ایک خاتون نے آرمی آفیسر کو پہچان بھی لیا جس نے اُن کے شوہر کو گرفتار کیا تھا۔ لیکن جب کورٹ میں یہ کیس پہونچا تو اُس آرمی آفیسر کے وکیل نے اس خاتون کو یہ کہا تھا کہ آپ ہم سے بیس ہزار روپئے لے لو اور عدالت میں صرف یہ کہنا کہ میرے شوہر کو militants نے غائب کر دیا، نہ کہ اس آرمی آفیسر نے چند خواتین کے شوہر کام کے دوران جبکہ کچھ خواتین کے شوہر بازاروں سے اُٹھالیے گئے۔ اور چند خواتین کے شریک حیات کو جنگل سے اُٹھالیا گیا ہے اور ابھی تک ان کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ کچھ خواتین اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ ان کے شریک حیات کو کن ایجنسیوں

نے غائب کیا ہے۔ 81.33٪ نیم بیوہ خواتین کے مطابق ان کے شوہر بے قصور تھے۔ 4٪ نیم بیواؤں کا کہنا ہے کہ انکے شوہر سابقہ عسکریت پسند تھے جس کی وجہ سے اُنھیں غائب کر دیا گیا ہے۔ 9.66٪ خواتین کا کہنا ہے کہ ان کے شوہر مذہبی معلم تھے اور شک و شبہات کی بنا پر انہیں گرفتار کر کے غائب کر دیا گیا۔

13.33٪ نیم بیواؤں کا کہنا ہے کہ کچھ نامعلوم افراد رات کو آئے اور ان کے شوہر کو اپنے ساتھ لے گئے۔ اسکے بعد انکا کوئی پتہ نہیں چل سکا۔ 1٪ نیم بیوہ کا کہنا ہے کہ ان کے شوہر عسکریت پسند تھے اور 1٪ کا ہی کہنا ہے کہ ان کے شوہر آرمی کے لئے کام کرتے تھے جس کی وجہ سے انھیں غائب کر دیا گیا ہے۔ ایسے حالات میں انسان کا تنہا رہنا بہت مشکل ہے بالخصوص جب اس کے اپنے اس کے درمیان موجود ہوں لیکن بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ یہ نیم بیوائیں برسوں سے مجرد زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ ایسے میں یہ نیم بیوائیں اب اپنی زندگی سے بہت تنگ آچکی ہیں یہ بیوائیں روز جیتی اور روز مرتی ہیں۔ کوئی انکا غمخوار نہیں ہے۔

مذکورہ بالا تجزیہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ غائب ہو چکے افراد میں سب سے زیادہ تناسب 81.33٪ بے گناہ لوگوں کا ہے۔ جن کی گمشدگی کے پیچھے زیادہ تر فوجی اہلکاروں کا ہاتھ ہے۔ آرمی کو ایسے اختیارات دیئے گئے ہیں جیسے (AFSPA) جس کا وہ اکثر و بیشتر غلط استعمال کرتے ہیں، اور اس وجہ سے انسان کے بنیادی حقوق کی پامالی آئے دن ہوتی رہتی ہیں۔

Graph No: 13(a)
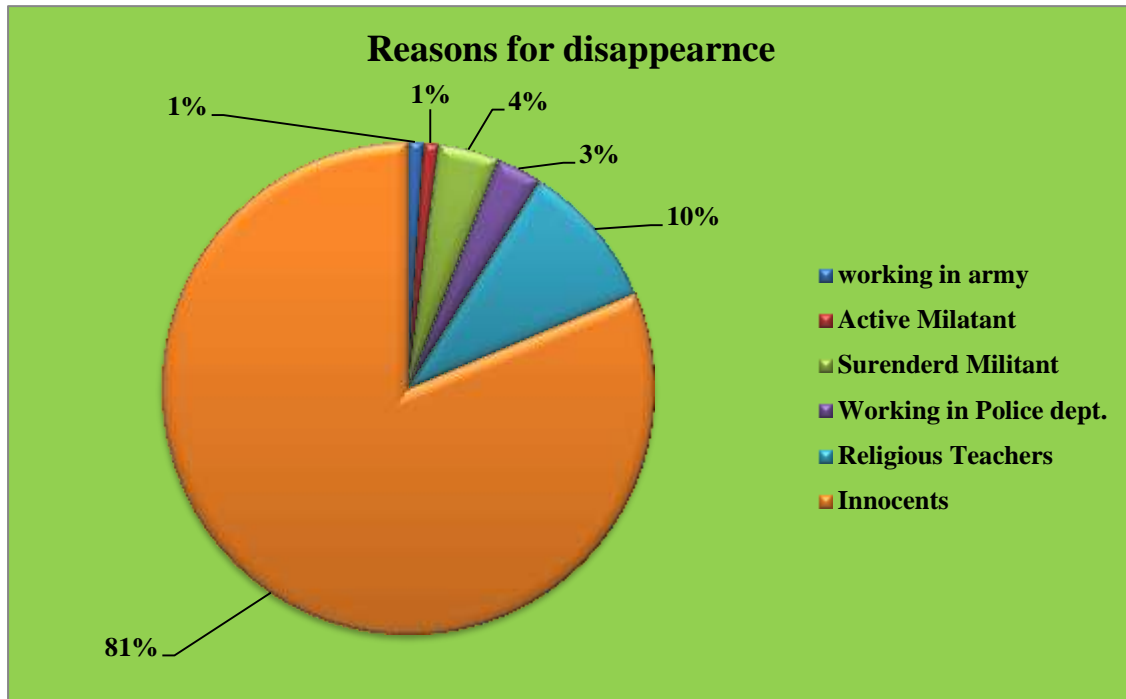
Graph No: 13(b)
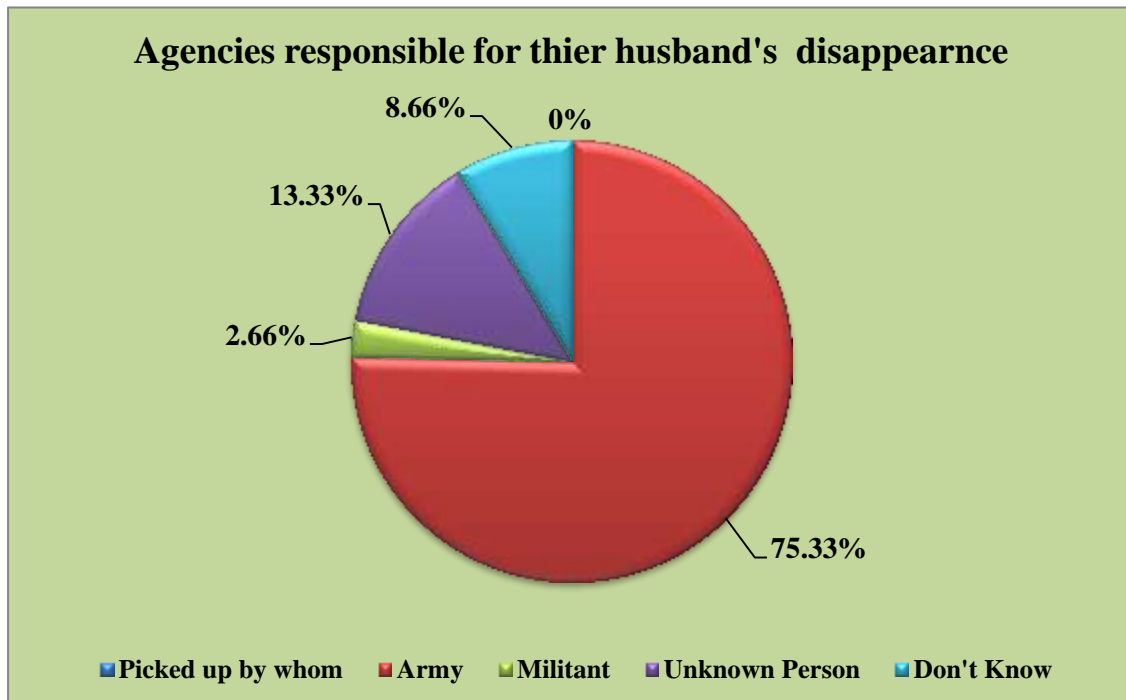
Table 4.2.2

Impact of disappearance on children

بچوں پر والد کے غائب ہونے کے اثرات

S. No.	Impact of disappearance on children	Frequency	%age
1	Health problem (Physical)	78	26
2	Psychological Problem	85	28.33
3	Dropout	52	17.33
4	Domestic Work	60	20
5	Child Labor	25	8.33
	Total	300	100

اس جدول میں بچوں پر ان کے والد کے غائب ہونے کے اثرات کو دکھایا گیا جس سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ 28.33٪ جواب دہندگان کے مطابق ان کے بچے والد کے گمشدہ ہونے کی وجہ سے نفسیاتی امراض کا شکار ہو چکے ہیں۔ اسی طرح 26٪ جواب دہندگان کے مطابق ان کے بچے جسمانی صحت کے مسائل سے دوچار ہیں۔ جبکہ 20٪ خواتین نے کہا کہ شوہر کے غائب ہونے کی وجہ سے ان کے بچے گھریلو کام کاج میں مشغول ہو گئے ہیں۔ اسی طرح 17.33٪ خواتین کا کہنا ہے کہ شوہر کے گمشدہ ہونے کی صورت میں ان کے بچے تعلیم ترک کر چکے ہیں۔ جبکہ 8.33٪ جواب دہندگان نے کہا ہے کہ شوہر کے گمشدہ ہونے کی وجہ سے ان کے بچے گھر کی معاشی حالت جو سدھارنے کے لیے مزدوری کرنے پر مجبور ہو گئے۔

Graph No: 14

impact of disappearence on children
9%
26%
20%
17%
28%
Physical Health problem
Psych. Problem
Dropout
Domestic Work
Child Labor
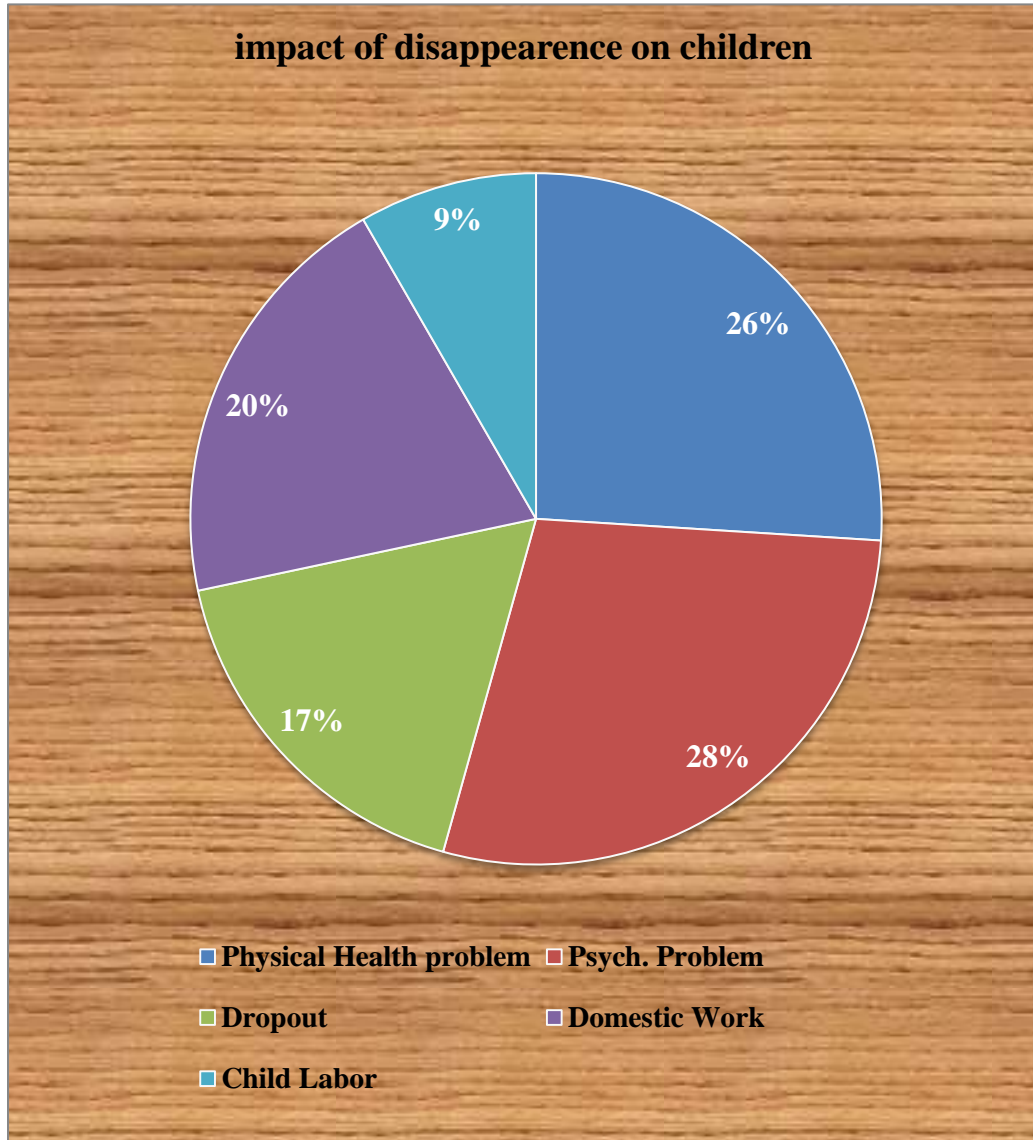
Table 4.2.3

Impact of disappearance on children's education

والد کی گمشدگی سے بچوں کی تعلیم پر اثرات

S. No.	Impact on children's education	Frequency	%age
1	Yes	274	91.33
2	No	26	8.66
	Total	300	100%

یہ جدول والد کے غائب ہونے سے بچوں کی تعلیم کس طرح متاثر ہوئی ہے، اس حقیقت کو پیش کرتی ہے۔ 91.33٪ جواب دہندگان کے مطابق شوہر کی گمشدگی نے ان کے بچوں کو بہت حد تک متاثر کیا جبکہ 8.66٪ جواب دہندگان کا کہنا ہے کہ شوہر کی گمشدگی کی وجہ سے ان کے بچوں کی تعلیم پر کوئی خاص فرق نہیں پڑا۔ مذکورہ بالا تجزیہ کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ شوہر کے گمشدہ ہو جانے کی وجہ سے جواب دہندگان کے بچوں پر کافی گہرا اثر پڑا۔ جن میں اکثر بچوں کی تعلیم ادھوری رہ گئی اور ترک تعلیم کے لئے مجبور ہو گئے۔ بعد میں کچھ بچوں نے فاصلاتی نظام تعلیم (Distance Education) کے ذریعہ اپنی تعلیم جاری رکھی۔ چند بچوں نے اس وجہ سے اپنی تعلیم پوری نہ کی کیونکہ ان کو روز دوسرے بچے ان کے باپ کے بارے میں پوچھتے رہتے تھے جس کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ تحقیق کے دوران یہ بات سامنے آئی کہ والد کے غائب ہونے کے بعد لڑکیوں کی تعلیم لڑکوں کے بنسبت زیادہ متاثر ہوئی۔ کیونکہ جب معاشی حالت پست ہوتی ہیں اس صورت کو میں لڑکیوں کی تعلیم کو ترک کروایا جاتا ہے۔

Graph No: 15
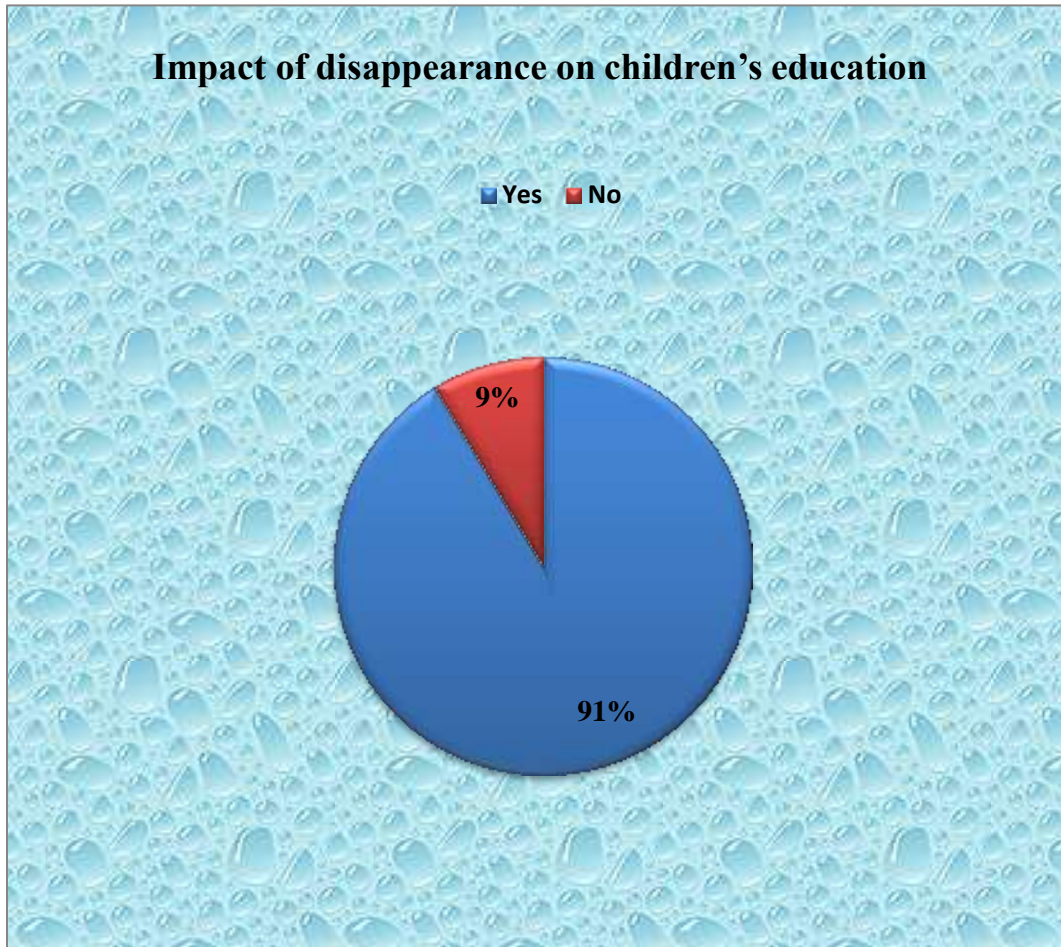
Table 4.2.4

Reasons for discontinuing education of Children

بچوں کی ترک تعلیم کے وجوہات

S. No.	Reasons	Frequency		Total
		Boys	Girls	
1	Economic Reasons	31(11.31)	75(27.37)	106(38.68)
2	Family Reasons	27(9.85)	40(14.59)	67(24.45)
3	Insecurity	16(5.83)	47(17.15)	63(22.99)
4	Other	13(4.74)	25(9.12)	38(13.86)

اس جدول بچوں کی ترک تعلیم کے وجوہات کو پیش کیا گیا۔ 38.68٪ جواب دہندگان کا کہنا ہے کہ ان کے بچے معاشی واقتصادی وجوہات کی وجہ سے تعلیم سے محروم رہے۔ جس میں سے 27.37٪ لڑکیوں کی تعلیم جبکہ 11.31٪ لڑکوں کی تعلیم ترک ہوئی ۔اسی طرح 24.45٪ جواب دہندگان کے بقول گھریلو وجوہات (گھر کی ذمہ داری، محدود کنبہ، ہجرت وغیرہ) کی بنا پر ان کے بچوں نے تعلیم ترک کی، جس میں 14.59٪ لڑکیاں اور 9.85٪ لڑکے شامل ہیں۔ علاوہ ازیں 22.99٪ جواب دہندگان کے مطابق شوہر کی گمشدگی کی وجہ سے ان کے بچے عدم تحفظ کی وجہ سے ترک تعلیم پر مجبور ہو گئے، جس میں 17.15٪ لڑکیاں اور 5.83٪ لڑکے شامل ہیں۔ آخر میں 13.86٪ جواب دہندگان کا کہنا ہے کہ شوہر کے گمشدہ ہونے کی صورت میں ان کے بچوں کی تعلیم دوسرے وجوہات کی بنا پر (اسکول سے دوری، تانے بانے کسنا وغیرہ) سے متاثر ہوئی ہیں، جس میں 9.12٪ لڑکیوں کی تعلیم اور 4.74٪ لڑکوں کی تعلیم متاثر ہوئی۔

مذکورہ بالا تجزیہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ اسکول، کالجز کے آس پاس اور جگہ جگہ مقیم فوجی دستوں کی وجہ سے لڑکیاں تعلیم ترک کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں کیونکہ ان فوجیوں کے بار بار گھورنے سے اور کبھی کبھار چھیڑ چھاڑ کی وجہ سے یہ اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھتی، جس کے نتیجے میں اکثر والدین لڑکیوں کو گھر پر بیٹھنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وادی کشمیر میں خواتین کے بنیادی حقوق کے ساتھ ساتھ انسانی حقوق کی بھی پامالی ہوتی رہتی ہے۔

Graph No: 16
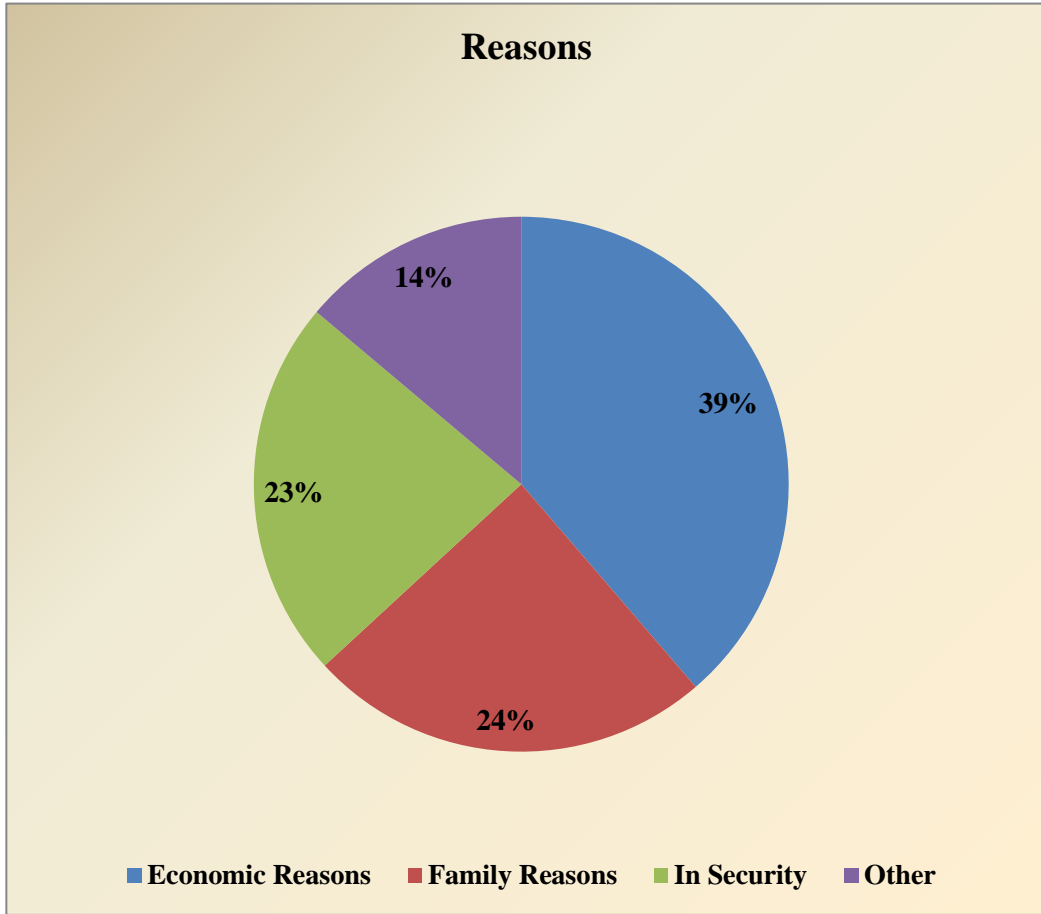
4.2.5. جواب دہندگان کی عمر اور ان کے ساتھ مظالم کے اقسام:

کشمیر میں روایتی بھائی چارے کی مثال صدیوں پر محیط ہے اور کسی بھی طرح کے جرم کی مثال ملنا پہلے پہلے بہت مشکل تھا۔ لیکن آج یہ معاشرہ بالکل اس کے برعکس نظر آتا ہے ہر طرف جرائم کے انبار نظر آتے ہیں اور تقریباً سارا معاشرہ اس کا چشم دید گواہ بھی ہے۔ ایسے حالات صرف دو چار سالوں میں ہی رونما ہو گئے ہیں۔ عام طور پر اس کا الزام یا تو جدیدیت پر تھوپا جاتا ہے یا عسکریت پسندی پر اس کا الزام لگایا جاتا ہے۔ جدیدیت کا تعلق براہ راست سماجی، صنعتی، ثقافتی، تعلیمی اور اخلاقی زوال پذیری سے ہے۔ شہری زندگی میں ایک عورت کو دو طرح کے کردار (پہلا دفتر دوسرا گھر کا) نبھانے پڑتے ہیں۔۔ گھریلو زندگی میں اس کو طرح طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے پھر چاہے وہ گھر میں امتیازی سلوک یا جہیز کی مانگ ہو۔ اس وجہ سے یہ خواتین ذہنی انتشار، جسمانی تشدد اور نفسیاتی مسائل کی شکار ہو جاتی ہیں اور اس کے ذمہ دار صرف مرد حضرات ہی نہیں بلکہ عورتیں بھی اس میں پیش پیش ہیں۔ مگر بہت سارے معاملات میں مرد نے سبقت لی ہے۔

دوسری طرف عسکریت پسندی نے خواتین کے خلاف تشدد کی لہر کو ہوا دی۔ حکومت کے حامی گروپ اور آزادی پسند اور عسکریت پسندوں نے بندوق کے غلط استعمال سے خواتین کو تشدد کا نشانہ بنایا۔ حکومت کی طرف سے فوج اور نیم فوجی دستوں کو خصوصی اختیارات جیسے افسپا(AFSPA) اور منتشر علاقائی ایکٹ جیسے کالے قوانین کی بدولت ان کو تشدد، عصمت و عفت کو تار تار کرنا اور خواتین کے خلاف زیادتی کرنا سماجی اور سیاسی قانون بن گیا ہے۔

Table 4.2.5

% Distribution of respondents by their age and type of exploitation they face

Age	Physical Violence	Emotional violence	Verbal abuse	Financial Abuse	None	Total %
26-35	20	10	14	6	6	**56** (18.66)
36-45	36	23	45	9	12	**125** (41)
46-55	20	12	27	4	11	**74** (24.66)
56-65	0	10	13	3	19	**45** (15)
Total %	**76** (25.33)	**55** (18.33)	**99** (33)	**22** (7.33)	**48** (16)	**300** (100)

جدول نمبر 4.2.5 میں جواب دہندگان کے ساتھ ہو رہے مختلف النوع کے استحصال / تشدد کے بارے میں معلومات دی گئی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ 33٪ خواتین کے ساتھ سیدھے منہ بات ہی نہیں کی جاتی ہے یعنی کہ وہ verbal abuse کی شکار ہیں ۔ ان میں سے 45.45٪ خواتین 45-36 سال کے زمرے میں آتی ہیں۔ 25.33٪ خواتین ایسی ہیں جو جسمانی تشدد کی شکار ہوئی ہیں، ان میں 45-36 سال کی عمر کی خواتین کا شرح تناسب 44.44٪ ہے۔ اسی طرح جذباتی تشدد میں مبتلا خواتین کا شرح تناسب 18.33٪ ہے جس میں 45-36 سال کی عمر کی خواتین کا شرح تناسب 41.81٪ ہیں جو کہ سب سے زیادہ ہے۔ علاوہ ازیں 10.33٪ خواتین ایسی ہیں جو جذباتی تشدد کی شکار ہیں اور اقتصادی استحصال کی شکار خواتین کا شرح

تناسب 7.33٪ ہے۔ اس جدول سے یہ بات صاف ظاہر ہوتا ہے کہ لگ بھگ ہر عمر کی خواتین کے ساتھ تشدد ہو رہا ہے۔

غور طلب بات تو یہ ہے کہ یہ نیم بیوائیں گوناگوں اور پیچیدہ مسائل سے دوچار ہیں اور اندر ہی اندر ٹوٹ کر بکھر گئی ہیں۔ کوئی ان کا پرسانِ حال نہیں، کوئی ان کا غمخوار نہیں۔ زیادہ تر نیم بیواؤں کو پولیس تھانہ، آرمی کیمپس میں پوچھ تاچھ کے لئے بلا کے ان کو گالی گلوچ دی جاتی ہے۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہاں لوگوں کے ساتھ حقوق کی پامالیاں اپنے عروج پر ہے۔

جسمانی زدکوب :۔ اس تحقیق میں جسمانی زکودب سے مراد خواتین کے ساتھ ہو رہے جسمانی زیادتیوں سے ہیں جیسے مارپیٹ، تھپڑ مارنا، دھکا دینا، بال کھیچنا وغیرہ

جذباتی تشدد:۔ اس تحقیق میں جذباتی (نفسیاتی) تشدد سے مراد خواتین کے ساتھ ہو رہے ذلت آمیز رویّہ سے ہے۔ جیسے ملامت کرنا، برائی نکالنا، مسخرہ، سماجی اخراجیت۔ جس کی وجہ سے یہ خواتین نفسیاتی طور پر متاثر ہوتی ہیں۔

فعلی / زبانی تشدد:۔ اس تحقیق میں فعلی تشدد سے مراد مختلف تنظیموں یا سماجی اداروں جیسے گھر، سسرال، فوجی دستے، پولیس، ملی ٹنٹ اور نامعلوم بندوق برداروں کی طرف سے خواتین کے ساتھ توہین آمیز رویّہ سے ہیں جیسے گالی گلوچ، نکتہ چینی، حکم کرنا، لعنت و ملامت وغیرہ

مالی استحصال:۔ اس تحقیق میں مالی استحصال سے مراد خواتین کے اثاثے کو ان سے چھین کر اپنے ذاتی مفاد کے لئے استعمال کرنا جیسے شوہر کی رہائی کے لئے پیسے مانگنا، برابر کام کرنے کے باوجود کم اجرت دینا۔

Graph No: 17
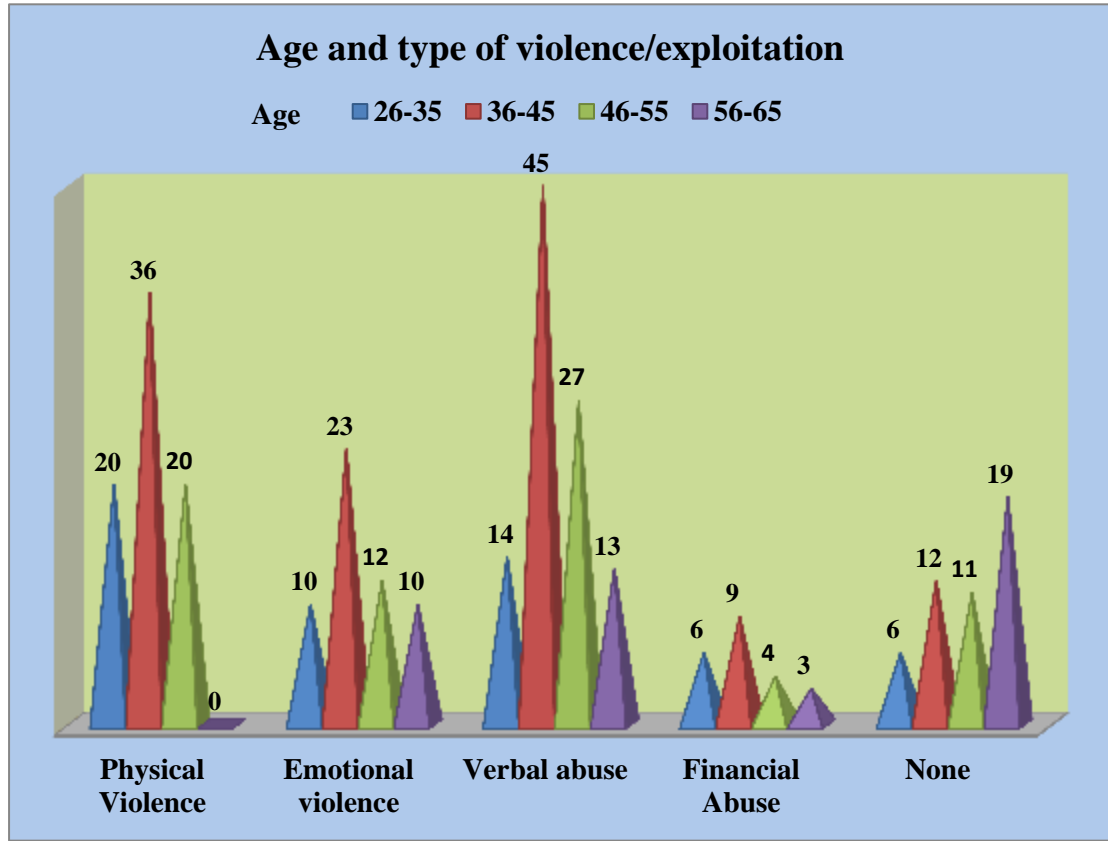
Table 4.2.6

Perpetrators and types of Violence

Perpetrators of Violence	Physical Violence	Emotional violence	Verbal abuse	Financial Abuse	None	Total %
Army	49	08	40	10	06	113 (37.66)
Police	10	23	27	06	10	76 (25.33)
Society	10	03	19	04	07	43 (14.33)
In laws	04	19	12	01	21	57 (19)
Militants/ Unknown Persons	03	02	01	01	04	11 (3.66)
Total	76	55	99	22	48	300

اوپر دیئے گئے جدول سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نیم بیواؤں کے ساتھ نہ صرف گھر میں بلکہ گھر کے باہر بھی تشدد ہو رہا ہے۔ 35.66٪ جواب دہندگان کا کہنا ہے کہ وہ اکثر و بیشتر ہندوستانی فوج کے ہاتھوں، دوران کریک ڈاؤن تشدد کا شکار ہو رہی ہیں۔ 22٪ جواب دہندگان کے مطابق ان پر ہو رہے تشدد کی ذمہ دار وہاں کی مقامی پولیس ہے۔ جبکہ نیم بیوہ خواتین شوہر کے غائب ہونے کے بعد گھر کے باہر کام کرنے کے لئے جاتی ہیں جہاں پر ان کے ساتھ مختلف قسم کا استحصال کیا جاتا ہے۔ جن کا تناسب 12٪ ہے۔ 12٪ جواب دہندگان نے سسرال والوں کو ان پر ہو رہے تشدد کا ذمہ دار ٹھرایا ہے۔ اسی طرح 2.33٪ جواب دہندگان کا کہنا ہے کہ عسکریت پسند اور نامعلوم بندوق برداروں کی وجہ سے وہ تشدد کا شکار

ہوتی آرہی ہیں۔ علاوہ ازیں 16٪ جواب دہندگان کا ماننا ہے کہ ان کے ساتھ کسی بھی طرح کا ظلم و تشدد نہیں ہو رہا ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان بے سہارا خواتین پر ظلم و تشدد ڈھانے میں سب سے زیادہ آرمی اور پولیس ذمہ دار ہیں۔

Graph No: 18
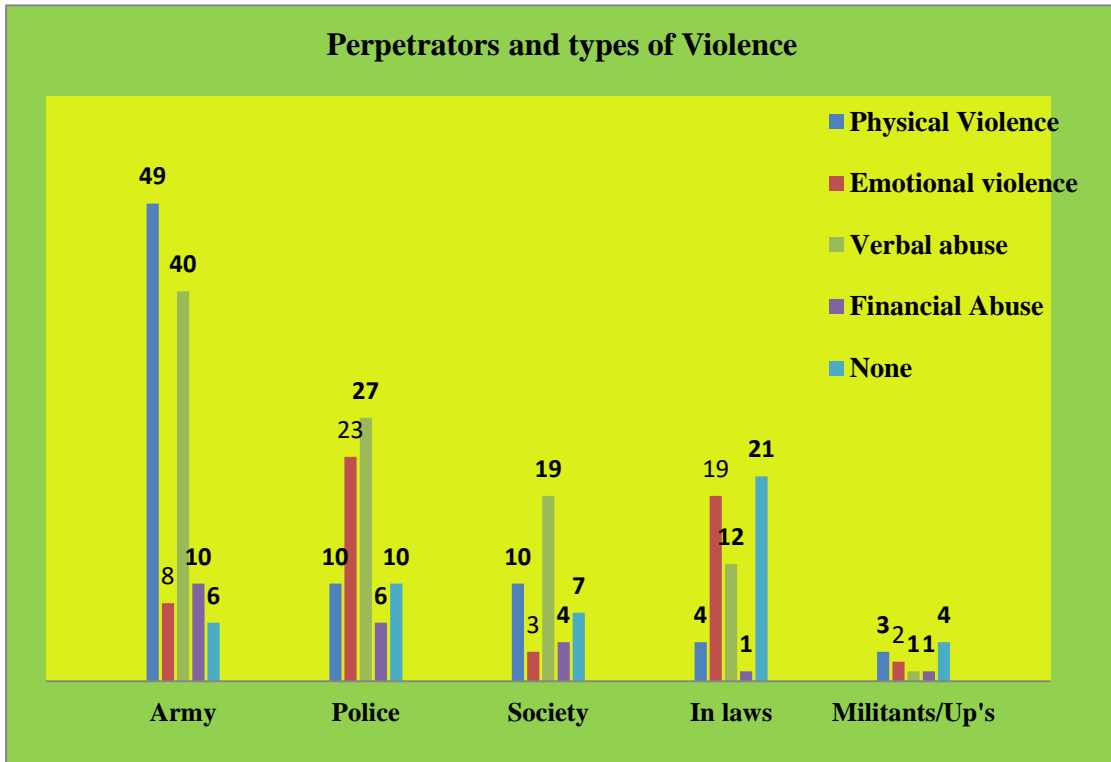
جنسی جبر و استبداد (Gendered Oppression)

جنسی جبر و استبداد کا مطلب ہوتا ہے کہ جب ظلم، تشدد، استبداد کسی معاشرے پر ہوتا ہے تو اس کا اثر ہر دو صنفوں پر مختلف ہوتا ہے۔ کشمیر کے حالات سیاسی عدم استحکام اور فوجی دستوں کی موجودگی سے بطور خاص خواتین کے لئے عدم تحفظ کا موجّب بنے ہوئے ہیں۔ اپنے شوہر کے غائب ہونے سے خود خواتین تو مظلومیت کا شکار ہیں ہی انکے ساتھ ساتھ انکی جواں سال بیٹیاں بھی اپنے مستقبل کو داؤ پر لگا چکی ہیں جو باپ کے رہتے شاید تابناک ہوتا۔

پچھلے صفحات اور جدوال سے یہ بات ثابت ہو چکی کہ خواتین کے صرف اپنے 'صنف' (gender) کی وجہ انکی ناگفتہ بہ حالت کی متحرک ہے۔ سسرال والوں کا، غیر مرد کا، فوج کا اور militants کا غیر انسانی رویّہ اس باتی غمازی کرتا ہے۔ لڑکیاں اپنی تعلیم ترک کر چکی ہیں، کسی مہارت کو حاصل کرنے سے قاصر ہیں، اس لئے کہ ہر طرف فوجی دستے پھیلے ہوئے ہیں، گھر سے باہر، اسکولوں کے قریب، بازاروں میں انھیں اکثر اِنکی بُری نظروں، voyeuristic کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو انھیں خوفزدہ کرتا رہتاہے۔ اس کی وجہ سے اِنکا ماضی، حال اور مستقبل اندھیرے سے جُڑ گیا ہے۔

کشمیر کے حالات gendered oppression کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے۔ خواتین کی اکثریت یہاں ذہنی بیماریوں کا شکار ہیں، اور مسلسل antidepressant لے رہی ہیں۔ خواتین میں خودکشی عام ہوتی

جارہی ہے۔ یہ تمام اس بات کی سند ہے کہ عصمت ریزی، چھیڑ چھاڑ، معاشی عدم تحفظ، معاشرے کا غیر انسانی رویّہ۔ یہ سب gendered oppression کا کُھلا مظہر ہے۔

خلاصہ(Conclusion)

اس باب کو بھی دو ذیلی حصوں میں تقسیم کیا گیا۔پہلے حصے سیاسی عدم استحکام اور نیم بیوہ خواتین کے مسائل کا جائزہ لیا گیا۔ جس میں محقق نے نیم بیواؤں کے اپنے شوہروں سے جدائی کا عرصہ بیان کیا ہے۔ شوہروں کے غائب ہو جانے کی وجہ سے نیم بیوہ خواتین کو بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔، سب سے زیادہ اہم مسئلہ یہ ہے کہ وہ گھر سے بے گھر ہو جاتی ہیں اور بہت کم خواتین دوبارہ اپنے والدین کے گھر واپس چلی آتی ہیں۔ زیادہ تر خواتین یا تو سسرال میں رہتی ہیں یا دوسری جگہ نئ زندگی شروع کرتی ہیں۔ نئ جگہ منتقل ہو جانے کی وجہ سے بھی ان کو طرح طرح کے مسائل سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ذہنی انتشار کی وجہ سے کسی کام میں دلچسپی بھی نہیں رہتی ہے۔ دوسری طرف ان کے بچے بھی کئی شعبہ جات میں بُری طرح متاثر ہو جاتے ہیں۔ تعلیم حاصل کرنا ان کے لئے ایک خواب بن کر رہ جاتا ہے۔ چھوٹی سی عمر میں ان کو معاشی ضرورتوں کو پورا کرنے کی فکر لگ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ نیم بیواؤں کو اپنی کفالت خود ہی کرنا پڑتی ہے صحتی مسائل کے وجہ سے زیادہ تر خواتین مختلف بیماریوں (نفسیاتی و جسمانی) میں مبتلا ہیں جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان کے شریک حیات غائب ہیں۔ شوہر کے غائب ہو جانے کے باعث یہ خواتین مجرد زندگی گزارتے گزارتے تھک گئ ہیں۔ باب کے دوسرے ذیلی حصے میں کشمیر کی نیم بیوہ خواتین اور انسانی حقوق کی پامالی کے بارے میں تفصیلات دی

گئی ہیں۔ جس میں یہ جاننے کی کوشش کی گئی کہ کون کون سی ایجنسیاں ہی خواتین کے شوہروں کو غائب کرنے میں ملوث ہے اور کن وجوہات کی بنا پر ان کے شوہروں کو غائب کر دیا گیا ہے. مزید بر آں اس باب میں نیم بیواؤں کا اپنے شوہروں کی تلاش کے لئے کی گئی تدابیر و حکمت عملیوں، FIR رپورٹ کس حد تک کامیاب رہا، سرکار یا دیگر اداروں کی طرف سے ان کو معاونت ملی یا نہیں، اگر ملی تو کس حد تک ان کی ضروریات پوری ہوئی، شوہروں کو تلاش کرنے کے لئے خرچ کئے گئے پیسے وغیرہ کا بھی احاطہ کیا گیا۔

مندرجہ بالا تذکرہ کردہ سماجی حقائق ایک تانیثی نظریہ جسکا نام میوٹڈ گروپ تھیوری ہے سے ثابت کئے گئے ہیں۔ اس تھیوری کے مطابق ایک مرد کے مقابلے میں عورت کو سماج میں بہت حقیر نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اس نظریہ کے مطابق عورت کو سماج میں محکوم بنایا گیا ہے جس کی بنیاد اصل میں صدیوں پرانی مرد اور عورت کے درمیان تفریق ہے۔

عورت کو مرد کے دائرے سے باہر کر کے احساس کمتری کا شکار بنایا گیا ہے اور تو اور عورت کے پاس کوئی اختیار ہی نہیں ہے نیز اس کی حالت ایسی بنائی گئی ہے جیسے اس کی اپنی زبان ہی نہیں ہے جس سے وہ بول سکے کیوں کہ جو زبان وہ بولتی ہے وہ مرد کی بنائی ہوئی ہے۔ اپنے دکھ درد بیان کرنے کے لئے جس زبان کی ضرورت عورت کو چاہیے وہ اس کے پاس نہیں ہے۔ اگر وہ اپنے آپ کو بیان کرنے کی کوشش بھی کرتی ہے تو اسے مرد کے بنائے ہوئے لسانوی سانچے سے ہی بولنا پڑتا ہے۔ جس میں عورت کو وہ مقام حاصل نہیں ہو پاتا ہے جس کی وہ مستحق ہے۔ بنیادی اور ثانوی ذرائع سے حاصل شدہ مواد کو مد نظر رکھتے ہوئے محقق اس نتیجہ پر پہنچا کہ کشمیر میں سیاسی عدم استحکام کی وجہ سے وہاں کے عام شہری خصوصاً خواتین مختلف قسم کے ظلم کا شکار

ہوتی رہتی ہیں۔ جبکہ یہاں کی مقامی سرکار اس ضمن میں کوئی خاص کاروائی نہیں کر پارہی ہیں جس سے ان بے سہارا خواتین کے دکھ درد میں کمی نہیں بلکہ الٹا ان خواتین کے ساتھ اور بھی ناورا سلوک برتا جاتا ہے جس سے انسانی حقوق کی پامالی آئے دن ہوتی رہتی ہیں۔ اگر چہ اقوام متحدہ نے انسانی حقوق اور امن و سلامتی کے بارے میں بہت سے قانون اور ایکٹ لاگو کئے ہیں۔ اور یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ اقوام متحدہ دنیا میں انصاف اور امن کی علمبردار تنظیم ہیں تو کشمیر میں ایسا کیوں دیکھنے کو نہیں ملتا ہے۔ پچھلے چند دہائیوں سے کشمیری عوام ظلم کی چکی میں پس رہی ہے۔ لیکن انسانی حقوق کے قوانین صرف کاغذ داغدار کئے ہوئے ہیں۔ کشمیر کے علاوہ آپ فلسطین، برما، شام، بحرین، نائیجریا وغیرہ میں آئے دن انسانی حقوق کی پامالی ہوتی رہی ہیں۔ اور اپنے آپ کو عظیم طاقت تصور کرنے والے ممالک کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ آخر کب تک ایسا چلے گا قومی اور بین الاقوامی تنظیموں کو غیر جانبدار ہو کر اس مسئلے کے سد باب کے لئے راہیں تلاش کرنی چاہے۔ نہیں تو نسل انسانی کے زوال کو کوئی روک نہیں سکتا۔ Veto رکھنے والے ممالک کو اس مسئلے کی اور حساس اور محتاط رہنا ہوگا اور غیر جانبداری سے ان ممالک اور افراد کے خلاف سخت کاروائی کرنا ہوگی جو انسانی حقوق کے پامالی کا سبب بن رہے ہیں۔

مفروضات کی جانچ:

مفروضہ نمبر۔3 نیم بیوہ جیسا تصور عام ہوتا جارہا ہے اور ایسی خواتین کئی مسائل کا سامنا کررہی ہیں جس میں نفسیاتی معاشی اور دوسرے طبعی مسائل بھی شامل ہیں۔

جدول نمبر4.1.1 میں جواب دہندگان کا اپنے شوہروں سے علٰحیدگی کی مدت کو بتایا گیا ہے۔ یہ علٰحیدگی براہ راست فوجی دستوں اور عسکریت پسندوں کی وجہ سے نمو پذیر ہوئی ہیں۔ ایسے میں نیم بیوہ خواتین کو سخت مشکلات اور پیچیدہ مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے ان کی زندگی ان کے لئے عذاب بن کر رہ گئی ہے۔ قدم قدم پر انہیں خاردار راہوں سے گزرنا پڑتا ہے اور نتیجے میں ان کی صحت پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

جدول نمبر4.1.2 سے یہ ظاہر سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ جن جواب دہندگان کی موجودہ عمر45-36 کے درمیان ہیں ان میں %51.07 خواتین محدود کنبے میں زندگی گزر بسر کررہی ہیں۔ جس کے بہت سارے وجوہات ہیں جیسے سماج کا رویہ، مذہبی قائدین کے فتوے، گھریلو زیادتیاں وغیرہ وغیرہ۔ پولیس، آرمی، اسپیشل ٹاسک فورسز کے ظلم و تشدد اور رات میں گھر کے اندر آکے پوچھ تاچھ کرنے کی وجہ سے یہ نیم بیوہ یا تو وہ گاؤں چھوڑ کر دوسری جگہ رہتی ہیں یا اپنے میکے واپس جاتی ہیں یا اپنا گھر الگ بسا لیتی ہیں تاکہ وہ ظلم و تشدد کی شکار نہ ہو جایئں۔

جدول نمبر 4.1.3 سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جواب دہندگان کی اکثریت Post –traumatic stress disorder (PTSD) کے عارضے میں مبتلا ہیں جس کی بہت ساری وجوہات ہیں جیسے بچوں کی دیکھ بھال، گھریلو ذمہ داریاں، بڑھتی عمر سے متعلق درپیش مسائل وغیرہ۔ غیر مقوی غذا اور پوری نیند نہ آنے کی وجہ سے خواتین بہت سارے بیماریوں میں مبتلا ہوتی ہیں۔ مختلف قسم کی پریشانیوں میں مبتلا یہ خواتین اپنی صحت کا خیال نہیں رکھ پاتی جو بعد میں بہت ساری بیماریوں کی بنیاد بن جاتی ہیں۔

جدول نمبر 4.1.11 میں محقق نے یہ جاننے کی کوشش کی ہے کہ جواب دہندگان کو آج تک اپنے شوہروں کو ڈھونڈنے کی کوشش میں کتنی رقم خرچ ہوئی ہیں۔ دوران تحقیق محقق اس نتیجہ پر پہنچا کہ جواب دہندگان کی اکثریت نے اپنے شوہروں کو ڈھونڈنے کے لئے پچاس ہزار سے زائد رقم خرچ کی ہے۔ ایک طرف یہ خواتین محنت مزدوری کر کے اپنا اور اپنے بچوں کا بہت مشکل سے پیٹ پال رہی ہیں وہی دوسری طرف اسی محنت کی رقم کو بچا کے اپنے شوہروں کو ڈھونڈنے کے لئے بھی خرچ کر رہی ہیں۔

جدول نمبر 4.1.12 سے اس بات کا پتہ لگانے کی کوشش کی گئی ہے کہ جواب دہندگان نے کہاں سے رقم کا انتظام کیا جو انہوں اپنے شوہروں کو ڈھونڈنے کے لئے خرچ کیا ہے۔ 34.66٪ کا کہنا ہے کہ انہوں نے اپنی جائداد مثلاً زمین، پیڑ پودے، اناج وغیرہ بیچ کر یہ رقم حاصل کی۔ 32.33٪ جواب دہندگان کے مطابق انہوں نے مہر کی رقم اور جو بچی رقم بنکوں میں جمع کئے تھے ان سب کو نکال کے اپنے شوہر کی تلاش میں خرچ کئے۔ اسی طرح 25٪ جواب دہندگان کا کہنا ہے کہ انہوں نے اپنے والدین اور رشتہ داروں سے پیسے مانگے۔

جبکہ 8٪ جواب دہند گان نے رقم حاصل کرنے کے لئے اپنے زیور بیچ ڈالے تا کہ وہ اپنے شوہر کو واپس لاسکے۔

جدول نمبر 4.1.13 میں جواب دہند گان کے پچھلے دو مہینے سے سابقہ پڑ رہے مختلف بیماریوں کے بارے میں بتایا گیا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جواب دہند گان کی سب سے زیادہ شرح یعنی 93.66٪، Sleep Disturbance کی شکار ہیں۔ اسی طرح جواب دہند گان کی 87٪ تعداد Anxiety کے عارضے میں مبتلا ہے، 82.33٪، جواب دہند گان Depression کے عارضے کے شکار ہیں۔ 15.66٪ جواب دہند گان Dissociation میں مبتلا ہیں۔ 9.33٪ جواب دہند گان (SATI (Sexual Abuse Trauma کے شکار ہیں اور جواب دہند گان کی بہت ہی کم تعداد یعنی 7٪، Sexual Problems کے مسائل سے دوچار ہیں۔ مذکورہ بالا تجزیہ کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ حادثے ہونے کے اتنے سال بعد بھی یہ خواتین کسی نہ کسی بیماری جیسے جسمانی، ذہنی اور نفسیاتی میں مبتلا ہیں۔ جس کا اثر نہ صرف خود ان پر بلکہ ان کے بچوں پر بھی براہ راست یا بلاواسطہ طور پر پڑتا ہے۔

جدول نمبر 4.2.1 سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ غائب ہو چکے افراد میں سب سے زیادہ تناسب 81.33٪ بے گناہ لوگوں کا ہے۔ جن کی گمشدگی کے پیچھے زیادہ تر فوجی اہلکاروں کا ہاتھ ہے۔ آرمی کو ایسے اختیارات دیئے گئے ہیں جیسے (AFSPA) جس کا وہ اکثر و بیشتر غلط استعمال کرتے ہیں، اور اس وجہ سے انسان کے بنیادی حقوق کی پامالی آئے دن ہوتی رہتی ہیں۔

جدول نمبر 4.2.2 میں بچوں پر ان کے والد کے غائب ہونے کے اثرات کو دکھایا گیا جس سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بچے والد کے گمشدہ ہونے کی وجہ سے مختلف نفسیاتی امراض اور جسمانی مسائل سے دوچار ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ بچے گھر کی معاشی حالت سدھارنے کے لئے مختلف قسم کے کام کاج اور مزدوری کرنے پر مجبور ہو گئے۔

جدول نمبر 4.2.3 میں اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ شوہر کے گمشدہ ہو جانے کی وجہ سے جواب دہندگان کے بچوں پر کافی گہرا اثر پڑا۔ جن میں اکثر بچوں کی تعلیم ادھوری رہ گئی اور ترک تعلیم کے لئے مجبور ہو گئے۔

جدول نمبر 4.2.4 میں بچوں کی تعلیم پر ان کے والد کے گمشدگی سے اثر انداز ہوئی کو دکھایا گیا۔ جس سے یہ بات سامنے آئی کہ معاشی و اقتصادی وجوہات، گھریلو وجوہات (گھر کی ذمہ داری، محدود کنبہ، ہجرت وغیرہ) ،عدم تحفظ اور دیگر وجوہات (اسکول سے دوری، تانے بانے کسنا وغیرہ) سے بچے ترک تعلیم پر مجبور ہو گئے۔

جدول نمبر 4.2.5 میں جواب دہندگان کے ساتھ ہو رہے مختلف النوع کے استحصال / تشدد کے بارے میں معلومات دی گئی ہے۔ اس جدول سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ لگ بھگ ہر عمر کی خواتین کے ساتھ تشدد (جسمانی، جذباتی، معاشی اور فعلی) ہو رہا ہے۔ غور طلب بات تو یہ ہے کہ یہ نیم بیوائیں گوناگوں اور پیچیدہ مسائل سے دوچار ہیں اور اندر ہی اندر ٹوٹ کر بکھر گئی ہیں۔ کوئی ان کا پرسانِ حال نہیں، کوئی ان کا غمخوار نہیں۔ زیادہ تر نیم بیواؤں کو پولیس تھانہ، آرمی کیمپس میں پوچھ تاچھ کے لئے بلا کے ان کو گالی گلوچ دی جاتی ہے۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہاں لوگوں کے ساتھ حقوق کی پامالیاں اپنے عروج پر ہے۔

جدول نمبر4.2.6 سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نیم بیواؤں کے ساتھ نہ صرف گھر میں بلکہ گھر کے باہر بھی تشدد ہو رہا ہے۔ 35.66٪ جواب دہندگان کا کہنا ہے کہ وہ اکثر و بیشتر ہندوستانی فوج کے ہاتھوں، دوران کریک ڈاؤن تشدد کا شکار ہو رہی ہیں۔ 22٪ جواب دہندگان کے مطابق ان پر ہو رہے تشدد کی ذمہ دار وہاں کی مقامی پولیس ہے۔ جبکہ نیم بیوہ خواتین شوہر کے غائب ہونے کے بعد گھر کے باہر کام کرنے کے لئے جاتی ہیں جہاں پر ان کے ساتھ مختلف قسم کا استحصال کیا جاتا ہے۔ جن کا تناسب 12٪ ہے۔ 12٪ جواب دہندگان نے سسرال والوں کو ان پر ہو رہے تشدد کا ذمہ دار ٹھرایا ہے۔ اسی طرح 2.33٪ جواب دہندگان کا کہنا ہے کہ عسکریت پسند اور نامعلوم بندوق برداروں کی وجہ سے وہ تشدد کا شکار ہوتی آرہی ہیں۔ علاوہ ازیں 16٪ جواب دہندگان کا ماننا ہے کہ ان کے ساتھ کسی بھی طرح کا ظلم و تشدد نہیں ہو رہا ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان بے سہارا خواتین پر ظلم و تشدد ڈھانے میں سب سے زیادہ آرمی اور پولیس ذمہ دار ہیں۔ اس طرح قائم کیا مفروضہ یعنی نیم بیوہ جیسا تصور عام ہو تا جارہا ہے اور ایسی خواتین کئی مسائل کا سامنا کر رہی ہیں جس میں نفسیاتی معاشی اور دوسرے طبی مسائل بھی شامل ہیں درست ثابت ہوا۔ اس بات کا ثبوت تحقیق میں پیش کیا گیا ہے۔ [**ثابت شدہ**]

باب پنجم

اختتامیہ اور تجاویز

تلخیص

اس باب میں تمام ابواب کا تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا۔ مزید اس مطالعے کے نتائج بیان کئے گئے اور ان نتائج کی روشنی میں تجاویز پیش کی گئیں

باب پنجم

اختتامیہ اور تجاویز

وادی کشمیر کی صورتحال طویل عرصے سے باعث تشویش بنی ہوئی ہیں۔ کشمیر میں جبری گمشدگیوں کا معاملہ 1989 میں مسلح جدوجہد کے ساتھ ہی ظہور پذیر ہوا۔ وادی میں تعینات بھاری حفاظتی عملے عسکریت پسندوں کا مقابلہ کرنے کے لئے مختلف قسم کی انسانی حقوق کی پامالیوں کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ جن میں حراستی ہلاکتیں، حراستی تشدد، عصمت دری، بشمول گمشدگیاں، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ چونکہ فوج ہر کشمیری کو شک کی نظروں سے دیکھتی ہے۔ لہذا بے شمار بے گناہ کشمیریوں کو بھی گرفتار کیا گیا۔ اور بعد ازاں انہیں سخت ترین ٹارچر کے بعد غائب کیا گیا۔ کشمیر میں تمام شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگ بلالحاظ عمر 10 سال کے لڑکے سے لیکر 70 سال کے بزرگ تک گرفتاری کے بعد غائب ہو گئے ہیں۔ ملی ٹنٹ کے ہمدرد، سیاسی کارکن اور بڑی تعداد میں بے قصور لوگ جبری گمشدگیوں کے شکار ہوئے ہیں۔ ان تمام واقعات سے نہ صرف عام انسان بلکہ بطور خاص خواتین اور بچے بہت زیادہ متاثر ہوئے ہیں۔ ان متاثرہ طبقے میں نیم بیوہ طبقہ بھی شامل ہے جس کی زندگی آئے دن بد سے بد تر ہوتی جارہی ہیں۔ شوہر کی گمشدگی کی وجہ سے ان پہ طرح طرح کے ستم ڈھائے جاتے ہیں۔ FIR رپورٹ درج کرانے میں پریشانی، اگر درج بھی ہو گیا تو پولیس تھانوں، آرمی کیمپوں اور مختلف دفاتر کے چکر لگانے پڑتے ہیں۔ یہاں تک کہ خواتین اپنے شوہر کو ڈھونڈنے کے لئے اپنی جمع پونجی بھی صرف کرتی ہیں۔ اسی دوران ان بے بس خواتین کے ساتھ کبھی پولیس کے ذریعہ تو کبھی فوجی اہلکاروں کے ذریعہ مختلف قسم کے تشدد کا

نشانہ بنایا جاتا ہے جیسے مار پیٹ، گالی گلوچ، عصمت ریزی، وغیرہ۔ یہاں تک ان کے ساتھ غیر انسانی رویّہ بھی برتا جاتا ہے۔ شوہر کی گمشدگی کی وجہ سے ان کے بچے خصوصاً لڑکیاں ترک تعلیم پر مجبور ہو گئی ہیں اور بہت سارے مسائل کا سامنا کر رہے ہیں۔ یہ خواتین اپنی اور اپنی بیٹیوں کی عزت و آبرو کی حفاظت کے خاطر ان کے تعلیمی مستقبل سے بھی صرف نظر کرتے ہیں حالانکہ تعلیم انسان کا بنیادی حق ہے جس کے ذریعہ وہ اپنے حقوق کا دفاع کر سکتا ہے۔ جب تک ان نیم بیوہ خواتین کے شوہر زندہ تھے وہ خوشحال زندگی گذار رہی تھی، بے خوف ہو کر اپنے بچوں کو تعلیم سے آراستہ کراتے تھے۔ لیکن شوہر کی گمشدگی کے بعد ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ تعلیمی اداروں، بستیوں اور راستوں میں مقیم فوجی دستوں کی وجہ سے ان کا اور ان کے بچوں خصوصاً جوان بچیوں کا گھر سے باہر نکلنا دشوار ہو گیا ہے۔ کیونکہ فوجی اہلکار انہیں آئے دن ستاتے رہتے ہیں۔ المیہ تو یہ ہے کہ سماج کا رویّہ بھی ان آسودہ حال خواتین کے تئیں ٹھیک نہیں ہے اور دوسری طرف سرکار بھی سرد مہری کا مظاہرہ کر رہی ہیں۔ جس سے ان خواتین کے مسائل کم ہونے کے بجائے اور پیچیدہ ہوتے جا رہے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان خواتین کی دفاع کے خاطر مختلف سرکاری اور غیر سرکاری تنظیموں کو آگے آئیں۔ ساتھ ساتھ معاشرے کو بھی اپنے رویّہ میں تبدیلی لانی چاہیے تاکہ یہ خواتین بھی سماج میں اپنی شناخت کو برقرار رکھ سکیں اور اپنے بچوں کے مستقبل کو تاریک ہونے سے بچا سکے۔

زیر نظر تحقیق میں (Muted Group Theory) کے نظریات کو عملایا گیا ہے۔ اس نظریہ میں کہا گیا ہے کہ ایک مرد کے مقابلے میں عورت کو سماج میں بہت حقیر نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اس نظریہ کے مطابق عورت کو سماج میں محکوم بنایا گیا ہے جس کی بنیاد اصل میں صدیوں پرانی مرد اور عورت کے درمیان تفریق ہے۔

عورت کو مرد کے دائرے سے باہر کر کے اس کو احساس کمتری کا شکار بنایا گیا ہے اور تو اور عورت کے پاس کوئی اختیار ہی نہیں ہے نیز اس کی حالت ایسی بنائی گئی ہے جیسے اس کی اپنی زبان ہی نہیں ہے جس سے وہ بول سکے کیوں کہ جو زبان وہ بولتی ہے وہ مرد کی بنائی ہوئی ہے۔ اپنے دکھ درد بیان کرنے کے لئے جو زبان عورت کو چاہیے وہ اس کے پاس نہیں ہے۔ اگر وہ اپنے آپ کو بیان کرنے کی کوشش بھی کرتی ہے تو اسے مرد کے بنائے ہوئے لسانوی سانچے سے ہی بولنا پڑتا ہے۔ جس میں عورت کو وہ مقام حاصل نہیں ہو پاتا جس کی وہ مستحق ہے۔ زیر تحقیق مطالعہ جو کشمیر کی نیم بیوہ خواتین کی مکمل عکاسی کرتا ہے۔ جب ہم اس بات کے تہہ تک جاتے ہیں تو ہمیں یہی نظر آتا ہے کہ کس طرح ان نیم بیم بیوہ خواتین کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے جب یہ اپنے شوہروں کو تلاش کرنے کے لئے جاتی ہیں۔ کہیں انہیں آرمی اور پولیس کی ڈانٹ، تو کہی پہ سماج کے تانے سننے پڑتے۔ لیکن یہ عورت اندر ہی اندر یہ درد سہتی رہتی ہے اف تک نہیں کرتی۔ اگر کبھی کوشش کرتی بھی ہے تو اس کی کوششوں کو مختلف طریقوں سے دبایا جاتا ہے۔ یعنی یہ عورت بالکل بے بس ولاچار ہو کر رہ جاتی ہے بالکل ایک خاموش تماشائی کی طرح جو اپنے ساتھ ہو رہے ظلم وزیادتی کو دیکھ رہی ہوتی ہیں لیکن اپنے بچوں، گھریلو ذمہ داریوں اور دیگر وجوہات کی خاطر سب کچھ سہتی رہتی ہیں۔ اس کی یہ خاموشی اسے اور کمزور بناتی ہے اور سماج میں اس کا جینا مشکل سے مشکل تر ہوتا جارہا ہے اور یہی لب لباب میوٹڈ گروپ تھیوری کا بھی ہے۔ لہذا ہماری اس تحقیق میں عملایا گیا یہ نظریہ بالکل کشمیر میں عورت کی ہو بہو وہی نقشہ کھینچتا ہے جو اس تھیوری میں عورت کے لئے بیان کیا گیا ہے۔

وادی کشمیر جن حالات سے اس وقت گذر رہی ہے شاید ہی دنیا میں کوئی اور خطہ ان حالات سے دوچار ہو۔ یہاں کے سیاسی کشمکش میں بچوں سے لیکر بوڑھے، امیر سے لیکر غریب، مرد سے لیکر عورت غرض طبقہ متاثر

ہوا ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ ہر کشمیری اس سیاسی عدم استحکام کی زندہ مثال ہے۔ ایسے نیم بیوائیں ایک ایسا طبقہ ہے جو حالات کی ماری ہوئی ایک طرف اپنے گمشدہ افراد کے کھوج میں اپنی ایڑی چوٹی تک رگڑ رہی ہیں وہی دوسری طرف اپنے بچوں کے تحفظ، بہترین مستقبل اور ان کی دیکھ بھال کے لئے اپنے دن رات ایک کرتے ہیں۔ ان خواتین کی صورتحال بہتر بنانے کے لئے اگرچہ سرکار کی طرف سے تھوڑی بہت سرگرمی دیکھنے کو ملتی ہے لیکن وہ ناکافی ہے۔ نیم بیوہ کی آبادی بھارتی انتظامیہ کشمیر میں مثبت تبدیلی اور مصروفیت کے لئے فوری اور بامعنی مواقع فراہم کرتی ہے۔ زمینی سطح پر کام کرنے والے ادارے غیر مکتفی وسائل رکھنے کی وجہ سے ایک کٹھن جنگ کا سامنا کر رہے۔ وہ اس لئے کہ امن و انصاف کے نفاذ کے لئے کام انہیں عدم استحکام اور عدم تحفظ سے لڑنا پڑتا ہے۔ شدید مشکلات کے باوجود مقامی تنظیموں کی چھوٹی چھوٹی کامیابیوں نے بہت ساری قومی اور بین الاقوامی تنظیموں کی توجہ مسئلہ کشمیر کے طرف مبذول کرائی۔ حکومت ہند، مقامی سرکار اور سول سوسائٹی کو اس موقعہ کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہیے۔ کیونکہ نیم بیوایئں اور ان کے بچے فوری توجہ اور امداد کے مستحق ہے لہذا انہیں یہ حق ملنا چاہیے۔

5.2۔نتائج (Findings)

- وادی کشمیر میں زیادہ تر یعنی (41٪) نیم بیوہ خواتین 45-36 سال کے زمرے میں آتی ہیں۔ جبکہ 56-65 سال کی نیم بیوہ خواتین کا تناسب سب سے کم یعنی 15٪ پایا گیا۔
- زیادہ تر نیم بیوہ کی شادی 22-18 سال کے درمیان ہوئی جن کا تناسب 78٪ ہیں۔ اور 20٪ خواتین کی شادی 18 یا اس سے کم عمر میں ہوئی۔
- 5٪ جواب دہندگان صرف 4-1 سال تک اپنے شوہر کے ساتھ رہیں ہیں اور 58.33٪ جواب دہندگان اپنے شوہر کے ساتھ 12-9 تک رہیں ہیں۔
- 59٪ جواب دہندگان ناخواندہ پائے گئے اور 24.66٪ نے صرف بنیادی سطح تک تعلیم حاصل کی ہیں۔ اور صرف 2٪ جواب دہندگان نے اعلیٰ سطح تک تعلیم حاصل کی۔
- 40٪ نیم بیوہ خواتین اپنے گھروں میں سرپرستی کی حیثیت سے خود ذمہ داریاں نبھا رہی ہیں۔ اور 35.33٪ جواب دہندگان کے گھر کی سرپرستی ان کے بیٹے انجام دے رہے ہیں۔
- تحقیق سے یہ بات سامنے آئی کہ 90٪ نیم بیوہ خواتین دوبارہ شادی کرنے کی خواہش نہیں رکھتیں۔ جبکہ 10٪ دوبارہ شادی کی خواہش رکھتی ہیں۔
- تحقیق سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ جواب دہندگان کی اکثریت یعنی (61.66٪) Farm Labour کے پیشے سے وابستہ پائی گئیں۔

- تحقیق سے یہ بات سامنے آئی کہ جواب دہندگان کی اکثریت یعنی (67.33٪)کا تعلق دیہی علاقوں سے ہے۔ جبکہ 18٪جواب دہندگان کا تعلق semi urban آبادی سے ہے۔ اس کے علاوہ صرف 14.66٪جواب دہندگان شہری علاقوں سے تعلق رکھتیں ہیں۔
- شوہر کے غائب ہونے سے پہلے خواتین کی اکثریت یعنی (42.44٪) کی ماہانہ آمدنی 5000-10000 تک تھی۔ جبکہ شوہر کی گمشدگی کے بعد زیادہ تر خواتین یعنی (30٪) کی ماہانہ آمدنی 5000 یا اسے کم پائی گئی۔
- 62٪ نیم بیوہ خواتین نیوکلئیر فیملی میں اپنی زندگی بسر کر رہی ہیں اس کے علاوہ 20٪خواتین نے اپنی رہائش الگ اختیار کی کیونکہ آئے دن ایک طرف سے پولیس اور دوسری طرف سے بھارتی فوج ان کے گھر آکے ان سے سختی کے ساتھ پوچھ تاچھ کرتے تھے۔
- 68.33٪جواب دہندگان کو شوہر کی جائداد سے ابھی کوئی حصہ نہیں ملا۔ جبکہ 31.66٪ کو ان کے شوہر کے جائداد سے حصہ ملا۔
- 36٪ نیم بیوہ خواتین اپنے شوہر سے 24-20 سال کے عرصے تک جدا رہی ہیں۔ اسی طرح 4.66٪ نیم بیوہ خواتین اپنے شوہر سے ایک سے چار سال تک جدا رہیں۔ اور ابھی بھی اپنے شوہر کے انتظار میں راہیں دیکھ رہی ہیں۔

- 93.34٪ نیم بیوہ خواتین کسی نہ کسی بیماری میں مبتلا پائی گئی جن میں سب سے زیادہ خواتین PTSD کے عارضے کی شکار ہیں جن کا تناسب 42.66٪ ہیں اور صرف 6.66٪ خواتین کسی بھی بیماری کی شکار نہیں ہیں۔
- 36.66٪ جواب دہندگان کو ابھی تک کوئی بھی امداد نہیں ملی۔ جبکہ 63.34٪ خواتین کو سرکاری، غیر سرکاری اور کمیونٹی کی طرف سے کچھ نہ کچھ معاونت مل گئی۔ مگر المیہ کی بات یہ ہے کہ وصول کردہ امداد ان کی بنیادی ضرورتوں کو بھی پورا نہ کر سکی۔
- 78٪ جواب دہندگان نے بڑی جدوجہد کے بعد اپنے شوہر کی گمشدگی کے بعد FIR رپورٹ درج کرائی۔ لیکن رپورٹ درج کرانے کے باوجود پولیس اور دیگر انتظامیہ سے کوئی خاص نتائج بر آمد نہیں ہوئے۔
- غائب شدہ افراد میں سب سے تعداد (81.33٪) ان شہریوں کی پائی گئی جن کی گمشدگی میں زیادہ تر فوجی اہلکاروں کا ہاتھ ہے۔
- والد کی گمشدگی کی وجہ سے 28.33٪ بچے نفسیاتی جبکہ 26٪ جسمانی مسائل کے شکار ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ اکثر بچے ترک تعلیم پر مجبور ہو کر مزدوری پر لگ گئے ہیں۔
- ترک تعلیم میں لڑکیوں کا تناسب زیادہ پایا گیا جس کی سب سے بڑی وجوہات تعلیمی اداروں، بستیوں اور روڈس کے نزدیک مقیم فوجی چھاؤنیاں ہیں۔
- 33٪ خواتین کو مختلف طبقوں سے استبداد کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور 25٪ خواتین جسمانی تشدد کا شکار ہیں۔

- ٪35.66 نیم بیوہ خواتین ہندوستانی افواج کے ہاتھوں، جبکہ ٪22 جواب دہندگان مقامی پولیس کی وجہ سے ظلم و تشدد کی شکار ہوئی ہیں۔
- جنوری 1989 سے 30 ستمبر 2017 تک وادی کشمیر میں کل 94,826 ہلاکتیں ہوئیں۔ جن میں حراستی اموات کی تعداد 7,098 بیوہ خواتین کی تعداد 22,858 اور یتیم بچوں کی تعداد 107,665 پائی گئی۔ اسی طرح 11,017 خواتین کے ساتھ چھیڑ چھاڑ اور عصمت ریزی کے واقعات پیش آئے۔

5.3۔ تجاویز(Suggestions)

- سرکار کی طرف سے نیم بیوہ خواتین کی مکمل فہرست تیار کی جاسکے تا کہ تمام محققین، میڈیا، غیر سرکاری تنظیموں کو ان خواتین تک رسائی میں آسانی ہو سکے جس کے ذریعے سے عالمی سطح پر نیم بیوہ خواتین کے تمام تر درپیش مسائل کا حل تلاش کیا جاسکے۔
- وادی کشمیر کی نیم بیوہ خواتین پر روا ظلم و تشدد کے خلاف آواز اٹھانے کے لئے مختلف معلوماتی پروگرام وقتاً فوقتاً کرائے جائیں تا کہ خواتین ظلم کے خلاف لڑنے کے لیے متحرک ہو جائے۔
- حکومت ہند کو چاہیے کہ AFSPA جیسے قوانین جن کا ہندوستانی فوج Law & Order کے بہانے غلط استعمال کرتے ہے کو جلد سے جلد ختم کرے تا کہ ان قوانین کی آڑ میں فوج عام اور بے قصور لوگوں کا قتل عام نہ کرے۔
- حقوق نسواں کے لیے کام کرنے والے تمام سرکاری و غیر سرکاری، قومی و بین الاقوامی انجمنوں اور ایجنسیوں کو ریاستِ جموں و کشمیر میں نیم بیواؤں کی ناگفتہ بہ حالت کا بغور جائزہ لیکر ٹھوس اقدامات اٹھانے چاہیے تا کہ ان خواتین کی حالت میں سدھار ممکن ہو۔
- وادی کشمیر کی نیم بیواؤں کو Passport, Ration card, اور بچوں کو تعلیم دینے کے غرض سے حکومت کی طرف سے خاص اسکالرشپ مہیا کی جائے تا کہ خواتین بھی اپنے بچوں کو روشن مستقبل دینے میں کامیاب ہوں۔

- میڈیا ایک ذمہ دار اور آزاد ادارے کے طور پر کام کرے اور حالات کی صحیح عکاسی کرے۔ ساتھ ساتھ NGO's اور میڈیا کے ذریعہ Legal literacy بہم پہنچائی جائے۔
- 'نیم بیوہ' خواتین ایک جٹ ہو کر اپنی تنظیمیں بنائیں اور اپنے حقوق کے لئے تگ و دو کرے۔
- سرکار ایسی خواتین کو وظیفہ جاری کرے اور اس کے لئے NGO's سے مدد لی جاسکتی ہے کہ ایسی خواتین کی نشاندہی معینہ طور پر ہو سکے۔
- حکومت کو چاہیے کہ وہ گمشدہ افراد کی رپورٹ پوری تفصیل کے ساتھ درج کرے اور ان افراد کی تلاش میں سنجیدگی دکھائے۔ اور وادی کشمیر کے ہر ریاست میں تحصیلی سطح پر نیم بیوہ خواتین کے لیے رہنمائی کے لیے ایسے مراکز کا عمل قیام میں لایا جائے جہاں ان کی صحیح رہنمائی کی جاسکے۔
- ریاستی سطح، قومی سطح اور بین الاقوامی سطح پر انسان دوست تنظیموں کی (International Humanitarian Organizations) زیادہ سے زیادہ حوصلہ افزائی کرنی چاہیے تاکہ وہ نیم بیوہ خواتین کے مسائل کو حل کرنے میں راہیں تلاش کر سکیں۔
- حکومت ہند کو کمیشن برائے انسانی حقوق اور دیگر غیر سرکاری تنظیموں کو مکمل آزادی فراہم کرنی چاہیے تاکہ وہ وادی کی موجودہ صورتحال کا تجزیہ کر سکے اور ان خطاؤں کا حل تلاش کر سکیں جو ماضی میں اور عصر حاضر میں وقوع پذیر ہو رہی ہیں۔
- جیلوں، حراستی مراکز اور پولیس تھانوں میں قیدیوں کی مکمل جانکاری، ان کے گھر والوں کو جلد سے جلد فراہم کی جانے چاہیے۔ مزید یہ بھی واضح کر دیا جانا چاہیے کہ ان کو کس جرم کے تحت قید کیا

گیا۔ حکومت کو فوری طور پر تمام زیر التواعد التی احکامات، تشدد اور حراستی ہلاکتوں کی معلومات دینی چاہیے تا کہ ان مجرم افسران کے خلاف کاروائی کی جاسکے جو انسانی حقوق کی پامالی میں پیش پیش ہیں۔

❖ اگر کسی بھی ضلع میں فوج، عسکریت پسند یا پولیس کی وجہ سے نامعلوم فرد کی موت واقع ہو تو حکومت کو چاہیے کہ مختلف ذرائع ابلاغ کے ذریعہ جیسے ٹیلی ویژن ، ریڈیو، انٹر نیٹ، اخبارات، سوشل میڈیا وغیرہ پر ان افراد کی مکمل جانکاری معہ تصویر جاری کردے تا کہ ان کی شناخت جلد سے جلد کی جاسکیں۔
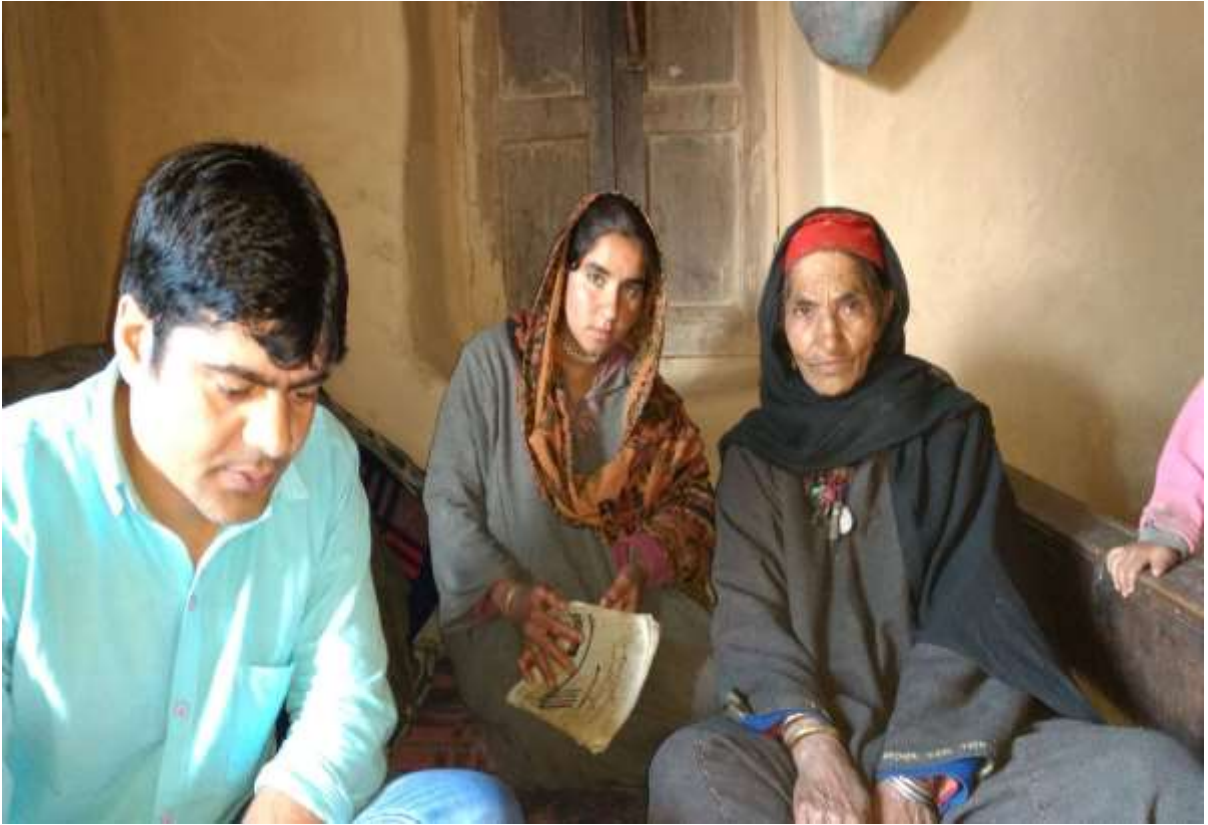
During an interview with a half-widow from district Bandipora on April- 2017 (her daughter also in the photo).

During an interview with a half-widow from district Kupwara on March 2017.

During an interview with a half-widow from district Baramulla on Feb. 2017

During an interview with a half-widow from district Budgam on Jan. 2017 (her brother-in-law also in the photo).

During an interview with a half-widow from district Shopian on April 2017 (her Son & daughter also in the photo).

During an interview with a half-widow from district Pulwama on May 2017

During an interview with a half-widow from district Kulgam on April 2017 (her daughter also in the photo).

During an interview with a half-widow from district Ganderbal on April 2017 (her son also in the photo).

During an interview with a half-widow from district Anantnag on Jan. 2017.

Bibliography:

1. Aguilera, D.C. (1998). Crisis Intervention: Theory and Methodology. Mosby Publishers.
2. Ahmad, S. (2012). The Half Widows of Kashmir. Power Publication, Kolkata.
3. Ahuja,R. (1992).Social Problems in India. Rawat Publication. New Delhi.
4. Ahuja, R. (2009). Research Methods. Jaipur: Rawat Publishers.
5. Akbar, M.J. (2017). Kashmir :Behind the Vale. Roli Books.
6. Ali,T.et.al.(2011).Kashmir: The Case for Freedom.Verso.
7. Ardener,E (1975). "Belief and the problems of women". In Ardener, Shirley. Perceiving Women. London: Malaby Press.
8. Balraj, P.(2008).Kashmir Insurgency and After Orient Black Swan.
9. Banerjee, D. Ed. (2000). South Asia at Gun Point-Small Arms and Light Weapons Proliferation. Colombo, Regional Centre for Strategic Studies.
10. Bashir, S. (2014). The Half Mother. Hachette Book India Local.
11. Batool, E. et.al.(2016).Do you Remember Kunan Poshpora?. Zubaan.
12. Bhagat, P. (1999). Hopeless Hunt for Missing Relatives in Kashmir. Asia Times.
13. Bhat, S.A. (2013). Religious orientation and self-regulation as predicators of mental health of family members of disappeared persons of Kashmir. TheInternational Journal of Indian Psychology. Volume: 3 Issue: 1 No. 7
14. Bhattacharjea, A.(1994).Kashmir: The Wounded Valley. South Asian Books.
15. Birdwood, L. (1956).Two Nations and Kashmir. Robert Hall Limited London.
16. Bose, S. (1997). The Challenges in Kashmir: Democracy, Self determination and a Just peace. New Delhi: Sage Publications Pvt. Ltd .
17. Botting, E. H. (2016). Wollstonecraft, Mill, & Women's Human Rights. Yale University Press. London
18. Bowers, P. (2004). Kashmir, International affairs and Defense. House of Commons Research Paper.

19. Boyden, J. B., Feeny, J. T. & Hart, J. (2002). Children affected by armed Conflict.
20. Butalia, U. (2002). Speaking Peace: Women's Voices from Kashmir. Zubaan.
21. Chen, M.A. (1998).Widows in India. Sage Publications Pvt. Ltd.
22. Choudhry, S.(2011).Kashmir- An issue of a Nation not Dispute of a land. VDM Verlag.
23. Christopher, S. (2013). Kashmir – The Untold Story: The Unwritten History. Harpercollins.
24. Dabla, B.A. (2007). Multi-dimensional Problems of women in Kashmir. Liyon Publishing House- New Delhi.
25. Dabla, B.A (2011). Social Impact of Militancy in Kashmir. Gyan Publishing House, New Delhi.
26. Dabla, B.A (2010). A Sociological Study of Widows and Orphans in Kashmir. Jay Kay Books Srinagar.
27. Dunn, J. (1995). Contemporary Crisis of the National State. Blackwell Publishers.
28. Edward, E. A. (1991). The Analysis and Management of Protracted Conflict.
29. Fetharstone, A.B. (2000). From Conflict Resolution to Transformative Peace building-Reflection from Croatia. Peace Studies Working Paper 4, University of Bradford.
30. Gopinath, M.(2003).Transcending Conflict: A Resource Book on Conflict Transformation. WISCOMP, Dalai Lama.
31. Gurr, T. R. (1970). Why Men Rebel. New Jercy.
32. Habibullah, W.(2014).My Kashmir: The Dying of the Light. Penguin.
33. Haksar, N. (2015). The Many Faces of Kashmir Nationalism: From the Cold War to the Present Day. Speaking Tiger.
34. Hassan, M. S. (2012). Armed Conflict Situation and mental health in Kashmir valley: A sociological study. Jay Kay Books Srinagar Kashmir.
35. Hassan, Z. & Menon, R.(2004).Unequal Citizens: A Study of Muslim Women in India. Oxford University Press.

36. Imroz, P. (2002). States Repression: Enforced or Involuntary Disappearances in Kashmir. Combat Law Vol. 1 Issue 4.
37. Jabeen, F. (2010). Molestation of Kashmiri Women and Peace Process in South Asia. Retrieved form: http://www.inspad.org 10/09/16
38. Jeffrey, Z., Rubbin, D. G. (1994). Social Conflict Escalation, Statement and Settlement. McGraw-Hill, Inc.
39. Jha, S. P. (2003). Kashmir 1947: The Origins OF a Dispute. Oxford University Press, New Delhi.
40. Kak, B.L. (1997). Fall of Gilgit: The Untold Study of Indo-Pak affairs from Jinnah to Bhutto, 1947 to July 1997. Light and Life, New Delhi.
41. Kamla, B. (1993). What is Patriarchy? Kali for women, New Delhi.
42. Kamla, B. (2003). Understanding Gender, Women Unlimited, New Delhi.
43. Kapoor, A. C. (2000). Concepts of Political Science. Malhotra Publications, New Delhi, PP. 103-105.
44. Kaur, M. (2012). Women Second. Affected Community Member First.
45. Kaur, R. (2004). Half Widows of Kashmir. Institute of Peace and Conflict Studies.
46. Kavita, S. (2006). The Impact of Terrorism in Human Rights. New Delhi.
47. Khan, N. A. (2009). Islam Women and Violence in Kashmir; Between India and Pakistan.Tulika Books, New Delhi, India.
48. Kazi, S.(2009). Between Democracy and Nation: Gender and Militarization in Kashmir. Women Unlimited.
49. Kegley, W. Charles and Wittkof, R. Eugene, (2004). World Politics Trends and Transformation. Thomson Learning, USA.
50. Khana, S.P. (2011). Human Rights Evaluation and Development. Manas, New Delhi
51. Khanna, V. N. (2001). Concept of Political Science. Manas publication, pp. 45-48.
52. Khurshid, S. (1994). Beyond Terrorism: New Hope for Kashmir. APH, New Delhi.
53. Kishalay, B.(2015),Blood on my Hands:Confessions of Staged Encounters.Harpercollins.

54. Kitchlu, T. N. (1993). Widows in India. Ashish Publishing House, New Delhi.
55. Korbel, J. (1966). Danger in Kashmir. Princeton University Press, New Jersey.
56. Kotwal, N. & Prabhakar, B. (2009). Problems faced by Single Mothers. *Journal of Social Science. 21*(3): 197-204
57. Kramarae, C .(2008). Muted Group Theory. In E. griffin, a first look at communication theory (pp.454-465). New York, NY: Frank Mortimer.
58. Manchada, R. (2001). *Women, War and Peace in South Asia: Beyond Victimhood to Agency.* Sage publication Pvt Ltd.
59. Lawrence, W.R.(2011).The Valley of Kashmir. Nabu Press.
60. Mony, J. (2010). Human Rights Violation. Anmol Publication, New Delhi.
61. Naik, V. &Sahni, M. (2011). Human Rights and Social Justice. Vedams eBooks (P) Ltd. New Delhi: India.
62. Naqshbandi, A. H. (2003). Widows, Orphan continue to suffer in Kashmir.https:// www.mediamonitors.net
63. Nirnal, C. J. (1999). Human Rights in India- Historical, Social and Political Perspective. Oxford University Press, New Delhi, pp. 41-43.
64. Noorani, A.G.(2013).The Kashmir Dispute. Tulika.
65. Pandita, R. (2014).Our Moon has Blood Clots. Penguin Random House in India.
66. Peer, B(2009) Curfewed Night. RHI Publisher.
67. Puri, B. (1981). Triumph and Tagedy of Indian Federalization. Sterling, New Delhi.
68. Puri, B. (1993). Kashmir towards Insurgency. Oriented Longman Limited, New Delhi.
69. Qasim, S. M. (1992). My Life and Times .Allied Publishers, New Delhi.
70. Qayoom, F. (2014). Women and Armed Conflict: Widows in Kashmir. International Journal of Sociology and Anthropology.
71. Qazi, F. (2016). Secrets of the Kashmir Valley. Pharos Media & Publishing Pvt Ltd.

72. Qutub, S. (2011). Women Victims of Armed Conflict: A Study of Half-Widows in Jammu and Kashmir. (M.Phil. Dissertation Social Work). Tata Institute of Social Sciences, Mumbai.
73. Ratnaparkhi, M.S.(2011). Kashmir Problems and its Solution. Atlantic.
74. Ratner, S. R. & Abrams, J. S. (2001). Accountability for Human Rights Atrocities in International Law. Beyond the Nuremberg Legacy, Oxford, Oxford University.
75. Rani, N. (2006). Child care by Single Mothers. Journal of Comparative Family Studies. 37(1), 75-91.
76. Rao, B. D. (2004). United Nations Decade for Human RIGHTS Educations. Discovery Publication House New Delhi, P. 9.
77. Rashid, A. (2011). Widows and Half-Widows: Saga of Extra Judicial Arrests and Killings in Kashmir. Publisher Pharos Media.
78. Reddy, P. A. (2004). Problems of Widows in India. Sarup New Delhi.
79. Saksena, A. & Singh, I. (2007). Human Rights in India and Pakistan. Deep and Deep Publication, New Delhi, pp 37-41.
80. Sapru, A.N.(2011).In the Valley of Shadows. Wisdom Tree
81. Satya, L. D. (1991). Women headed families, Problems, coping patterns, support system and some related Policy matters. Research on Families with Problems in India. Vol. 1, TISS, Bombay.
82. Schnabal, A. &Tabyshalieva, A. (2012). Defying Victimhood: Women and Post Conflict Peace Building. United Nations University Press.
83. Schofield, V. (2010). Kashmir in Conflict: India, Pakistan and the Unending War. I. B. Tauris.
84. Shah, G. M. & Prakash, S. (2002). Towards understanding the Kashmir Crisis. Gyan Publishing House.
85. Shafi, A.(2002). Working W omen in Kashmir: Problems and Prospects, S.B Nangia New Delhi.
86. Sharma, V. (2011). Human Rights Violation: A Global Phenomenon, New Delhi.
87. Shamsi, N. (2003). Human Rights in New Delhi Millennium. Anmol Publications Pvt. Ltd, New Delhi, p 82.

88. . Sehgal, J. L. (1991). Conflict Management. Printwell, Jaipur.
89. Shah, F. (2013). Of Occupation and Resistance. Tranquebar.
90. Shekhawat, S. (2014). Gender, Conflict and Peace in Kashmir Invisible Stakeholders. Cambridge University Press.
91. Shukhla, S. (n.d.). Silent Victims of Secession: Plight of the Kashmiri Half-Widows. University of Delhi.
92. Siddiqui, S. R. (2006). Wailing Woes of Kashmir women. Retrieved from: https://www. kashmirnewz.com/a0027.html
93. Sikander, M. A. (2011). Does Conflict Empower Women? Countercurrents.org
94. Simon, R. &Bhandri, R. K. (2012). From victimhood to actors: Mobilizing victims to drive Transitional Justice Process.
95. Singh, T. (1995). Kashmir: A Tragedy of Errors. Viking Publishers, New Delhi.
96. Siraj, Majid, A. (1997). Kashmir Desolation or Peace. Minerva Press, London.
97. Verma, B. & Singh, M. (1994). Kashmir: The troubled Frontiers. Lancer Publishers & Distributors.
98. Verma, P. S. (1994). Jammu and Kashmir at the Political Crossroad. Vikas Publishing House, New Delhi.
99. Wallensteen, P.& Sollenberg M. (n.d.). Armed Conflict 1989-2000. Journal Peace Research.
100. Wani, Towfeeq.(2013). The Grave Yard. Power Publishers.
101. Weber, T. (1991). Conflict resolution and Gandhian Ethics. The Gandhian Peace Foundation, New Delhi.
102. Wollstonecraft and Mills. (2016). Women’s Human Rights. London: Yale University Press, pp. 3-4.
103. Zahir-u-din. (1995). Did they vanish in Thin Air? A book on enforced disappearances in Kashmir. Sabha Publications.
104. Zia, A. (2014). The Politics of Absence: Women searching for the disappeared in Kashmir.

Reports

1. Amnesty International, A Report, 1995.
2. Amnesty International, A Report, 1995.
3. From the US Department of States, Indian Country Report on Human Rights Practices for 1998 and Akhila Raman- India's Human Rights Record in Jammu and Kashmir.
4. . Greater Kashmir, State Human Rights Commission-A Report, 14 December 1999, P.10.
5. Human Rights Crisis in Kashmir- A pattern of Impunity. (Boston: Asia Watch, MA02116, March 1993), pp. 1-2
6. Ibid. pp.5-6
7. Ibid. P.9.http:/en.wikipedia.org
8. Association of Parents of Disappeared Persons Report (APDP), 2011. Half Widow, Half Wife: Responding to Gender Violence in Kashmir.
9. Baseline Report on Facilitating the Fulfillment of State Obligation Towards Women's Equality: Women in Armed Conflict Situations in India, advanced unedited version, Guwahati.
10. *A Report on the Situation of Women in Armed Conflict,* ICRC, 1985.p.7.
11. Dabla, B.A. (1994-95).Impact of Conflict Situation on Women and Children in Kashmir : A study of two districts .Report prepared for "Save the children".

Internet Sources:

- https://www.kashmirnewz.com/a0027.html
- https://www.countercurrents.org/kashmir-mohinder020307.html
- https://pcdnetwork.org/blogs/molestation-of-kashmiri-women-and-peace-process-in-south-asia/&grqid=zllp1CE0&hl=en-lN
- https://amp.theguardian.com/commenti.
- www.iwraw-ap.orglaboutus/pdfIFParmed_conflict.pdf
- https://www.un.org/ documents/ga/res/39/a39r046.html accessed on 05/09/17. 11:23pm.
- https://www.greaterkashmir.com/news/opinion/kashmir-conflict-a-gender-perspective/241587..html accessed on 16/10/17. 05:03am.
- https://www.ipsnews.net/2015/07/violence-against –women-alive-and-kiking-in-Kashmir/ accessed on 16/10/17. 07:031am.
- www.kashmirawareness.org
- www.tribunemedia.com

- https://www.google.co.in/search?q=pisc+violence+against+kashmiri+women&source=lnms&tbm=isch&sa=X&ved=0ahUKEwj3ivH58JLXAhXELo8KHQgSDAIQ_AUICigB&biw=1073&bih=508&dpr=1.25.
- http://www.blackwellreference.com/public/tocnode?=g9781405124331_chunk_g 978140512433113_ss1-21 accessed on 18-09-2017 at 10:37 pm.
- (https://www.vocabulary.com. Accessed on 06/08/17. 11:54 pm)
- (https://www.un.org/ documents/ga/res/39/a39r046.htm accessed on 05/09/17. 11:23pm)
- http://www.ipsnews.net/2015/07/violence-against-women-alive-and-kicking-in-kashmir/
- https://cryptome.org/info/kashmir-protest/kashmir-protest.htm

Articles, Journals, News Reports:

- Siddiqui, Saeed ur Rehman (7 May,2009): Wailing Woes of Kashmiri Women. Kashmir Newz, Srinagar.
- Mohinder, P (March 2007).Kashmir: The Land of Widows and Orphans
- Farhat Jabeen (Dec.2010). Molestation of Kashmiri Women and Peace Process in South Asia
- Basu, S. (2010). India's City of Widows.
- Amin, S. T. & Khan, A. W. (2009). Life in conflict: Characteristics of Depression in Kashmir, International Journal of Health Sciences , 3 (2).213-223.

Urdu Books:

1. آمنہ تحسین. (2008)مطالعات نسواں۔ایجو کیشنل پبلشنگ ہاؤز، نئ دہلی۔

2. صغری مہدی۔ (1988)ہندوستان میں عورت کی حیثیت۔ قومی کونسل سپریم آفسیٹ پریس، نئ دہلی۔

3. عبدالقیوم۔(2010)سماجی تحقیق کے طریقے۔نصاب پبلشرز، حیدر آباد۔

Respondent No.

MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY
(A Central University Established by an Act of Parliament in 1998)

Gachibowli, Hyderabad (A.P.) 500 032, Ph: 040 – 23006040, 23006612,.

(ACCREDITED 'A' GRADE BY NAAC)

DEPARTMENT OF WOMEN EDUCATION

Topic: "Half-Widows of Kashmir Valley: A study from Human Rights perspective"

Interview Schedule
1. Respondents personal profile

1. Date of interview:
2. Name of the Village/Town:
3. Address:

4. Locality

(a) Urban (b) Semi Urban (c) Rural

5. Name of the Respondent:

6. Age of the Respondent

(a) 26-35 (b) 36 – 45 (c) 46 – 55

(d) 56 – 65 (e) 65 above

7. Religion

(a) Muslim (b) Hindu (c) Sikh

(d) Christian (e) Other

8. Social Category

(a) General (b) ST (c) OBC

(d) SC (e) OSC

9. Educational Level

(a) Illiterate (b) Primary (c) Secondary

(d) 12^{th} (e) Higher

10. Marital Status

(a) Re- Married (b) Widow

(c) Separated (d) Half-Widow

11. No. of children mention male and female.

(a) 0 M F (b) 1 M F (c) 2 M F

(d) 3 M F (e) 4 M F (f) Actual no.

12. Who according to you is responsible for the disappearance of your family member?

(a) Security Forces (b) Militants (c) Unidentified gunman

(d) Don't know (e) any other………….

13. Date of disappearance

…………………………………………..

14. From which place has he disappeared?

(a) Home (b) Market (c) Forest

(d) Work-place (e) Any other

15. Do you approach anybody for this?

(a) Police (b) NGO'S / organization (c) Security forces

(e) Any other

16. What is the outcome?

……………………………………….

17. What do you feel, the reason for his disappearance?

(a) Innocent (b) Working with Army (c) Army informer
(d) Militant (e) any other, please specify
18. Have you filed a case?

(a) Yes (b) No

19. What is the situation now?

…………………………………………………………………………………………………
…………………………………………………………………………………………………

20. What is the situation of his case?

…………………………………………..

(a) Under investigation (b) case closed (c) Don't know

(d) any other

21. Can you elaborate?

…………………………………………………………………………………………………
…………………………………………………………………………………………………
…………

2. Family Background

Sr. No	Name	Relationship With HOF	Age	Marital Status	literacy	Occupation	Income	Remarks
1.								
2.								
3.								
4.								
5.								
6.								
7.								

2.1	Type of family	1.Joint Family 2.Nuclear Family 3.Extended Family
2.2	Accommodation /Type	1.Rented 2.own 3.pucka 4.Kacha

3-Socio-Economic Profile

1.	Occupational Status	1. Government Job 2. Business 3. Daily wager 4. Farming/Agriculture 5. Unemployed 6. Any other………..
2.	Present families monthly income	1.Below 5000 2.5000-10000 3.10000-15000 4.above 15000 5. Mention actual income (in RS)…….
3.	Sources of Family income	1.Farm Labour

		2. Government Services 3. Private job 4.Any other, please specify
4.	Income before disappearance	……………………………..

4-Socio-Impacts:

4.1	**What problems are you facing in his absence?**?	1.Mobility 2.Insecurity 3.Social Isolation 4.increase in delinquency 5.If any other, please specify
4.2	Are you ignored by the society?	1.Yes 2.No
4.3	If yes, in what ways?	1.Social isolation 2.Broken engagements 3. Any other, please specify…………
4.4	Has disappearance affected the education of any member of your family?	1.Yes 2.No
4.5	If yes, please mention it.	1.Yourself 2.children 3.siblings 4. Any other, please specify………
4.8	Has disappearance affected the health of any of your family member?	1.Yes 2.No
4.9	If yes, in what ways ………………………………………………………………………………………. ……………………………………………………………………………………….	

5-Psychological -Impacts: Trauma Symptom Checklist – 40 ***(Briere & Runtz, 1989)***

How often have you experienced each of the following in last month?

Symptom	*Never - - - - - - - - - Often*			
	0	**1**	**2**	**3**
1. Headaches				
2. Insomnia				
3. Weight loss (without dieting)				
4. Stomach problems				
5. Sexual problems				
6.. Feeling isolated from others				
7. "Flashbacks" (sudden, vivid, distracting memories)				
8. Restless sleep				
9. Low sex derive				
10. Anxiety attacks				
11 . Sexual Overactivity				
12 . Loneliness				
13. Nightmares				
14. "Spacing out" (going away in your mind)				
15. Sadness				
16. Dizziness				
17. Not feeling satisfied with your sex life				
18. Trouble controlling your temper				
19. Waking up early in the morning				
20. Uncontrollable crying				
21. Fear of men				
22. Not feeling rested in the morning				
23. Having sex that you didn't enjoy				
24. Trouble getting along with others				
25. Memory problems				
26. Desire to physically hurt yourself				
27. Fear of women				
28. Waking up in the middle of the night				
29. Bad thoughts or feeling during sex				
30. Passing out				
31. Feeling that things are "unreal"				
32. Unnecessary or over-frequent washing				
33. Feelings of inferiority				
34. Feeling tense all the time				
35. Being confused about your sexual feelings				
36. Desire to physically hurt others				
37. Feelings of guilt				
38. Feeling that you are not always in your body				
39. Having trouble breathing				
40. Sexual feelings when you shouldn't have them				

43. Rehabilitation Measures

S.No	Did you receive any aid from any agency or individual listed below?	
1.	Government	1. No 2. Yes (if yes, mention the aid below …………………………………………………………… ……………………………………………………………
2.	NGO's	1. No 2. Yes (if yes, mention the aid below …………………………………………………………… ……………………………………………………………
3.	Community	1. No 2. Yes (if yes, mention the aid below …………………………………………………………… ……………………………………………………………
4.	Individual	1. No 2. Yes (if yes, mention the aid below …………………………………………………………… ……………………………………………………………

5.	Are you satisfied with the kind of aid given to you?	1.Yes 2.No
6.	If no, what are the reasons?	1.Very less 2. not as per our needs 3.not on time when needed most 4. any other, please specify
7.	What kind of assistance you feel should be given to you.	1.Money 2. Govt. jobs 3.House 4. whereabouts of victim 5. any other, please specify

8.	**Do you know about any rehabilitation measures taken by the government for the Half-widows?**	**1.Yes 2.No**
9.	**If yes, what are those:**	**1.Monthly allowance** **2.Job for any family member** **3.Legal aid** **4. any other, please specify**
10.	**Are you aware of any NGO in your state working on the problems of Half-widows?**	**1.Yes 2.No**
11.	**If yes, please mention their names and role.** **…………………………………………………………………………………….** **………………………………………………………………………………………….** **………………………………………………………………………………………..**	
12.	**Whether they helped you in any way.**	**1.Yes 2.No**
13.	**If yes, in what way**	**1.Money** **2. Kind** **3.Legal aid** **4. Job** **5. Any other, please specify**
14.	**Are you aware of an International Convention for protection of all persons against enforced disappearance?**	**1.Yes 2.No**
15.	**Do you think community can play a role for the welfare of half widows?**	**1.Yes 2.No**
16.	**If yes, how**	**1.Provide help in cash** **2.Provide social support** **4. Any other, please specify** **………………………..** **……………………………**

17.	**Please give your suggestions for improving conditions of your family.** **………………………………………………………………… ………………** **……………………………………**	
18.	**Do you think that your husband is still alive?**	**1. No 2. Yes (if yes, why?** **…………………………… …………**
19.	**Did you seek any legal assistance? (police)**	**1. No 2. Yes if no, why?** **…………………………… ………..** **…………………………… ………** **…………………………… ………** **2. If yes was it useful and what kind of assistance was provided?**

Researcher's observation

………………………………………………………………………………………………… ……
………………………………………………………………………………………………… …..
………………………………………………………………………………………………… …..
………………………………………………………………………………………………

Name and sign of Observer with date

کشمیر کی نیم بیوہ خواتین-انسانی حقوق کے تناظر میں ایک مطالعہ

مقالہ برائے

پی۔ایچ۔ڈی

مطالعات نسواں

مقالہ نگار

عبدالباسط نائک

(A160915)

زیر نگرانی

پروفیسر شاہدہ

اسکول آف آرٹس اینڈ سوشل سائنس

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد(تلنگانہ)

2017

:

Half widows of Kashmir- A Study from Human Rights perspective

THESIS

SUBMITTED IN PARTIAL FULFILLMENT OF THE REQUIREMENT FOR THE AWARD OF THE DEGREE OF

DOCTOR OF PHILOSOPHY

(Women's Studies)

By

Abdul Basit Naik

A160915

Under the supervision of

Prof. Shahida

Department of Women Education
School of Arts and Social Sciences

Maulana Azad National Urdu University
Hyderabad (Telangana) -500032

2017

Bibliography:

1. Aguilera, D.C. (1998). Crisis Intervention: Theory and Methodology. Mosby Publishers.
2. Ahmad, S. (2012). The Half Widows of Kashmir. Power Publication, Kolkata.
3. Ahuja,R. (1992).Social Problems in India. Rawat Publication. New Delhi.
4. Ahuja, R. (2009). Research Methods. Jaipur: Rawat Publishers.
5. Akbar, M.J. (2017). Kashmir :Behind the Vale. Roli Books.
6. Ali,T.et.al.(2011).Kashmir: The Case for Freedom.Verso.
7. Ardener,E (1975). "Belief and the problems of women". In Ardener, Shirley. Perceiving Women. London: Malaby Press.
8. Balraj, P.(2008).Kashmir Insurgency and After Orient Black Swan.
9. Banerjee, D. Ed. (2000). South Asia at Gun Point-Small Arms and Light Weapons Proliferation. Colombo, Regional Centre for Strategic Studies.
10. Bashir, S. (2014). The Half Mother. Hachette Book India Local.
11. Batool, E. et.al.(2016).Do you Remember Kunan Poshpora?. Zubaan.
12. Bhagat, P. (1999). Hopeless Hunt for Missing Relatives in Kashmir. Asia Times.
13. Bhat, S.A. (2013). Religious orientation and self-regulation as predicators of mental health of family members of disappeared persons of Kashmir. TheInternational Journal of Indian Psychology. Volume: 3 Issue: 1 No. 7
14. Bhattacharjea, A.(1994).Kashmir: The Wounded Valley. South Asian Books.
15. Birdwood, L. (1956).Two Nations and Kashmir. Robert Hall Limited London.
16. Bose, S. (1997). The Challenges in Kashmir: Democracy, Self determination and a Just peace. New Delhi: Sage Publications Pvt. Ltd .
17. Botting, E. H. (2016). Wollstonecraft, Mill, & Women's Human Rights. Yale University Press. London
18. Bowers, P. (2004). Kashmir, International affairs and Defense. House of Commons Research Paper.

19. Boyden, J. B., Feeny, J. T. & Hart, J. (2002). Children affected by armed Conflict.
20. Butalia, U. (2002). Speaking Peace: Women's Voices from Kashmir. Zubaan.
21. Chen, M.A. (1998).Widows in India. Sage Publications Pvt. Ltd.
22. Choudhry, S.(2011).Kashmir- An issue of a Nation not Dispute of a land. VDM Verlag.
23. Christopher, S. (2013). Kashmir – The Untold Story: The Unwritten History. Harpercollins.
24. Dabla, B.A. (2007). Multi-dimensional Problems of women in Kashmir. Liyon Publishing House- New Delhi.
25. Dabla, B.A (2011). Social Impact of Militancy in Kashmir. Gyan Publishing House, New Delhi.
26. Dabla, B.A (2010). A Sociological Study of Widows and Orphans in Kashmir. Jay Kay Books Srinagar.
27. Dunn, J. (1995). Contemporary Crisis of the National State. Blackwell Publishers.
28. Edward, E. A. (1991). The Analysis and Management of Protracted Conflict.
29. Fetharstone, A.B. (2000). From Conflict Resolution to Transformative Peace building-Reflection from Croatia. Peace Studies Working Paper 4, University of Bradford.
30. Gopinath, M.(2003).Transcending Conflict: A Resource Book on Conflict Transformation. WISCOMP, Dalai Lama.
31. Gurr, T. R. (1970). Why Men Rebel. New Jercy.
32. Habibullah, W.(2014).My Kashmir: The Dying of the Light. Penguin.
33. Haksar, N. (2015). The Many Faces of Kashmir Nationalism: From the Cold War to the Present Day. Speaking Tiger.
34. Hassan, M. S. (2012). Armed Conflict Situation and mental health in Kashmir valley: A sociological study. Jay Kay Books Srinagar Kashmir.
35. Hassan, Z. & Menon, R.(2004).Unequal Citizens: A Study of Muslim Women in India. Oxford University Press.

36. Imroz, P. (2002). States Repression: Enforced or Involuntary Disappearances in Kashmir. Combat Law Vol. 1 Issue 4.
37. Jabeen, F. (2010). Molestation of Kashmiri Women and Peace Process in South Asia. Retrieved form: http://www.inspad.org 10/09/16
38. Jeffrey, Z., Rubbin, D. G. (1994). Social Conflict Escalation, Statement and Settlement. McGraw-Hill, Inc.
39. Jha, S. P. (2003). Kashmir 1947: The Origins OF a Dispute. Oxford University Press, New Delhi.
40. Kak, B.L. (1997). Fall of Gilgit: The Untold Study of Indo-Pak affairs from Jinnah to Bhutto, 1947 to July 1997. Light and Life, New Delhi.
41. Kamla, B. (1993). What is Patriarchy? Kali for women, New Delhi.
42. Kamla, B. (2003). Understanding Gender, Women Unlimited, New Delhi.
43. Kapoor, A. C. (2000). Concepts of Political Science. Malhotra Publications, New Delhi, PP. 103-105.
44. Kaur, M. (2012). Women Second. Affected Community Member First.
45. Kaur, R. (2004). Half Widows of Kashmir. Institute of Peace and Conflict Studies.
46. Kavita, S. (2006). The Impact of Terrorism in Human Rights. New Delhi.
47. Khan, N. A. (2009). Islam Women and Violence in Kashmir; Between India and Pakistan.Tulika Books, New Delhi, India.
48. Kazi, S.(2009). Between Democracy and Nation: Gender and Militarization in Kashmir. Women Unlimited.
49. Kegley, W. Charles and Wittkof, R. Eugene, (2004). World Politics Trends and Transformation. Thomson Learning, USA.
50. Khana, S.P. (2011). Human Rights Evaluation and Development. Manas, New Delhi
51. Khanna, V. N. (2001). Concept of Political Science. Manas publication, pp. 45-48.
52. Khurshid, S. (1994). Beyond Terrorism: New Hope for Kashmir. APH, New Delhi.
53. Kishalay, B.(2015),Blood on my Hands:Confessions of Staged Encounters.Harpercollins.

54. Kitchlu, T. N. (1993). Widows in India. Ashish Publishing House, New Delhi.
55. Korbel, J. (1966). Danger in Kashmir. Princeton University Press, New Jersey.
56. Kotwal, N. & Prabhakar, B. (2009). Problems faced by Single Mothers. *Journal of Social Science. 21*(3): 197-204
57. Kramarae, C .(2008). Muted Group Theory. In E. griffin, a first look at communication theory (pp.454-465). New York, NY: Frank Mortimer.
58. Manchada, R. (2001). *Women, War and Peace in South Asia: Beyond Victimhood to Agency.* Sage publication Pvt Ltd.
59. Lawrence, W.R.(2011).The Valley of Kashmir. Nabu Press.
60. Mony, J. (2010). Human Rights Violation. Anmol Publication, New Delhi.
61. Naik, V. &Sahni, M. (2011). Human Rights and Social Justice. Vedams eBooks (P) Ltd. New Delhi: India.
62. Naqshbandi, A. H. (2003). Widows, Orphan continue to suffer in Kashmir.https:// www.mediamonitors.net
63. Nirnal, C. J. (1999). Human Rights in India- Historical, Social and Political Perspective. Oxford University Press, New Delhi, pp. 41-43.
64. Noorani, A.G.(2013).The Kashmir Dispute. Tulika.
65. Pandita, R. (2014).Our Moon has Blood Clots. Penguin Random House in India.
66. Peer, B(2009) Curfewed Night. RHI Publisher.
67. Puri, B. (1981). Triumph and Tagedy of Indian Federalization. Sterling, New Delhi.
68. Puri, B. (1993). Kashmir towards Insurgency. Oriented Longman Limited, New Delhi.
69. Qasim, S. M. (1992). My Life and Times .Allied Publishers, New Delhi.
70. Qayoom, F. (2014). Women and Armed Conflict: Widows in Kashmir. International Journal of Sociology and Anthropology.
71. Qazi, F. (2016). Secrets of the Kashmir Valley. Pharos Media & Publishing Pvt Ltd.

72. Qutub, S. (2011). Women Victims of Armed Conflict: A Study of Half-Widows in Jammu and Kashmir. (M.Phil. Dissertation Social Work). Tata Institute of Social Sciences, Mumbai.
73. Ratnaparkhi, M.S.(2011). Kashmir Problems and its Solution. Atlantic.
74. Ratner, S. R. & Abrams, J. S. (2001). Accountability for Human Rights Atrocities in International Law. Beyond the Nuremberg Legacy, Oxford, Oxford University.
75. Rani, N. (2006). Child care by Single Mothers. Journal of Comparative Family Studies. 37(1), 75-91.
76. Rao, B. D. (2004). United Nations Decade for Human RIGHTS Educations. Discovery Publication House New Delhi, P. 9.
77. Rashid, A. (2011). Widows and Half-Widows: Saga of Extra Judicial Arrests and Killings in Kashmir. Publisher Pharos Media.
78. Reddy, P. A. (2004). Problems of Widows in India. Sarup New Delhi.
79. Saksena, A. & Singh, I. (2007). Human Rights in India and Pakistan. Deep and Deep Publication, New Delhi, pp 37-41.
80. Sapru, A.N.(2011).In the Valley of Shadows. Wisdom Tree
81. Satya, L. D. (1991). Women headed families, Problems, coping patterns, support system and some related Policy matters. Research on Families with Problems in India. Vol. 1, TISS, Bombay.
82. Schnabal, A. &Tabyshalieva, A. (2012). Defying Victimhood: Women and Post Conflict Peace Building. United Nations University Press.
83. Schofield, V. (2010). Kashmir in Conflict: India, Pakistan and the Unending War. I. B. Tauris.
84. Shah, G. M. & Prakash, S. (2002). Towards understanding the Kashmir Crisis. Gyan Publishing House.
85. Shafi, A.(2002). Working W omen in Kashmir: Problems and Prospects, S.B Nangia New Delhi.
86. Sharma, V. (2011). Human Rights Violation: A Global Phenomenon, New Delhi.
87. Shamsi, N. (2003). Human Rights in New Delhi Millennium. Anmol Publications Pvt. Ltd, New Delhi, p 82.

88. . Sehgal, J. L. (1991). Conflict Management. Printwell, Jaipur.
89. Shah, F. (2013). Of Occupation and Resistance. Tranquebar.
90. Shekhawat, S. (2014). Gender, Conflict and Peace in Kashmir Invisible Stakeholders. Cambridge University Press.
91. Shukhla, S. (n.d.). Silent Victims of Secession: Plight of the Kashmiri Half-Widows. University of Delhi.
92. Siddiqui, S. R. (2006). Wailing Woes of Kashmir women. Retrieved from: https://www. kashmirnewz.com/a0027.html
93. Sikander, M. A. (2011). Does Conflict Empower Women? Countercurrents.org
94. Simon, R. &Bhandri, R. K. (2012). From victimhood to actors: Mobilizing victims to drive Transitional Justice Process.
95. Singh, T. (1995). Kashmir: A Tragedy of Errors. Viking Publishers, New Delhi.
96. Siraj, Majid, A. (1997). Kashmir Desolation or Peace. Minerva Press, London.
97. Verma, B. & Singh, M. (1994). Kashmir: The troubled Frontiers. Lancer Publishers & Distributors.
98. Verma, P. S. (1994). Jammu and Kashmir at the Political Crossroad. Vikas Publishing House, New Delhi.
99. Wallensteen, P.& Sollenberg M. (n.d.). Armed Conflict 1989-2000. Journal Peace Research.
100. Wani, Towfeeq.(2013). The Grave Yard. Power Publishers.
101. Weber, T. (1991). Conflict resolution and Gandhian Ethics. The Gandhian Peace Foundation, New Delhi.
102. Wollstonecraft and Mills. (2016). Women’s Human Rights. London: Yale University Press, pp. 3-4.
103. Zahir-u-din. (1995). Did they vanish in Thin Air? A book on enforced disappearances in Kashmir. Sabha Publications.
104. Zia, A. (2014). The Politics of Absence: Women searching for the disappeared in Kashmir.

Reports

1. Amnesty International, A Report, 1995.
2. Amnesty International, A Report, 1995.
3. From the US Department of States, Indian Country Report on Human Rights Practices for 1998 and Akhila Raman- India's Human Rights Record in Jammu and Kashmir.
4. . Greater Kashmir, State Human Rights Commission-A Report, 14 December 1999, P.10.
5. Human Rights Crisis in Kashmir- A pattern of Impunity. (Boston: Asia Watch, MA02116, March 1993), pp. 1-2
6. Ibid. pp.5-6
7. Ibid. P.9.http:/en.wikipedia.org
8. Association of Parents of Disappeared Persons Report (APDP), 2011. Half Widow, Half Wife: Responding to Gender Violence in Kashmir.
9. Baseline Report on Facilitating the Fulfillment of State Obligation Towards Women's Equality: Women in Armed Conflict Situations in India, advanced unedited version, Guwahati.
10. *A Report on the Situation of Women in Armed Conflict*, ICRC, 1985.p.7.
11. Dabla, B.A. (1994-95).Impact of Conflict Situation on Women and Children in Kashmir : A study of two districts .Report prepared for "Save the children".

Internet Sources:

- https://www.kashmirnewz.com/a0027.html
- https://www.countercurrents.org/kashmir-mohinder020307.html
- https://pcdnetwork.org/blogs/molestation-of-kashmiri-women-and-peace-process-in-south-asia/&grqid=zllp1CE0&hl=en-lN
- https://amp.theguardian.com/commenti.
- www.iwraw-ap.orglaboutus/pdfIFParmed_conflict.pdf
- https://www.un.org/ documents/ga/res/39/a39r046.html accessed on 05/09/17. 11:23pm.
- https://www.greaterkashmir.com/news/opinion/kashmir-conflict-a-gender-perspective/241587..html accessed on 16/10/17. 05:03am.
- https://www.ipsnews.net/2015/07/violence-against –women-alive-and-kiking-in-Kashmir/ accessed on 16/10/17. 07:031am.
- www.kashmirawareness.org
- www.tribunemedia.com

- https://www.google.co.in/search?q=pisc+violence+against+kashmiri+women&source=lnms&tbm=isch&sa=X&ved=0ahUKEwj3ivH58JLXAhXELo8KHQgSDAIQ_AUICigB&biw=1073&bih=508&dpr=1.25.
- http://www.blackwellreference.com/public/tocnode?=g9781405124331_chunk_g 978140512433113_ss1-21 accessed on 18-09-2017 at 10:37 pm.
- (https://www.vocabulary.com. Accessed on 06/08/17. 11:54 pm)
- (https://www.un.org/ documents/ga/res/39/a39r046.htm accessed on 05/09/17. 11:23pm)
- http://www.ipsnews.net/2015/07/violence-against-women-alive-and-kicking-in-kashmir/
- https://cryptome.org/info/kashmir-protest/kashmir-protest.htm

Articles, Journals, News Reports:

- Siddiqui, Saeed ur Rehman (7 May,2009): Wailing Woes of Kashmiri Women. Kashmir Newz, Srinagar.
- Mohinder, P (March 2007).Kashmir: The Land of Widows and Orphans
- Farhat Jabeen (Dec.2010). Molestation of Kashmiri Women and Peace Process in South Asia
- Basu, S. (2010). India's City of Widows.
- Amin, S. T. & Khan, A. W. (2009). Life in conflict: Characteristics of Depression in Kashmir, International Journal of Health Sciences , 3 (2).213-223.

Urdu Books:

1. آمنہ تحسین. (2008)مطالعات نسواں۔ایجو کیشنل پبلشنگ ہاؤز، نئ دہلی۔

2. صغری مہدی۔ (1988)ہندوستان میں عورت کی حیثیت۔قومی کونسل سپریم آفسیٹ پریس، نئ دہلی۔

3. عبدالقیوم۔(2010)سماجی تحقیق کے طریقے۔نصاب پبلشرز، حیدر آباد۔